

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں و اخلاق و نکات پر جامع و تحقیقی کتاب

مُرتَّبَہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم ایے فاضل دیوبند
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۃ اسلامیات

لاہور — کراچی





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

یہ کتاب، عقیدہ لا بحریری

(www.aqeedeh.com)

سے ڈانلوڈ کی گئی ہے۔

صِدِّیقِ اکبرؑ

خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و کام چارچم پر جامع و تحقیقی کتاب

مہربان

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم ایے فاضل دیوبند

پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

صِدِّیقِ اکبر ﷺ

خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و عبادت پر جامع و تحقیقی کتاب

مترجم

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

فہرست مضامین صدیق اکبر رضو

اداره ایستادگی، بکسیر، یکسیر، یکسیر

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی ۱
ادارۂ المعارف، کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم، کورنگی کراچی ۱۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۰	کوکہ نبویؐ کا مدینہ میں داخلہ	۷۴	غزوہ تبوک	۱۳۸	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
۵۱	دروہ مدینہ کی تاریخ	۷۵	سریہ بنو فزارہ	۱۳۹	قولا و عملا کسی کے استخلاف
۵۲	مدینہ کی آب و ہوا کی عدم ہوا	۷۶	امارت حج	۱۴۰	کی طرف اشارات کئے ہیں؟
۵۳	اور دعاء نبویؐ	۷۷	حجۃ الوداع نبویؐ	۱۴۱	حدیث قرطاس پر بحث
۵۴	عقد موانعات	۷۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴۲	صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر
۵۵	تعمیر مسجد	۷۹	کی وفات	۱۴۳	کا مرتبہ و مقام
۵۶	حضرت عائشہ رضی رضعتی	۸۰	تکمیل فرض کا اعلان	۱۴۴	کارنامہ ہائے خلافت
۵۷	غزوات میں شرکت اور دیگر	۸۱	حضرت ابوبکرؓ کا اندیشہ	۱۴۵	صحابہ کرام اور حضرت
۵۸	کارنامے قبل از خلافت	۸۲	آغاز مرض	۱۴۶	ابوبکرؓ کی گفتگو
۵۹	غزوہ بدر	۸۳	حضرت ابوبکرؓ کو ماضی و آئندہ کا علم	۱۴۷	بیش اسامہ کی روانگی
۶۰	غزوہ اُحد	۸۴	وصال نبویؐ	۱۴۸	مہم کی اہمیت
۶۱	غزوہ خندق	۸۵	سقیفہ بنی ساعدہ	۱۴۹	حضرت اسامہ کا فوج کو
۶۲	غزوہ بنی مصطلق	۸۶	حضرت ابوبکرؓ کی تقریر	۱۵۰	خطاب
۶۳	نزل آیت تیمم کے متعلق	۸۷	بیعت عامہ	۱۵۱	مہم کا نتیجہ اور فائدہ
۶۴	ایک بحث	۸۸	پہلا خطبہ	۱۵۲	ایک بحث
۶۵	صلح حدیبیہ	۸۹	متخلفین	۱۵۳	ارتداد و بغاوت اور
۶۶	غزوہ خیبر	۹۰	حضرت علیؓ کی بیعت	۱۵۴	اس کے اسباب
۶۷	فتح مکہ	۹۱	حضرت زبیر بن عوام	۱۵۵	مستشرقین کی رائے
۶۸	غزوہ حنین	۹۲	ایک شبہ کا ازالہ	۱۵۶	وفات نبویؐ کے وقت
۶۹	غزوہ طائف	۹۳	خلافت	۱۵۷	عرب قبائل میں دو گروہ
۷۰	غزوہ موتہ	۹۴	خلافت کی تعریف	۱۵۸	اعراب
۷۱	غزوہ ذات السلاسل	۹۵	خلیفہ کا منصب اس کے	۱۵۹	سرخش و باغی قبائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۳	کے جنگی اقدامات	۱۶۳	بنو تمیم	۱۳۸	کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
۱۸۴	مانعین زکوٰۃ اعراب کا وفد	۱۶۴	بنو حنیفہ	۱۳۹	قولا و عملا کسی کے استخلاف
۱۸۵	صحابہ کرام اور حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو	۱۶۵	مضر	۱۴۰	کی طرف اشارات کئے ہیں؟
۱۸۶	وفود کی ناکام واپسی اور پٹہ	۱۶۶	اہل بخران	۱۴۱	حدیث قرطاس پر بحث
۱۸۷	کی حفاظت کے انتظامات	۱۶۷	اہل حضرموت	۱۴۲	صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر
۱۸۸	مدینہ پر شب خون	۱۶۸	بنو عامر	۱۴۳	کا مرتبہ و مقام
۱۸۹	مدینہ پر حملہ کی تیاریاں	۱۶۹	عیینہ بن حصین الفزاری	۱۴۴	کارنامہ ہائے خلافت
۱۹۰	جلسہ در بیان کی غدار	۱۷۰	عیینہ کا اقرار کہ وہ مسلمان	۱۴۵	صحابہ کرام اور حضرت
۱۹۱	ذوالقصدہ کو روانگی	۱۷۱	نہیں تھا	۱۴۶	ابوبکرؓ کی گفتگو
۱۹۲	مانعین زکوٰۃ کی مکمل سرکوبی	۱۷۲	دوسرے لوگ	۱۴۷	بیش اسامہ کی روانگی
۱۹۳	مدعیان نبوت اور	۱۷۳	وجہ و اسباب	۱۴۸	مہم کی اہمیت
۱۹۴	مرتدین سحما جنگ	۱۷۴	مدعیان نبوت	۱۴۹	حضرت اسامہ کا فوج کو
۱۹۵	اسلامی فوج کے گیارہ دستے	۱۷۵	الاسود العنسی	۱۵۰	خطاب
۱۹۶	خلیفہ رسولؐ کا اعلان عام	۱۷۶	العنسی کے ارتداد کے	۱۵۱	مہم کا نتیجہ اور فائدہ
۱۹۷	عہد نامہ	۱۷۷	وقت یمن کی حالت	۱۵۲	ایک بحث
۱۹۸	جنگ بنی نضیر	۱۷۸	اسود عنسی کا دعویٰ	۱۵۳	ارتداد و بغاوت اور
۱۹۹	حضرت خالد کو ہدایت	۱۷۹	نبوت اور خروج	۱۵۴	اس کے اسباب
۲۰۰	بنو طے مسلمان ہوتے ہیں	۱۸۰	اسود عنسی کا فائدہ	۱۵۵	مستشرقین کی رائے
۲۰۱	بنو جدیہ مسلمان ہوتے ہیں	۱۸۱	طلیحہ الاسدی	۱۵۶	وفات نبویؐ کے وقت
۲۰۲	طلیحہ سے جنگ	۱۸۲	سجاح بنت الحارث	۱۵۷	عرب قبائل میں دو گروہ
۲۰۳	طلیحہ کی شکست اور اس	۱۸۳	میلہ اللذات	۱۵۸	اعراب
۲۰۴	کا مسلمان ہونا	۱۸۴	حضرت ابوبکر صدیق	۱۵۹	سرخش و باغی قبائل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۹	بنو عامر کا اسلام	۲۱۹	چند ضمنی مباحث	۲۳۷	کندہ و حضرت موت
"	خالموں کو سخت سزائیں	۲۲۰	حضرت ابوبکر کا دیت ادا کرنا	۲۳۹	حروبِ ارتداد و بغاوت پر
۲۰۰	اُم زمل کی فتنہ انگیزی	۲۲۱	شیخین کا اختلاف	۲۴۱	ایک نظر، فتوحات
"	اور اس کا استیصال	۲۲۳	میلہ اور اہل یمامہ جنگ	۲۴۸	عراق پر لشکر کشی
۲۰۱	قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک	"	حضرت خالد کی نامزدگی	۲۴۹	فوج کشی کی ابتداء
"	سجاح اور مالک بن نمیرہ	۲۲۴	ناسوران مہاجرین و انصار	۲۵۰	حضرت خالد کی نامزدگی
"	بنو تمیم کی اہمیت	"	کی شرکت	"	حضرت خالد کو ہدایات
۲۰۲	مالک بن نویرہ کی بغاوت	"	مجاہد کی گرفتاری	۲۵۱	اہلہ کی اہمیت
"	سجاح کی آمد	"	لشکر کی ترتیب	"	جنگِ فات السلاسل
۲۰۳	سجاح کی قبائل سے جنگ	۲۲۵	جنگ کا آغاز	"	اہلہ سے متعلق ایک بحث
"	یمامہ پر حملہ کا ارادہ	"	مجاہدین کا جوش و خروش	۲۵۲	مذار کی جنگ
۲۰۴	میلہ اور سجاح کا نکاح	۲۲۶	مسلمانوں کا دوسرا حملہ	۲۵۶	جنگ و لہجہ
۲۰۵	بطاح میں حضرت خالد کا نزول	۲۲۷	میلہ کا قتل	۲۵۸	جنگِ اُلیس
۲۰۶	مالک بن نویرہ کے واقعہ	۲۲۸	باقی قلعوں پر قبضہ	۲۵۹	حیرہ کی فتح
"	قتل پر ایک نظر	"	جنگِ یمامہ کی تاریخ	۲۶۰	بنت بقیلہ کا افسانہ
"	واقعہ کی مختلف صورتیں	"	حدیقہ الموت کا وقوع	۲۶۲	حیرہ میں حضرت خالد کا
۲۰۸	واقعہ کی اصل صورت	۲۲۹	جنگ کا اثر	۲۶۳	بحرین
۲۰۹	مالک بن نویرہ کا مختصر حال	۲۳۰	طویل قیام	۲۶۳	جنگِ بحرین کی اہمیت
۲۱۱	مالک بن نویرہ کے اسلام کی	"	واقعہ انبار	۲۶۴	فتح عین التمر
"	شہادت	"	عمان و مہرہ	۲۶۵	معرکہ دومۃ الجندل
۲۱۲	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۳۵	یمن	۲۶۷	عراق میں بغاوت
۲۱۶	اُم تمیم سے نکاح	۲۳۶	مہم یمن کی اہمیت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۹	حضرت ابوبکر کا دستورِ حکومت	۲۸۵	حضرت خالد کی روانگی	۲۶۸	دو مسلمانوں کا سہواً قتل
"	مجلس شوریٰ	۲۸۶	معرکہ اجنادین	۲۷۰	جنگِ قراض
"	ملکی نظم و نسق	۲۸۷	حضرت خالد کا حضرت	۲۷۱	حضرت خالد کا حج
۳۲۱	عہد دارانِ حکومت کا انتخاب	۲۸۸	ایک بحث	۲۷۳	فتوحاتِ شام
"	انتخاب کے معاملہ میں حضرت	۲۹۰	عراق میں بغاوت	"	شام کی سرحد پر لشکر کا تعین
"	ابوبکرؓ کے اصول	۲۹۳	فتوحات کے اسباب	۲۷۶	قیصر روم کی جنگی تیاری
۳۲۲	اقر بانوازی سے اجتناب	۲۹۴	مغربی مصنفین کے نزدیک	۲۷۷	مشاورت
"	عمال کے تقریریں عالی ظرفی	۲۹۶	ان فتوحات کے اصل اسباب	"	دعوت نامے
۳۲۳	عمالِ حکومت کی دلجوئی	۲۹۹	مرض الموت اور وفا	۲۷۸	قبائل کا جوش و خروش
"	اور ان کا احترام	۳۰۰	جانشینی کے لیے مشورہ	"	اور ان کی مدینہ میں آمد
"	انتخاب میں احتیاط	۳۰۱	حضرت عمرؓ کی نامزدگی	"	قیصر روم کے نام حضرت
"	آزمائشی تقریر	۳۰۲	حضرت عمرؓ کو دمایا و نصائح	"	ابوبکر کی سفارت
۳۲۴	عمال کی معذرت	۳۰۳	ذاتی معاملات کی طرف توجہ	۲۷۹	قبائل کی بے قراری
۳۲۵	گورنروں کے فرائض	۳۰۵	تجہیز و تکفین کے متعلق	"	اسلامی فوج کے عناصر
"	عہدوں کی تقسیم	"	وصیت	"	ترکیبی
"	عہدہ قضا	۳۰۷	صحابہ کرام میں صفِ ماتم	۲۸۰	افواج کی روانگی
۳۲۸	ایک نکتہ	"	حضرت علیؓ کا تعزیتی خطبہ	۲۸۱	رومیوں سے پہلا مقابلہ
"	وزارتِ عظمیٰ	۳۱۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	"	اسلامی لشکر کے مختلف عناصر
"	وزارتِ خزانہ	"	کی ایک بشارت	"	قیصر روم کے لشکروں کی
۳۲۹	عہدہ کتابت	"	نظامِ حکومت	۲۸۳	ترتیب
		"		۲۸۴	اجتماعِ یرموک
		"		"	حضرت خالد بن ولید کی نامزدگی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۲۹	عمال کے نام احکام	۳۲۳	معاون پریکس	۳۲۳	میں احتیاط،
	بھیجنے کا طریقہ	۳۲۴	بعض اور آمدنیاں	۳۵۶	مجاہدین اسلام کی
	عہدہ افتاء	"	زکوٰۃ کی حیثیت اسٹیٹ	"	قدر اندازی،
	پولیس	"	ڈیوٹی کی ہے،	۳۵۷	سامان جنگ کی فراہمی
	عمال کو ہدایات	"	حکومت کے مصارف	"	امرئے فوج کو ہدایات
۳۳۳	تقویٰ و طہارت کی عام	"	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۰	فوجی مراکز کا معائنہ
	تاکید،	"	کے وعدوں کی تکمیل،	"	حضرت ابوبکر کے احکام و
	عمال و امراء سے احتساب	"	تقسیم میں مساوات	۳۶۷	ہدایات کا اثر
۳۳۴	معمولی غلطیوں سے اغماض	"	خمس، مال غنیمت کی تقسیم	۳۶۱	مغربی مصنفین کی رائے
۳۳۵	عمال کی تنخواہ	"	ایک غلط روایت	۳۶۲	کسانوں کا خاص خیال
۳۳۶	حضرت ابوبکر کی تنخواہ	"	غیر مسلموں کا سماجی تحفظ	"	اہل دیہات کے ساتھ معاملہ
۳۳۷	مالی نظام	"	جن چیزوں پر ٹیکس نہیں ہے	۳۶۳	فریق محارب سے برتاؤ
	(ریاست کے ذرائع	۳۵۱	فوجی نظام	۳۶۴	صلح نامہ حیرہ
	آمدنی اور مصارف)	۳۵۲	شکر کے مختلف حصے	۳۶۶	تعزیرات و حدود
	عہد نبوت میں نظام مالی	"	شکر میں وعظ گو	"	مجرم سے اغماض
۳۳۹	زکوٰۃ کی شرح	"	جنگ کے ہتھیار	۳۶۷	عبرت ناک منرا
۳۴۰	زمین پر محصول	"	فوجی لباس	"	حد قریب خمر
	لگان اجارہ	"	عورتیں بھی ساتھ ہوتی	۳۶۸	حد سرقہ
	خراج	"	تعمیریں۔	۳۶۹	حد زنا
	جزیہ	۳۴۱	فوج کا معائنہ	"	ذاتی معاملہ میں مسامت
۳۴۲	فے اور غنیمت	۳۴۵	کمانڈر انچیف کا معاہدہ	۳۷۰	دینی خدمات
	جاگیر بخشی	"	فوج کے لیے انتخاب	۳۷۱	اصلاح عقائد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۹	علمی مفاخر و کمالات	۳۸۴	عام سماجی حالت	۳۷۱	امر بالمعروف
۴۰۰	علم الانساب میں مہارت	"	اجتہاد و قیاس	"	بدعات پر تنبیہ
۴۰۱	ایام العرب	"	قیاس عہد نبوت میں	"	تبلیغ و اشاعت اسلام
۴۰۲	ذوق شعر و سخن	۳۸۵	استنباط احکام کے اصول	۳۷۲	جمع قرآن
۴۰۳	تقریر و خطابت	"	ثلاثہ	۳۷۳	ایک غلط روایت
۴۰۸	تحریر و کتابت	۳۸۶	اصل رابع یعنی قیاس	۳۷۴	جمع قرآن کی اصل حقیقت
۴۱۰	فن کتابت	۳۸۷	غیر وفدک کا مسئلہ	"	ایک غلط فہمی کا ازالہ
"	علم القرآن	"	اصل واقعہ	۳۷۵	ترتیب سور عہد نبوت میں
۴۱۳	حدیث	۳۸۸	حضرت ابوبکر کے فیصلہ	۳۷۶	صدیقی کا زمانہ کی نوعیت
۴۱۴	خبر واحد کے متعلق اصول	"	کے وجوہ،	۳۷۸	حضرت ابوبکر کے تامل کی وجہ
"	حضرت ابوبکر کی روایات	"	خالصہ رسول ہونے کا	"	حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان
	کی تعداد	"	مطلب،	"	کے جمع قرآن میں فرق
۴۱۷	فقہ	۳۹۰	غیر وفدک کے مفارف	۳۸۰	صدیقی کا زمانہ کی اہمیت
"	تعبیر رویا	۳۹۱	حضرت فاطمہ زہرا کا طرز عمل	"	عہد صدیقی میں تمدنی حالت
۴۱۸	تصوف	۳۹۳	حضرت ابوبکر کی مجتہدانہ	۳۸۱	لباس
۴۲۰	عشق نبویؐ	"	بالغ نظری،	۳۸۲	غذا
	ادب و احترام نبویؐ	۳۹۵	حضرت علی اور حضرت عباسؓ	"	ذرائع معاش
۴۲۲	ناموس نبویؐ کی حفاظت	"	کا اصرار،	۳۸۳	آزاد تجارت
	ورعایت	۳۹۶	کلامہ کی بحث	"	گھریلو دستکاری اور
۴۲۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۹۸	بچہ کس کو دیا جائے	"	آزاد پیشے،
"	کی طرف سے فرض کی ادائیگی	"	فراسٹ ایمانی	۳۸۴	عہد صدیقی میں وظائف نہ
"	اہل بیت کے ساتھ محبت	"		"	ہونے کی وجہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۲	ازواج	۴۲۵	فضائل و مناقب	۴۲۳	مکارم و اخلاق
۴۲۳	اُمّ رومان رضی	"	مقام صدیقیت	۴۲۵	تقویٰ و طہارت
"	اسماء بنت عمیس رضی	۴۲۹	ادلیات	۴۲۶	خوفِ خدا
۴۲۴	جیبہ بنت خارجہ رضی	۴۳۰	ذاتی حالات و سوانح	"	ندامت اور پشیمانی
"	اولاد	"	حلیہ	۴۲۸	زہد و ورع
"	عبدالرحمن رضی	۴۳۱	لباس و غذا	۴۲۹	تواضع اور سادگی
۴۲۵	عبداللہ رضی	"	ذریعہ معاش	۴۳۰	خودداری
"	محمد بن ابی بکر رضی	"	روزینہ خلافت	"	فقر و درویشی
۴۲۶	اسماء بنت ابی بکر رضی	"	خلیفہ ہونے کے بعد کے	"	انفاق فی سبیل اللہ
"	حضرت عائشہ رضی	"	معمولات	۴۳۱	شجاعت
۴۲۷	اُمّ کلثوم رضی	۴۳۲	عبادت	۴۳۲	حلم اور بردباری
"	انگوٹھی	"	حقوق العباد کا خیال	"	حُسنِ خلق
۴۲۸	تبصرہ	"	رقتِ قلب	۴۳۳	مزاج
		"	قسم کس طرح کھاتے تھے	"	احتسابِ نفس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ اُس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے ہو سکتا ہے کہ۔

لَقَدْ قَمْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کِی وَفَاتِہٖ کَی بَعْدَ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَقَامًا کُنَّا نَہْلُکَ فِیْہِ لَوْ اِیْسَہٗ حَالَاتٍ مِّیْنِ کُھْرَکَی تَحَیَّہٗ کَی اَکْرَ اللّٰہِ نَہٗ اَبُو بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلَیْنَا بِاَبِی بَکْرٍ ذَرِیْعَہٗ ہِمَّ پَرَا حَسَانِہٖ نَہٗ کَیَا ہُو تَاوِہِمَّ ہَلَاکَ ہُو جَلَّی۔

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق کو زیادہ شہرت حاصل ہے لیکن حق یہ ہے کہ اگر خلیفہ اول پورے عرب کو ایک اسلام کے علم کے نیچے لا کر جمع نہ کر دیتے تو حضرت عمرؓ نے جو عظیم کارنامے انجام دیئے ان کے لیے راہ ہموار نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی مدتِ خلافت دو برس اور تین مہینے کے قریب ہے لیکن اس قلیل مدت میں بھی آپ نے جو کام کئے ہیں وہ نوعیت کے اعتبار سے نہایت عظیم الشان ہونے کے ساتھ اس قدر چند در چند اور گونا گوں ہیں کہ مؤرخین متقدمین نے اُن پر ضخیم مجلدات لکھی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابع میں (جلد ۲ ص ۳۳۵) ابن عساکر کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تذکرہ میں ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں جہاں عہد صدیقی کے واقعات لکھے ہیں اس موضوع پر خود اپنی ایک مستقل کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

متقدمین نے اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ دو قسم کی ہیں:-

- ۱۔ وہ کتابیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے تذکرہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی آپ کے تمام حالات و سوانح پر مشتمل ہیں۔
- ۲۔ وہ کتابیں جو عہد صدیقی کے بعض خاص خاص اور اہم واقعات مثلاً فتنہ ارتداد۔ مالک بن نویرہ کا واقعہ وغیرہ پر لکھی گئی ہیں۔
- ابن ندیم کی الفہرست، خطیب بغدادی اور ابن خلکان وغیرہما کے بیانات سے عہد صدیقی سے متعلق جن تالیفات کا سراغ ملتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں۔

مصنف کا نام	سال وفات	تالیفات
ابو مخنف لوط بن یحییٰ سیف بن عمر الاسدی التمیمی اسحق بن بشر	۱۶۰ھ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں وفات ہوئی ۲۰۶ھ	کتاب الردۃ (الفہرست ص ۱۳۶ مصری) کتاب الردۃ (الفہرست ص ۱۳۷) ابن الندیم نے اس کی کتاب الردۃ کا ذکر کیا ہے (الفہرست ص ۱۳۷) اس کے علاوہ اس کی ایک کتاب کا نام کتاب المبتدا بھی ہے (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۲۶ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۸۶) ابن الندیم نے عہد صدیقی سے متعلق ان کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں (۱) کتاب الردۃ (۲) کتاب السقیفہ وسیعۃ ابی بکر (۳) کتاب سیرۃ ابی بکر و وفاته۔ (الفہرست ص ۱۴۲) انہوں نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھی تھیں، ایک کا نام کتاب الردۃ "اور دوسری کا "کتاب حجۃ ابی بکر الصدیق" تھا (الفہرست ص ۱۴۸) اسحق بن بشر کا شاگرد اور اس کی کتابوں کا راوی تھا (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۲۶) ابن الندیم نے اس کی کتاب الردۃ کا ذکر کیا ہے۔ (الفہرست ص ۱۵۹) ابن خلکان نے اس کی کتاب الردۃ کا طویل اقتباس مالک بن
ابو الحسن علی بن محمد المدائنی	۲۱۵ھ	
ابو اسحق اسماعیل بن عیسیٰ الطہار	۲۳۲ھ	
ابوزید ثیم بن موسیٰ ابن القنات	۲۳۲ھ	

مصنف کا نام	سال وفات	تالیفات
ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی	تاریخ وفات صحیح معلوم نہیں مقتدر	نویرہ کے واقعہ کے ذیل میں درج کیا ہے (ج ۵ ص ۴۲ رقم ۴۰) مطبوعہ مصر ۱۹۴۹ء یہی اقتباس ابن شاکر کی فوات الوفا میں بعینہ منقول ہے (ج ۲ ص ۲۵ رقم ۴۹) مطبوعہ مصر ۱۹۵۱ء حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں اس کتاب کے اقتباسات جگہ جگہ دیئے ہیں، انہیں اقتباسات کو ایک جرمین متشوق کتاب کی شکل میں ایک جاسٹرب کر دیا ہے۔
ابو ریاش احمد بن ابی ہاشم القیسی۔	۳۳۹ھ زندہ تھا۔	اس کتاب کا نام "کتاب الفتح" ہے۔ اس کے ابتدائی حصہ میں ارتداد عرب کی تاریخ پر مفصل بحث ہے۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ اصل عربی کی بہ نسبت زیادہ مشہور ہے۔ اس نے حضرت خالد بن الولید اور مالک بن نویرہ کے واقعہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا (خزانة الادب ج ۲ ص ۲۳۶) خطیب بغدادی نے بھی اس سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے یا قوت نے مجمع الادباء ج ۲ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

واقعی کی کتاب الردۃ کا نسخہ پٹنہ میں واقعی کو مؤرخین میں جو شہرت و اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس کی کتاب الردۃ کے متعلق ذرا تفصیل سے گفتگو کریں۔ اس کتاب کی نسبت ارباب علم کے حلقہ میں مشہور ہے کہ اس کا واحد نسخہ کتب خانہ نشر فیہ بالکی پور پٹنہ جو عام طور پر خدائش لائبریری کے نام سے معروف ہے اس میں محفوظ ہے۔ چنانچہ خان بہادر عبدالمقتدر خان مرحوم کی فہرست میں زیر شمارہ ۱۰۴۲ (ج ۱ ص ۱۵) اس نسخہ کا مفصل حال مذکور ہے اور لوگوں نے اسی کو واقعی کی کتاب الردۃ کا نسخہ سمجھ رکھا ہے۔ لیکن اندرون کتاب صفحہ کے اوپر کتاب الردۃ کی بجائے ذیل کی سُرخِ ملتی ہے۔

هذا ما كان من اخبار اهل الردۃ من مسيلمة الكذاب وطلحة و
كنده وبنی بكر بن وائل وغيرهم من القبائل۔

اس سرخی سے قیاس ہوتا ہے کہ زیر بحث نسخہ مستقل کتاب ہونے کی بجائے کسی بڑی کتاب کا ایک حصہ ہے۔ پھر کتاب کی سند پر غور کیا جائے تو اس قیاس کی مزید تائید ہوتی ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ کتاب دراصل واقدی کی کتاب الردہ کا نسخہ نہیں ہے اگرچہ اس میں واقدی کی روایات کا حصہ بھی ضرور شامل رہا ہے یہ سند جس کا ہم نے ذکر کیا حسب ذیل ہے۔

روی ابو القاسم عبد اللہ بن حفص بن مہران البردعی اعزہ اللہ تعالیٰ قال حدثنی ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی قراءۃً علیہ قال حدثنی ابو جعفر بن عبد العزیز بن المبارک قال حدثنی نعیم بن مزاحم النقری قال حدثنی محمد بن عمر بن الواقد الواقدی السلمی وحدثنی ابراہیم ابن عبد اللہ بن العلاء القرشی المدنی قال حدثنی احمد بن الحسین الکندی ونصر بن خالد الخوسی وابی حمزۃ القرشی من محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی قال حدثنی الزہری زید بن رومان وصالح بن کیسان ویحییٰ بن عروۃ عن الزبیر بن العوام ومعوذ بن لبید وعاصم بن عمر بن قتادۃ کل هذا یدکرانہ لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم شمتت الیہود والنصارى باہل الاسلام الخ

اس سند سے جن امور کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ کتاب کا راوی ابو القاسم عبد اللہ البردعی ہے۔
- ۲۔ راوی کو اس کتاب کی باقاعدہ اجازت احمد بن اعثم الکوفی سے حاصل ہے۔
- ۳۔ اس کتاب میں جو روایتیں درج ہیں وہ احمد بن اعثم کو دو سلسلوں سے پہنچی ہیں پہلا سلسلہ ابو جعفر عبد العزیز بن المبارک کا ہے جو ایک واسطہ سے محمد بن عمر الواقدی کا شاگرد ہے اور دوسرا سلسلہ ابراہیم بن عبد اللہ القرشی المدنی کا ہے جس میں واقدی کا کہیں ذکر نہیں۔ خان بہادر عبد المتقن محمد نے اس سند کو ناقص نقل کیا ہے اور واقدی کے بعد کے سلسلہ کو حذف کر دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف فہرست پر اعتماد کرنے والوں کو اس کتاب کے اصل مصنف کے بارے میں غور کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ حالانکہ پوری سند جب سامنے آتی ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب سے واقدی کا تعلق مؤلف ہونے کی حیثیت سے ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا مؤلف

جس شخص کو قرار دیا جاسکتا ہے وہ دراصل ابو محمد احمد بن اعثم الکوفی ہے جس نے واقدی اور دوسرے متقدمین کی روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے اور اپنے روایتی سلسلوں کو بچا کتاب میں درج کر دیا ہے۔

افسوس ہے کہ کتاب الفتوح کا عربی نسخہ ہمارے علم میں کہیں نہیں ہے۔ اور اب اس کا فارسی ترجمہ ہی ملتا ہے جو کسی زمانہ میں بمبئی سے شائع ہوا تھا اور اب وہ بھی نایاب ہے۔ البتہ اس کے قلمی نسخے عام طور پر کتب خانوں میں مل جاتے ہیں۔ اس وقت ایٹماٹک سوسائٹی کے دو قلمی نسخے ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان دونوں نسخوں کی مدد سے ابن اعثم کی کتاب اور واقدی کی طرف منسوب کتاب الردہ دونوں کے سیاق و سباق کا مقابلہ کیجے تو ان میں اصل اور ترجمہ کے ناگزیر فرق کے علاوہ کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آئیگا۔ ہم ذیل میں کتاب الردہ کی فصول کے متوازی کتاب الفتوح کی سرخیاں درج کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا دعویٰ ثابت ہوگا۔

فصول کتاب الردہ للواقدي نسخہ پٹنہ	اوراق	فصول کتاب الفتوح لابن اعثم فارسی نسخہ کلکتہ	اوراق
۱- اخبار سقیفہ بنی ساعدہ	۲۵	۱- اخبار سقیفہ بنی ساعدہ	۲۵
۲- ذکر اخبار الردہ	۶۵	۲- ذکر اخبار اہل ردہ	۷۵
۳- ذکر خروج اسامہ بن زید	۷۵	۳- قصہ رفتن اسامہ ہشام	۸۵
۴- ذکر فجاءۃ بن عبد یالیل	۱۰۵	۴- ذکر فجاءۃ عبد یالیل اسلمی	۱۱۵
۵- خبر مالک بن النویرہ	۱۶۵	۵- الف- ذکر رفتن خالد بن الولید جنگ الک	۱۶۵
ومسلمۃ الکذاب		(ب) قصہ مسلمانہ جنگ الک	
		ابن الولید بابا ادا قتاد	
۶- ذکر ارتداد اہل البحرین	۲۵۵	۶- ذکر مرتد شدن اہل بحرین	۲۵۵
۷- ذکر ارتداد ارض حضرموت	۲۶۵	۷- قصہ مرتد شدن حضرموت دکنہ	۲۶۵
من کندہ وغیرہا			
۸- بندۃ فی ذکر المثنیٰ بن حارثۃ الشیبانی		۸- ذکر فتحہا کہ بعد از مرتد شدن این جماعت در بلاد	
وہو قول الفتوح بعد قتال اہل الرقة	۴۰۵	روم و فرض مسلمانان را میسر شد ۳۹۵ - ۳۵۵	

کتاب الردہ کی آخری فصل خان بہادر مرحوم کی مرتبہ فہرست میں اسی طرح ہے لیکن اصل نسخہ میں پوری عبارت یہ ہے:-

نبذة في ذكر المثنى بن حارثه الشيباني وهو اقل الفتوح بعد
قال اهل الردة وهو ايضا من رواية الاعثم الكوفي -

جیسا کہ گزشتہ چکا ہے شروع سند سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی کی کتاب دراصل ابن اعثم کی روایات کا مجموعہ ہے جو واقعی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ابن اعثم کو پہنچی تھیں اب کتاب کی آخری فصل کے کشیدہ الفاظ سے بھی اس کی تائید ہو جاتی ہے کہ یہ نسخہ واقعی کی کتاب الردہ یا تنہا اس کی روایات کا مجموعہ نہیں ہے۔ البتہ اس قدر ضرور مسلم ہے کہ اس نسخہ میں واقعی کی ان روایات کا ضروری حصہ بھی شامل ہے جس سے واقعی کی اصل کتاب الردہ خالی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس امر واقعی کی بنیاد پر زیر بحث نسخہ کو واقعی کی کتاب الردہ کا نسخہ سمجھ لینا قطعاً درست نہیں۔

واقعی کی کتاب الردہ اور کتاب الفتوح لابن اعثم کی عبارتوں کا اگر تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت اور نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ لیکن بہر حال اصل اور ترجمہ میں ناگزیر فرق ہوتا ہے اس کے علاوہ قلمی نسخوں کے جملہ اختلافی اسباب و علل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بد قسمتی سے کتاب الردہ کا یہ واحد نسخہ جدید الخط ہونے کے ساتھ نقص و فتور سے بھی پر ہے اور دوسری طرف ابن اعثم کی کتاب الفتوح کے پیش نظر نسخے بھی کچھ اسی قسم کے ہیں۔ اب آپ عبارتوں کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔

(نسخہ کتاب الردہ کی عبارتیں) (فتوح ابن اعثم کی فارسی عبارتیں)

۱۔ لما قبض النبي صلى الله عليه وسلم	بے دیناں و ضعیف یقیناں
شمت اليهود والنصارى باهل	از ہر طرف در گفتگو و جستجو
الاسلام وظهر النفاق في المدينة	آمدند و فرصت جو یاں از کمین
ممن كان يخفيه قبل ذلك وماج	حد و جائے غرض بیرون جہتند
الناس واضطربوا و اقبل مالک	دہر جائے مجلس و بہر گوش
بن التيهان الانصارى متى وقف	محفلے پدید آمد۔ در مجمعے کہ وجوہ
على قومه فقال يا معشر الانصار	مہاجر و انصار حاضر بود

انصتوا و اسمعوا مقالتي و تفهموا
ما القيه اليكم اعلوا انه قد شمت
اليهود و النصارى بموت نبينا
محمد صلى الله عليه وسلم
آن اینست

وقد ظهرت حسيكة اهل
الردة و عظم المصائب علينا
ان مسيلمة الكذاب بامرض
اليامة يرعد و يبرق و
قد تعلمون انه يدعى النبوة
في حياة نبينا محمد صلى الله عليه
وسلم۔ و الآن قد بلغني ان
طلحة بن خويلد الاسدي
ايضا قد ادعى النبوة ببلاذ
بجد (اس کے بعد ابن التيهان کے بارے
شعر درج ہیں جو فتوح ابن اعثم میں بھی
موجود ہیں۔)

کاسہ اومی لیسد۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر حضرت علی کی بیعت کی بحث میں آخری الفاظ یہ ہیں۔

قال فانصرف علي الى منزله قلم	علی بیعت ناکردہ از مجلس بازگشت
يباع حتى توفيت فاطمة ثم بايع	جماعتے گویند کہ از وفات فاطمہ
بعد خمس و سبعين ليلة من	بدونیم ماہ بیعت کرد و از عائشہ
وفاتها و قيل الى بعد ستة	روایت کنند کہ بعد از شش ماہ
اشمرو الله اعلما اسي ذلك كان	بیعت کرد۔ باقی دانند اعلما
فهذا الكرمك الله ما كان من	دائیں جاسخن بسیارست کہ روافض

سقیة بنی ساعدة و هذا رواية
العلماء ولما اراد ان اكتب ههنا
شيئا من زيادات المرافضة فيقع
هذا الكتاب في يد غيرك فتنسب
انت الى امر من الامور والله يقيقك
(ورق ۶ ذ)

وغير آنها بر سبیل غلو و مبالغہ گویند
و انرا بر ادان جز تعرض
تہمت فائدہ نہ بیند
خدائے تعالیٰ نویسنده و خواننده
را از آنچہ خلاف رضائے
اوست نگاہ دارد۔

۳۔ کتاب الردہ کے آخری الفاظ یہ ہیں:-

قال كان خالد بن الوليد
كلما افتتح موضعاً من
العراق اخرج من غنائمه
لخمس فيوجه به الى المدينة
الى ابي بكر الصديق ويقسم
باقى المغنم في اصحابه
قال الى ان تحركت الروم
بارض الشام فنرجع الان الى
ذكر فتوح الشام بعون الله
وكرمه انشاء الله تعالى۔

و ہر موضع کہ مسلم شدے
خمس از غنائم آن بیرون
کردے و نزدیک صدیق
فرستادے و باقی بر لشکر
بر قضیت شرع غنیمت
کردے و ہم بریں روزگارے
گزشت و لشکر
بر ہر طرفے گماشت
ذکر در حرکت آمدن
لشکر روم در ولایت
شام ان

(ورق ۳۳ ب)

احادیث سیرت الصدیق کے | عہد نبوت یا عہد صدیقی کے لیے | مآخذ اصولاً دو ہیں۔
مآخذ کی حیثیت سے | ایک کتب حدیث اور دوسرے تاریخ و سیر کی کتابیں۔ ان میں
ظاہر ہے اول نمبر کتب حدیث کا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اسی کو مقدم رکھا ہے اور جہاں تک
ہم احادیث صحیحہ سے مدد حاصل کر سکتے تھے اس میں کوتاہی نہیں کی ہے۔ لیکن اس موقع پر
یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جن احادیث میں کوئی تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے ان کی

نوعیت اور حیثیت ان احادیث سے کسی قدر مختلف ہے جن میں کوئی شرعی حکم یا اس سلسلہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا عمل بیان کیا گیا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام صحابہ اپنے طبائع،
رجحانات اور مزاج کے اعتبار سے یکساں نہیں تھے، اس بنا پر بعض معاملات میں ان کا باہم دگر
مختلف الرائے ہونا ضروری تھا۔ اور اس اختلاف کے باعث کبھی لب و لہجہ میں تلخی یا شکوہ و
شکایت کا موقع بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ اس قسم کی احادیث کو دیکھ کر ایک نکتہ رس محقق مجسوس
کر سکتا ہے کہ روایت میں کتنی بات درست ہے اور کتنی بات محض باہمی اختلاف کے
باعث روایت میں جگہ پا گئی ہے۔

اس بنا پر اس نوع کی احادیث سے استدلال کرتے وقت ایک صاحب تحقیق کا فرض ہے
کہ اصول روایت کے علاوہ درایت کے ان اصول کو بھی پیش نظر رکھے۔

۱۔ واقعہ کا جو اصل راوی ہے اس کے تعلقات صاحب واقعہ یعنی جس کے متعلق وہ واقعہ بیان کیا
گیا ہے اُس کے ساتھ کس قسم کے تھے۔

۲۔ جو واقعہ اُس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کیا اُس کے مسلمہ اوصاف و کمالات کے پیش نظر اس
واقعہ کا صدور اُس سے ہو سکتا تھا۔

۳۔ نفس واقعہ کی نوعیت کیا ہے؟ صاحب واقعہ کی شخصیت سے قطع نظر کیا وہ واقعہ اس ماہول
میں پیش بھی آ سکتا تھا۔

۴۔ اگر واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو طبعاً اس پر جو نتائج مرتب ہونے چاہئیں وہ ہوئے یا نہیں بہر
حال ایک تاریخی واقعہ کے نقد و برج کے جو اصول ہیں ان کا اطلاق اس واقعہ پر بھی ہونا چاہئے جو کسی
صحیح حدیث میں مذکور ہو۔ اگرچہ وہ روایت صحیحین میں ہی ہو۔ کیونکہ راوی یا رواقہ کے ہمہ وجوہ
نقد اور معتبر ہونے کے باوجود یہ ممکن ہے کہ راوی کو اس کے متعلق اشتباہ پیش آگیا ہو اور اس لیے
اس واقعہ کو اپنی دانست میں سچا سمجھ کر ہی نقل کر دیا ہو۔ مورخ کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی واقعہ کو
محض اس بنا پر قبول نہ کرے کہ حدیث کی کتاب میں وہ مندرج ہے بلکہ اُسے اصول نقد و برج کی
کسوٹی پر پرکھے، اس سلسلہ کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھے اور پھر اس باب میں کسی قطعی فیصلہ
نک پہنچنے کی کوشش کرے۔

ہم نے کسی واقعہ کے لیے حدیث سے استدلال کرتے وقت انہیں اصول کو پیش نظر رکھنا
مثلاً حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت علی کی بیعت کے سلسلہ میں محدثین اور مورخین سب میں عام
طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد جب کہ حضرت ابوبکر کی خلافت
پر چھ ماہ گزر چکے تھے، بیعت کی، اس خیال کی اصل بنیاد صحیح بخاری کی وہ روایت ہے
جو حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر کہ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔
اس روایت کو دیکھ کر ایک محقق کے ذہن میں قدرتی طور پر حسب ذیل سوالات پیدا
ہوتے ہیں۔

- ۱۔ حضرت عائشہ اور حضرت علی کے تعلقات کس قسم کے تھے؟
- ۲۔ کیا حضرت ابوبکر کی بیعت عامہ کے وقت حضرت عائشہ خود موجود تھیں؟
- ۳۔ حضرت علی کا بیعت نہ کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کا چرچا اور شہرہ عام ہونا چاہیے تھا۔
تو پھر کیا حضرت عائشہ کے علاوہ چند اور صحابہ سے بھی یہ روایت منقول ہے؟
- ۴۔ تاخیر بیعت کا جو سبب روایت میں بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ خلافت کے معاملہ میں اُن
سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ کیا یہ چیز حضرت علی کی بے نفس اور پاکیزہ پاک طینت شخصیت کے
ساتھ مطابقت رکھتی ہے؟

۵۔ حضرت علی کا بیعت نہ کرنا مسلمانوں کی اجتماعیت کے لیے سب سے بڑا حادثہ ہو سکتا تھا تو کیا
اُس وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی فوراً اسلام کی مخالفت کا طوفان امنڈ
پڑا تھا۔ حضرت علی جیسی عظیم المرتبت شخصیت یہ کبھی گوارا کر سکتی تھی کہ ان کے کسی فعل
سے مسلمانوں کی اجتماعی وحدت میں کسی قسم کا کوئی رخنہ پیدا ہو۔

۶۔ حضرت ابوبکر صدیق کا اسلام میں جو مرتبہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر جو اعتماد و
اعتقاد تھا جس کے باعث آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی طرف قویاً و عملاً اپنا رجحان
ظاہر فرمایا تھا۔ حضرت علی سے زیادہ ان سب سے اور کون واقف ہو سکتا تھا اس بنا پر
کیا حضرت علی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ بایں ہمہ وہ بیعت عامہ کے وقت سب مسلمانوں
سے الگ رہیں۔ حضرت ابوبکر تو ابوبکر! حضرت علی کا کیر کڑ تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت

عثمان کی بیعت خلافت کے وقت بھی عام مسلمانوں سے الگ نہیں رہے اور اپنے لیے کوئی
دعویٰ یا مطالبہ نہیں کیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

۷۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علی نے واقعی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی تو اس کا صاف مطلب
یہ ہے کہ اس مدت میں جو اہم واقعات و حوادث پیش آئے اور جو درحقیقت اسلام کے لیے
زندگی اور موت کا سوال تھے حضرت علی ان سب سے بے تعلق رہے اور انہوں نے حضرت ابوبکر کے ساتھ
کوئی تعاون اور اشتراک عمل نہیں کیا تو کیا واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

۸۔ اچھا اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی تو کیا حضرت ابوبکر اس کو ملوکی
صورت کو برداشت کر کے اسلامی وحدت کی دیوار میں یہ ایک رخنہ کھلا رہنے دے سکتے
تھے؟ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علی کا بیعت نہ کرنا ان کو کم از کم ہنوا شتم کی
حمایت و نصرت سے محروم کر دیتا ہے۔

۹۔ کیا صحیح بخاری کی اس روایت کے بالمقابل کچھ اور روایات ایسی ہیں جو اگرچہ صحیح بخاری
میں نہیں لیکن اور کتب حدیث میں ہوں اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت علی نے بیعت
عامہ کے دن ہی حضرت ابوبکر سے بیعت کی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحیحین کا مرتبہ کتب حدیث میں سب سے اونچا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم
بیشیت مجموعی اور اکثر کے اعتبار سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ صحیحین کی ہر روایت
دوسری کتب حدیث کی ہر روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ وجوہ قبول اگر غیر صحیحین کی روایت
کے ساتھ زیادہ ہوں تو بیشک اس کو ترجیح ہونی چاہیے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی صحیحین کی ان چند احادیث کا جن پر بعض ائمہ حدیث
نے کلام کیا ہے۔ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فان هذه المواضع متنازع في
صحتها فلم يحصل لها من التلقي ما
حصل لمعظم الكتاب وقد تعرض
لذلك ابن الصلاح في قوله الامواضع
پس یہ مقامات ایسے ہیں کہ ان کی صحت میں
اختلاف ہے۔ کیونکہ کتاب (صحیح بخاری) کے ایک بڑے حصہ
کو اس طرح قبول کیا ہے (ان کی صحت پر اتفاق کیا گیا)
کو قبول نہیں کیا اور ابن الصلاح نے بھی یہ کہہ بخاری ان

یسیرۃ انتقدھا علیہ الدارقطنی وغیرہ وقال فی مقدمۃ شرح مسلم
لہ ما اخذ علیہما یعنی علی البخاری
ومسلم وقدح فیہ معتمدہما الحفاظ
فہو مستثنی مما ذکرناہ لعدم
الاجماع علی تلقیہ بالقبول۔
(مقدمۃ فتح الباری مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ ص ۳۲۲) ان روایات کے تلقی بالقبول پر اجماع نہیں ہے۔

اگر ہمارے مؤرخین روایات کا ان اصول کے ماتحت جائزہ لیں تو اغلب یہ ہے کہ بعض کبار صحابہ سے
تاریخ میں جو چند ایسی باتیں منسوب ہو گئی ہیں جو ان کی شایان شان نہیں ہیں ان سب کی اصلاح ہو
سکتی ہے۔ حضرت علی کی بیعت کی بحث میں قارئین دیکھیں گے کہ صحیح بخاری کی روایت کو ہم نے ساقط
الاعتبار یا موضوع نہیں کہا ہے بلکہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اس کی جو تاویل کی ہے اور اس
طرح انہوں نے اس روایت میں اور اس کی مخالف دوسری روایات میں جو تطبیق دی ہے
ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک اس قسم کے مواقع پر محتاط طریقہ یہی ہے۔ البتہ
جہاں تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو وہاں نقد و جرح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

احادیث کے بعد دوسرا نمبر کتب تاریخ کا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں کسی روایت کو صرف
اس بنا پر قبول نہیں کیا کہ وہ کسی متقدم مؤرخ کی روایت ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مؤرخ متقدم ہونے
کے باوجود کسی خاص معاملہ میں کوئی عصبیت رکھتا ہو یا وہ روایات کو نقد و جرح کے بغیر یوں ہی جمع
کر دینے کا عادی ہو۔ اور اس کے برخلاف دوسرا مؤرخ ہو اگرچہ عہد کے اعتبار سے پہلے سے متاخر ہو
لیکن اس کی بہ نسبت زیادہ نقاد اور محتاط ہو۔ تو ظاہر ہے اس صورت میں اس کی روایت زیادہ
معتبر اور لائق اعتماد ہوگی۔ قارئین کتاب میں جا بجا اس کی مثالیں دیکھیں گے۔

اردو زبان میں مولانا شبلی کی کتاب ”الفاروق“ جو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے سوانح
حیات اور آپ کے کارناموں کا محققانہ تذکرہ ہے۔ اردو زبان کے ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی
ہے اور جب تک یہ کتاب موجود ہے مولانا کا نام روشن رہے گا۔ اگرچہ ترتیب اور اہمیت کے

اعتبار سے مولانا کو پہلے حضرت ابوبکر صدیق کا تذکرہ لکھنا چاہئے تھا لیکن حضرت عمر کے دور
میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں اور پھر وہ سالہ مدت خلافت میں آپ نے سیاسی
نظم و نسق، اجتماعی و تمدنی۔ اقتصادی اور سماجی مسائل کے حل کے سلسلہ میں جو عظیم
الشان کارنامے انجام دیئے ان سب کے پیش نظر مولانا نے ہیر و زآف اسلام کی تاریخ
کا جو پر و گرام بنایا تھا اس کے لیے سب سے زیادہ کٹش حضرت عمر کے تذکرہ میں ہی
تھی اور مولانا نئی نسل کو اسلام کی تاریخ سے متاثر کرنے کا جو جذبہ رکھتے تھے خلفائے
راشدین میں اس جذبہ کی تکمیل کا سامان غالباً سب سے زیادہ الفاروق سے ہی
ہو سکتا تھا۔

مولانا کی وفات کے بعد اردو میں متعدد اہل علم نے حضرت ابوبکر صدیق کا بھی تذکرہ
لکھا۔ چنانچہ حاجی معین الدین احمد صاحب ندوی مرحوم نے ”خلفائے راشدین“ میں اور
پھر انہیں کے ہم نام مولانا شاہ معین احمد صاحب ندوی نے تاریخ اسلام کی جلد
اول میں خلیفہ اول کے حالات و سوانح اور آپ کے کارنامے لکھے یہ دونوں کتابیں دارالمفنین
اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تذکرہ ضمنی تھا اس لیے مکمل اور مفصل نہیں ہو
سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض حضرات نے خاص حضرت ابوبکر پر ہی جو کتابیں لکھی ہیں ان میں
سے جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

- ۱۔ ”سیرت الصدیق“ از مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی مرحوم
اصل کتاب اردو میں تھی۔ بعد میں ڈاکٹر سید معین الحق نے اس کا انگریزی میں
ترجمہ بھی کر دیا تھا جس کو شیخ محمد اشرف لاہوری نے شائع کیا۔
- ۲۔ ”العتیق“ کے نام سے بھی ایک بزرگ نے ایک کتاب لکھی تھی۔
- ۳۔ چند سال ہوئے عطا محی الدین صاحب ملک نے انگریزی زبان میں ”ابوبکر“ کے نام سے
ایک کتاب لکھی تھی جو لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ ابھی حال میں مصر کے مشہور فاضل محمد حسین ہیکل کے قلم سے بھی ایک کتاب
”الصدیق ابوبکر“ کے نام سے نکلی ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ بھی

چھپ چکا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ”الفضل للمتقدم“ کے مطابق ان سب حضرات کو خاکسار راقم الحروف پر شرف تقدم و فضیلت سبقت حاصل ہے لیکن بایں ہمہ سیرت صدیق اکبرؐ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت باقی تھی جس میں تمام حالات و واقعات مستند حوالوں کے ساتھ درج ہوں۔ جن میں روایات کو یوں ہی ہوں کاتوں قبول نہ کر لیا گیا ہو بلکہ علمی اصول تنقید کی روشنی میں ان پر بحث و گفتگو ہو۔ جس میں حضرت ابو بکرؓ کے روحانی اور مادی دونوں قسم کے فضائل و کمالات یکساں طور پر اُجاگر کئے گئے ہوں سیرت صدیقؐ کے سلسلہ میں جو بعض روایات مشہور چلی آرہی ہیں ان کی تحقیق و تنقیح کی گئی ہو۔ اور اس ذیل میں جو بعض اہم مسائل پیدا ہوئے ان کا صحیح حل پیش کیا گیا ہو اور جس میں حضرت ابو بکرؓ سے متعلق ہر نئی واقعات کا حتیٰ الوسع استقصاء کیا گیا ہو۔ یہ کتاب جو آپؐ کے پیش نظر ہے اسی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ لیکن یہ ضرورت کس حد تک پوری ہوئی؟ اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کریں گے۔

وَاجِرْدَعُوْنَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سعید احمد اکبر آبادی

کلکتہ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۷ء

مقدمہ طبع دوم

صدیق اکبرؓ کا پہلا ادیشن شائع ہوا تو خدا کا شکر ہے انڈیا پاک کے علمی اور اسلامی حلقوں میں اُس کا پُر تپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اخبارات و رسائل میں اُس پر طویل تبصرے ہوئے۔ اہل علم نے خطوط کے ذریعہ اور زبانی بھی مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ بعض اکابر مشائخ نے اپنی خاص مجلسوں میں اسے حرفاً حرفاً پڑھوا کر سنا اور دعائیں دیں۔ علاوہ ازیں یورپ کے بعض اسلامیات کے اساتذہ نے اس کا مطالعہ کر کے داد لکھی اور بعض مباحث سے خاص طور پر استفادہ کا اعتراف کیا۔ لیکن کچھ مصنف کے سبقت قلم سے اور کچھ تصحیح کا پورا اہتمام نہ ہو سکے کے باعث کتاب میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں راقم الحروف کو جب ان کا علم ہوا تو سخت ندامت ہوئی اور ان کو نوٹ کر لیا کہ دوسرے ادیشن میں تصحیح کر دی جائے گی۔ پھر میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کو جن سے بڑھ کر فن حدیث و اسماء الرجال کا محقق و مبصر میرے نزدیک آج تک انڈیا پاک میں کوئی عالم نہیں ہے۔ دیرینہ نیاز مندی کی بنا پر خط لکھا کہ ”اگر آپ صدیق اکبرؓ کو ایک مرتبہ بلا خط فرمائیں اور اس میں جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی فرمادیں تو مجھے اطمینان ہو جائے۔ مولانا نے ازراہ شفقت بزرگانہ اس درخواست کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور کتاب کا ایک ایک لفظ پڑھ کر غلطیوں سے مطلع فرمایا۔ میں نے نظر ثانی میں مولانا کے خط سے مکمل استفادہ کیا ہے اور اس غیر معمولی توجہ اور زحمت فرمائی کے لیے صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

اس کے علاوہ مولانا سید فضل اللہ شاہ صاحب سابق صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن اور مولانا سجاد حسین صاحب کراچی پوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی۔ ان دونوں حضرات کا بھی شکریہ گزار ہوں کہ انہوں نے یہ طور خود صدیق اکبر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور غلطیوں کی نشاندہی کر کے مجھے اُن سے مطلع کیا۔ ان میں سے اکثر و بیشتر غلطیاں وہ تھیں جنہیں میں خود نظر ثانی کے وقت اپنی یادداشت میں لکھ چکا تھا۔ پھر بعض مقامات ایسے بھی تھے جن میں میں ان حضرات کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکا۔ تاہم تھوڑا بہت استفادہ میں نے ان حضرات کی تحریروں سے بھی کیا ہے اس لیے یہ حضرات بھی میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں

فجزاهم اللہ معنی احسن الجزاء۔

کوئی انسانی کام نہ مکمل ہوتا ہے اور نہ احتمالِ خطا و نسیان سے بالکل محفوظ اس لیے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ کتاب کے اس دوسرے ادیشن میں اب کوئی غلطی باقی نہیں رہی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پہلے ادیشن میں جن غلطیوں کا علم ہوا، ان کی تصحیح اس دوسرے ادیشن میں خاص اہتمام اور توجہ سے کر دی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ۔

سعید احمد اکبر آبادی

علی گڑھ - ۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام | عبداللہ نام۔ ابوبکر کنیت اور عقیق و صدیق لقب تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی، والدہ ماجدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ خاندانی رشتہ سے اپنے شوہر کی چچا زاد بہن بھی تھیں۔

نسب | حضرت ابوبکر قریش کی ایک شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کی طرف سے شجرہ نسب یہ ہے عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ اور والدہ کا نسب نامہ یہ ہے سلمیٰ بنت ضحیر بن عمرو بن کعب۔

ابو قحافہ | حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ مکہ کے معزز لوگوں میں سے تھے اور کافی عمر رسیدہ تھے ان کی تین اولادیں تھیں، ایک ابوبکر۔ اور دو لڑکیاں جن کے نام ام فروہ اور قریبہ ہیں۔ ام فروہ کا نکاح پہلے قبیلہ ازد کے ایک شخص سے ہوا تھا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ان کا نکاح حمیم الداری سے ہوا۔ جو پہلے عیسائی تھا۔ پھر ۹ھ میں مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ حضرت ام فروہ نے جب اسلام قبول کر لیا تو میاں بیوی میں تفریق ہو گئی اور اس کے بعد ان کا نکاح اشعث بن قیس سے ہو گیا۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔ حضرت ابوبکر کی دوسری بہن قریبہ کی شادی حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری سے ہوئی تھی جو بلند پایہ صحابی اور اپنے عہد کے بڑے مدبر اور شجاع تھے۔ صحیح بخاری میں ان کا تذکرہ ہے۔ اسلام کی دعوت کا چرچا ہوا اور حضرت ابوبکر نے اس کو لبیک کہا تو ابو قحافہ اس کو جوانی کی ایک ایسی سمجھتے تھے چنانچہ عبداللہ (غالباً عبداللہ بن مسعود) کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے ارادہ سے جب غار ثور چلے گئے تو میں آپ کی خبر معلوم کرنے کی غرض سے ابوبکر کے گھر آیا ابو قحافہ موجود تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے عصا بدست باہر نکل آئے اور بگڑ کر بولے ”یہ بھی انہیں لونڈوں میں سے ہے۔ جنہوں نے میرے بیٹے (ابوبکر) کو بگاڑ دیا ہے“

فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے بھرت ابو بکر اپنے والد ابو قحافہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت تک ان کے سر اور داڑھی کے بال بگلہ کی طرح بالکل سپید ہو چکے تھے۔ رحمت عالم نے دیکھا تو حضرت ابو بکر سے فرمایا ”تم نے ان کو کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس جاتا“ آپ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! وہ خود بگلہ آپ کے پاس آتے یہ ان کے لیے اس سے بہتر تھا کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے“ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور ان کو مشرف باسلام کیا۔ انہوں نے بڑی طویل عمر پائی۔ ۶۳ء میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات ہوئی اس طرح ابو قحافہ پہلے شخص ہیں جو ایک خلیفہ کے وارث ہوئے۔

حضرت ابو بکر کی والدہ حضرت ام ابیہ سلمیٰ بنت صخر اپنے شوہر سے بھی پہلے اسلام لے آئی تھیں ان کے اسلام کا پورا واقعہ آگے آتا ہے۔ انہوں نے بھی طویل عمر پائی۔ حضرت ابو بکر کے بعد لیکن ابو قحافہ سے پہلے وفات ہوئی۔

ولادت حضرت ابو بکر کی ولادت عام فیل کے ڈھائی برس بعد ہوئی۔ یعنی سن ہجری کے آغاز سے سچاس برس چھ مہینے قبل۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم و بیش تین برس چھوٹے تھے اس حساب سے ۱۷ھ آپ کا سن پیدائش قرار پاتا ہے۔

عتیق کہلانے کی وجہ طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکر تین بھائی تھے اور ان کے نام عتیق، معقیق، اور عتیق تھے لیکن اصل یہ ہے کہ عتیق نام نہیں بلکہ لقب تھا ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ”انت عتیق اللہ من النار“ تم اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد ہو“ اسی وقت سے ان کا لقب عتیق پڑ گیا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ سے بھی صاف تصریح ہے کہ عتیق آپ کا لقب ہی تھا۔

صدیق کہلانے کی وجہ آپ کا دوسرا لقب صدیق تھا۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے اسلام سب سے پہلے قبول کیا تھا لیکن جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے۔

۱۷ھ الاصابہ ج ۲ ص ۴۵۴ ۱۸ھ الاصابہ ج ۲ حرف النجار المعجمہ ص ۴۲۹ ۱۹ھ ترمذی ج ۲ ص ۲۱۴ ۲۰ھ طبری ج ۲ ص ۹۱۵۔

اس کی زیادہ صحیح وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں جبریل امین سے پوچھا کہ میری قوم میں اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”ابو بکر“ آپ کی تصدیق کریں گے وہ صدیق ہیں۔

تجارت قریش اگرچہ عزت و منصب اور مرتبہ و مقام کے اعتبار سے نہایت سر بلند و سر فراز تھے۔ لیکن آزاد ذریعہ معاش اختیار کرنے کو برا نہیں جانتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی ان کو عارضی آتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر سوداگری کرتے تھے سعد بن ابی وقاص تیر بناتے تھے عثمان بن عفان بزانی کا پیشہ کرتے تھے عمرو بن العاص قصاب تھے اور حدیث ہے کہ حضرت علی دو سروں کے لیے کنویں سے پانی بھر کر اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر عہد جاہلیت میں بڑے پیمانہ پر کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں شام اور یمن کے متعدد سفر بھی کئے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا جس کا تذکرہ الاصابہ اور اسد الغابہ میں ہے۔

عہد جاہلیت میں بلند مرتبہ عرب قبائل میں باقاعدہ کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا۔ قریش سب ممتاز تھے اس لیے اس قبیلہ کی مختلف شاخوں نے مختلف خدمات اپنے ذمہ لے رکھی تھیں حضرت ابو بکر عقل و فہم۔ اصابت رائے اور حلم و بردباری میں مشہور تھے اس لیے اُشفاق کی خدمت ان کی پرڈ تھی یعنی اگر کوئی واقعہ قتل ہو جاتا تھا تو قاتل سے دیت یا خون بہا لینے کا معاملہ حضرت ابو بکر سے متعلق ہوتا تھا۔ اگر آپ قاتل کی طرف سے ضامن جاتے تو اس کا اعتبار ہوتا تھا۔ کسی اور کی ضمانت معتبر نہیں تھی۔ علم الانساب والاخبار کے ماہر تھے۔ ایک روایت ہے کہ شعر بھی کہتے تھے مگر اسلام کے بعد شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ ابن سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیہ میں آپ کے کچھ شعر نقل کئے ہیں۔

سلامت فطرت حضرت ابو بکر کی فطرت شروع سے ہی سلیم تھی۔ چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب نوشی کو برا جانتے تھے۔ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابو نعیم کے حوالے سے حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

لقد حرّم ابو بکر الخمر ابو بکر نے عہد جاہلیت میں بھی شراب

۱۷ھ طبقات ابن سعد تذکرہ ابو بکر

علیٰ نفسہ فی الجاہلیۃ اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی۔

آپ کا مزاج اور افتاد طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے کس درجہ مشابہ اور قرین تھا؟ اس کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ ایک موقع پر ابن الدغنے نے آپ کے وہی اوصاف و کمالات بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے نزول کے موقع پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی اہم عمری کے ساتھ اسی ہم طبعی اور مزاجی توافق کا نتیجہ تھا کہ آپ میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوستی تھی۔ حافظ ابن حجر نے میمون بن مہران کا قول نقل کیا ہے کہ ابوبکرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیرا راہب کے واقعہ کے بعد سے ہی ایمان لے آئے تھے اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً حضرت ابوبکرؓ بھی سفر شام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ میں نکاح کی جو گفتگو ہوئی تھی اس میں بھی حضرت ابوبکرؓ واسطہ تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے دوستانہ تعلقات دیرینہ تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ نبوت سے صرف ایک سال پہلے دونوں میں دوستی ہوئی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام کے بعد یہ تعلق اس قدر گہرا ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ”ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر صبح و شام نہ آئے ہوں“

قبول اسلام حضرت ابوبکرؓ کے قبول اسلام سے متعلق اسد الغابہ میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں جن میں سے بعض دوراز کار اور بعید از قیاس ہیں۔ صحیح بات اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ اس وقت تجارت کی غرض سے یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو سرداران قریش ملنے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا ”کوئی نئی بات؟“ ان لوگوں نے کہا ”ہاں ایک نئی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بچہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے“ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کا دل تڑپ اٹھا۔ سرداران قریش رخصت ہو گئے تو سیدھے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت کے بارے میں سوال کیا اور اسی جلسہ

۱۷ الاصابۃ ج ۲ حرف العین ص ۳۳۵ ۲ صحیح بخاری مطبوعہ مطبعہ مجتہبی ج ۱ ص ۵۵۲

میں مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام پیش کیا اس نے تھوڑی بہت جھجک ضرور محسوس کی لیکن جب ابوبکرؓ کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے جھجک کے بغیر اس کو قبول کر لیا۔

پہلے مسلمان کی بحث سب سے پہلا مسلمان کون ہے؟ اس میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض میں حضرت علیؓ اور بعض میں زید بن حارثہؓ کو یہ شرف دیا گیا ہے۔ محدثین نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ سب پہلے اسلام لائے چنانچہ عمار بن یاسر کا بیان ہے کہ میں نے جب پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام و عورتیں اور ایک ابوبکرؓ تھے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ان پانچ غلاموں اور دو عورتوں کے نام یہ بتائے ہیں۔

بلالؓ۔ زید بن حارثہؓ۔ عامر بن فہیرہؓ۔ ابوقلیہؓ۔ یاسرؓ خدیجہؓ اور سمیہؓ والدہ عمار بن یاسرؓ لیکن ابھی ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا دعویٰ اپنے متعلق یہ ہے کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا اس روز کوئی بھی اسلام نہیں لایا تھا اور میں سات دن اس طرح رہا کہ میں تین مسلمانوں میں سے ایک تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کا اسلام حضرت ابوبکرؓ کے اسلام پر بھی مقدم ہے۔

علامہ کرمانی نے اس اشکال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابوبکرؓ اسی دن صبح کو اسلام لائے ہوں اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شام کو اسلام قبول کیا ہو اور ان کو حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے کی اطلاع نہ ہو۔

بہر حال ہمارے نزدیک صبح و شام کا فرق کوئی چیز نہیں ہے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے حضرت سعدؓ کو یا کسی اور کو بھی حضرت ابوبکرؓ پر تقدم حاصل ہو۔ ۱۷ تاہم حضرت ابوبکرؓ کے فخر کے لیے یہی کیا کم ہے کہ خود اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چون و چرا اسلام قبول کر لینے کی داد دی؟

۱۷ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱۶ ۲ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۲ ۳ حاشیہ نمبر ۵ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۲ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ خود سعد بن ابی وقاصؓ حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب و تحریک پر اسلام لائے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں میں کسی بات پر ان بن ہو گئی ہے اور اس سے حضرت ابوبکر کو رنج پہونچا ہے تو آپ نے غصہ کے لب و لہجہ میں فرمایا اللہ نے مجھ کو تم لوگوں کی طرف مبعوث کیا مگر تم نے مجھ کو جھٹلایا اور ابوبکر نے تصدیق کی اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری غم گساری کی تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکر) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے؟ یعنی ان کو کوئی تکلیف نہ پہونچاؤ گے راوی کا بیان ہے کہ حضور نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔

ابتلاء و آزمائش | حضرت ابوبکر نے اسلام کی پہلی صدائے توحید پر ہی لبیک کہا تھا جبکہ مکہ کی پوری سرزمین اس دعوتِ ربانی کی مخالفت اور اس کے داعی و حامی کی دشمنی کے نعروں سے گونج اٹھی تھی چند غلاموں اور عورتوں کے مسلمان ہو جانے سے دشمنوں کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا حضرت ابوبکر ایسی با اثر اور ذی وجاہت شخصیت بھی جب اس دینِ حق اور اس کے داعی کی حمایت و نصرت کے لیے سامنے آگئی تو اب مخالفوں اور دشمنوں کا جتنا بھی غیظ و غضب حضرت ابوبکر پر ہوتا کم تھا۔

شیخ المحب الطبری نے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب (ابتداء اسلام میں) مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۳۹ مسلمان ہو گئے تو ابوبکر نے امر کیا کہ اپنے آپ کو ظاہر کیا جائے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ابھی تھوڑے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے پھر امر کیا اور آنحضرت نے پھر انکار فرمایا یہاں تک کہ آنحضرت آمادہ ہو گئے اب جتنے مسلمان تھے مسجد میں آکر بیٹھ گئے۔ ابوبکر خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں مشرکوں کو خبر ہو گئی انہوں نے مسجد میں گھس کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو نہایت ظالمانہ طریقہ پر زند و کوب کرنا شروع کیا عتبہ بن ربیعہ ایک نہایت ظالم و شقی شخص تھا وہ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کو اس بیدردی کے ساتھ مارنا شروع کیا کہ ناک چپٹی ہو کر چہرہ سے مل گئی۔ بنو تیم کو جو حضرت ابوبکر کا قبیلہ تھا خبر ہوئی تو دوڑے ہوئے مسجد میں آئے اور مشرکوں کو وہاں سے ہٹا کر حضرت ابوبکر کو ان کے گھر لے گئے۔ ان لوگوں کو اب حضرت ابوبکر کی موت میں کوئی شک نہیں تھا۔ ابوبکر بے ہوش پڑے ہوئے تھے تھوڑی دیر میں ان کو ہوش آیا اور بنو تیم اور ان کے والد ابو قحافہ نے ان سے بات کرنی

چاہی تو انہوں نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ بنو تیم کو اس پر غصہ آگیا اور وہ ان کو ملامت کرتے ہوئے چل دیے اب حضرت ابوبکر نے اپنی والدہ ام الخیر سے یہی سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ مگر ان کو بھی پتہ نہیں تھا۔ آخر حضرت عمر کی بہن ام جمیل آئیں اور ان سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ہیں اور دار ارقم میں ہیں تو اطمینان ہوا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گا پیوں گا نہیں جب تک خود چل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ لوں گا میں نے اس کی قسم کھالی ہے چنانچہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر ام جمیل اور اپنی والدہ ام الخیر کے سہارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے چہرہ انور دیکھتے ہی گر پڑے اور اسے بوسہ دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی یہ حالت دیکھی تو آپ کا بھی دل بھر آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت ابوبکر کی والدہ ام الخیر نے بھی اسی دن اسلام قبول کیا۔

ہجرت حبش کا ارادہ | کفارِ قریش کے ظلم و ستم کا پارہ حرارت جب بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہی ہوا اور حالت یہ ہو گئی کہ جان نثارانِ اسلام بر ملا خدا کا نام بھی نہیں لے سکتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش کی ہجرت کا حکم دیا ۱۵ حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے لیکن چونکہ یہ ہجرت مصائب و شدائد سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ آزادی لے لے الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۱ ص ۴۶ یا درکھنا چاہئے کہ ہجرت کا یہ حکم اس لیے نہیں تھا کہ سرفروشانِ اسلام میں قریش کے مظالم سہنے کی طاقت نہیں رہی تھی بلکہ اس میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ اس بہانہ اسلام کی دعوت دوسرے ملکوں میں پھیلے گی اور غالباً اسی وجہ سے مہاجرین کی فہرست میں ان نامورانِ قریش کے نام نظر آتے ہیں جو اپنی شخصیت، طرز گفتگو اور عقل و فہم سے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر سکتے تھے۔ دوسری حکمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سبق دینا تھا کہ مسلمانوں پر اگر کہیں اس قدر ظلم کیا جائے کہ ان کو خدا کا نام لینے تک کی اجازت نہ ہو تو پھر بھی مسلمانوں کو وہیں نہ پڑا رہنا چاہئے بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسری محفوظ جگہ میں اپنی تنظیم کسلی اور قوت بڑھانی چاہئے۔

کے ساتھ عبادت الہی کرنے کی غرض سے تھی اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے بھی حبش کی ہجرت کا ارادہ کر لیا لیکن ابھی برک الغاد جو مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی مسافت پر ہے وہاں پہنچے ہی تھے کہ ابن الدغنے سے جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا ملاقات ہو گئی۔ ابن الدغنے نے پوچھا ”کہاں کا ارادہ ہے؟“ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”میری قوم نے مجھ کو نکال دیا ہے تو اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں“ ابن الدغنے بولا ”تمہارے جیسے شخص کو کیسے شہر بدر کیا جاسکتا ہے۔ تم غریبوں کی مالی امداد کرتے ہو صلہ رحمی کرتے ہو۔ اپا بھول کا سہارا ہو اور حق کی طرف سے حوادث کا مقابلہ کرتے ہو۔ چلو میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں وہاں تم خدا کی عبادت کرنا چنانچہ ابن الدغنے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ مکہ لایا اور حضرت ابوبکرؓ کے جو اوصاف سنے اور بیان کئے ہیں انہیں کا حوالہ دیکر کہا کہ کیا غضب ہے تم ایسے شخص کو شہر میں رہنے نہیں دیتے۔ قریش نے کہا کہ اگر وہ چھپ کر عبادت کریں تو ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے۔ وہ یہاں رہیں تم نے جو ان کو پناہ دی ہے وہ ہمیں اس شرط پر منظور ہے۔ اس عہد کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کچھ دنوں تک تو پوشیدہ طور پر ہی عبادت کرتے رہے لیکن آخر نہ رہا گیا۔ اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی یہاں نماز پڑھتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور روتے تھے ایک تو کلام الہی اور پھر حضرت ابوبکرؓ کی درد آفریں واثرا نگیز آواز جب قرآن کی تلاوت کرتے تو قریش کی عورتیں اور نوجوان ارد گرد جمع ہو جاتے اور اثر پذیر ہوتے، قریش نے ابن الدغنے سے شکایت کی کہ ابوبکرؓ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ان سے کہو کہ اگر ان کو تمہاری پناہ میں رہنا ہے تو معاہدہ کے مطابق عبادت اور تلاوت چھپ کر کریں اور اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں تو تمہاری پناہ سے دست کش ہو جائیں ابن الدغنے نے حضرت ابوبکرؓ سے یہی بات کہی تو آپ نے فرمایا ”مجھ کو تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں اب میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

اسلام کیلئے ایشیا و فداکاری | یہ دور پیر و ان اسلام کے لیے نہایت پُر آشوب اور حد

لہ یہ بنو امیون بن خزیمہ بن کنانہ کا قبیلہ ہے تیر اندازی میں ضرب المثل تھا کہتے ہیں الفصف القادة من داماھا یعنی جس نے قبیلہ قارہ کے ساتھ تیر اندازی میں مقابلہ کیا اس نے اس کے ساتھ الفاف کیا۔ النہایہ لابن الاثیر و تاج العروس ج ۳ ص ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔

درجہ صبر آزمایا تھا۔ خود اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے جاں نثاروں کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں کہ آج ان کے تصور سے بھی جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ لیکن اسلام وہ نشہ نہیں تھا جس کو جسمانی تکلیفوں کی ترشی آتا رہتی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی تو چنداں فکر نہیں تھی اس بات کا البتہ برابر دھیان رکھتے تھے کہ حضور سرور عالمؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ جب کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آیا فوراً موقع پر پہنچ جاتے اور آپؐ کی مدد کرتے چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تقریر کر رہے تھے کہ مشرکین آپؐ پر پل پڑے اور اس قدر گستاخی کی کہ آپؐ بیہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا ”کم بختو! کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں لہ

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط ادھر آ نکلا۔ اس نے اپنی چادر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر اس کو اس طرح بل دیا کہ سردار دو عالمؐ کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی پہنچ گئے عقبہ کو کاندھوں کے بل دھکا دیکر وہاں سے ہٹایا اور بولے ”ارے ظالمو! کیا تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے لہ

مسند بزار میں حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قریش نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا کوئی آپؐ کو پکڑ کر کھینچا کوئی دھکا دیتا اور سب یہ کہتے جاتے تھے کہ تو وہ ہی ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک کر دیا ہے حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ ہم میں سے کسی کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ البتہ ہاں ابوبکرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے قریشیوں میں سے کسی کو مارا نہیں کسی کو دھکا دیا کسی کو پیچھے ہٹایا یہ سب کچھ کرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ”بد بختو! کیا تم اس کو قتل کر دو گے جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے“ راوی کا بیان ہے کہ یہ کہہ کر حضرت علیؓ نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے۔ یہاں تک کہ داڑھی تر ہو گئی۔ اسی حالت میں لوگوں سے پوچھا ”اچھا بتاؤ! آل فرعون کا مومن اچھا تھا یا ابوبکرؓ؟“ لوگ خاموش رہے آپؐ نے دریافت

فرمایا کیا تم مجھ کو جواب نہیں دو گے؟ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بخدا! ابوبکر کا ایک لمحہ آل فرعون کے مومن جیسے شخص کے ہزاروں لمحوں سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور ابوبکر اپنے ایمان کا اعلان کرتے تھے۔

غلاموں پر قریش کے مظالم اور دعوت اسلام کے اس پر آشوب دور میں حضرت ابوبکر صدیق حضرت ابوبکر کی دادرسی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست اور قوت بازو تھے جنہوں نے زندگی کا ہر سانس دعوت ربانی کی نشر و اشاعت اور اس کے استحکام و تقویت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک طرف وہ ناموران قریش کو، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کھینچ کھینچ کر اسلام کی طرف لاتے تھے اور دوسری جانب اُن غریب و بے کس غلاموں کی دادرسی اور نکل و خلاصی اپنے مال سے کرتے تھے جو دعوت حق کو قبول کر لینے کے جرم میں قریش کے ظلم و ستم کا سب سے بڑا نشانہ تھے۔ ہم نے ان غلاموں کے حالات ”غلامان اسلام“ میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ ذیل میں ان کے نام مع مختصر تعارف کے لکھتے ہیں۔

حضرت بلال حبشی اسلام کے سب سے پہلے مؤذن ہیں اور کیا عجب بات ہے کہ ارباب سیر انہیں کے متعلق لکھتے ہیں اول من اظہر الہ اسلام، یہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، نسلاً حبشی اور اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُمیہ ٹھیک دوپہر کے وقت جبکہ عرب کی زمین آگ کا توابن جاتی تھی۔ حضرت بلال کو اسی توپے پر لٹا دیتا اور پھر پتھر کی ایک چٹان سینہ پر رکھتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ اور ان سے کہتا کہ اسلام سے توبہ کرو ورنہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا لیکن با ایں ہمہ حضرت بلال فرماتے ”احد احد“ خدا ایک ہے ایک ہے اب یہ شقی آپ کے گلے میں ایک رسی باندھ کر چھو کروں کے حوالہ کرتا جو اس حالت میں ان کو شہر میں گشت کراتے پھرتے لیکن اس عالم درد و کرب میں بھی زبان پر نعرہ تھا تو یہی ”احد احد“ حضرت ابوبکر صدیق نے جب یہ مظالم دیکھے تو امیہ بن خلف سے حضرت بلال کو خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے ”ابوبکر سیدنا و اعلیٰ سیدنا“ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار کو آزاد کیا۔

عامر بن فہیرہ طفیل بن عبد اللہ جو حضرت عائشہ کے انخیانی (ماں شریک) بھائی تھے ان کے غلام تھے۔ حضرت بلال حضرت عمار اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ عامر بن فہیرہ نے بھی اسلام قبول کیا اور ان کو بھی سخت شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ اسلام پر مضبوطی اور استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کو بھی خرید کر آزاد کیا ان کا ذکر آگے ہجرت مدینہ کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

حضرت ابو فکیہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اسلام کی صدائے کفر شکن مکہ میں بلند ہی ہوئی تھی کہ حضرت بلال اور حضرت مہیب کی طرح فوراً مسلمان ہو گئے ان پر سخت مظالم کئے جاتے تھے۔ صفوان آتش خیز و سپر میں تپتے ہوئے ریت پر منہ کے بل اوندھا لٹا دیتا اور پھر کمر پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر سکیں۔ حضرت ابو فکیہ تاب نہ لاکر ہوش ہو جاتے۔ اس بد بخت کو پھر بھی رحم نہ آتا۔ اسی حالت میں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ان کو گھسیٹتا پھر تا ایک دن صفوان نے حضرت ابو فکیہ کو گرم ریت پر ڈال کر ان کو اس بیڑی و بے دردی سے مارا کہ ان کے سر جلنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر کا اُدھر سے گزر ہوا حضرت ابو فکیہ کو اس حالت میں دیکھ کر بیباختہ جی اُٹھ آیا۔ فوراً ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت لبینہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی باندی تھیں۔ ابھی حضرت عمر اسلام نہیں لائے تھے کہ یہ مشرف باسلام ہو چکی تھیں حضرت عمر کی درشت مزاجی مشہور ہے۔ اس غریب کو اس بیدردی سے مارتے تھے کہ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے ”میں خدا دم لے لوں تو پھر ماروں گا لیکن حضرت لبینہ نہایت استقلال و پامردی سے جواب دیتیں، ”اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اللہ اس کا بدلہ لے گا۔“

حضرت زہیرہ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی باندی تھیں۔ اسلام سے قبل حضرت عمر ان کو بھی بہت ستاتے اور پریشان کرتے تھے۔ ابو جہل نے ایک مرتبہ ان کو ایسا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت لبینہ اور حضرت زہیرہ کے لیے کیا یہ خرفہ کچھ کم ہے کہ ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۳۷ ص ۹۰ لے اصابہ تذکرہ حضرت ابو فکیہ رضی اللہ عنہ استیعاب تذکرہ عمر بن الخطاب۔

ایسے اپنے آقا پر بھی قبول اسلام کے معاملہ میں تقدم حاصل ہے۔ حضرت ابوبکر کو ان غلاموں کے مصائب و شدائد کا علم ہوا تو ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ہمدیہ اور ام عیسیٰ یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں قبول اسلام کے جرم میں ان پر بھی سخت جبر و تشدد کیا جاتا تھا۔ آخر صدیقی جود و کرم کے دستِ غریب نواز نے ان ستم رسیدوں کو بھی غلامی سے نجات دلائی۔

طبرانی نے حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے جن غلاموں اور کنیزوں کو اپنے روپیہ سے خرید کر آزاد کیا ان کی تعداد سات ہے لیکن ہمارے خیال میں اس خاص معاملہ میں حضرت ابوبکر کو عام شہرت حاصل تھی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل تعداد سات کہیں زیادہ ہوگی۔ لیکن چونکہ اور دوسرے غلاموں اور باندیوں کو یہ شہرت حاصل نہیں ہو سکی اس بنا پر وہ شمار میں نہیں آئے۔

حضرت ابوبکر کی یہ فیاضیاں خالصتہً لوجہ اللہ تھیں ایک مرتبہ ان کے والد ابو قحافہ نے کہا ”ابوبکر تم زیادہ تر عورتوں اور ان میں بھی بوڑھیوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو۔ بھلا یہ تمہارے کس کام آئیں گی۔ اگر ان کے بجائے تم تندرست و توانا غلام مردوں کو خرید کر آزاد کرو تو کبھی وقت پڑنے پر وہ تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں۔“

حضرت ابوبکر نے کہا ”ابا! میں تو یہ سب کچھ انعامِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہوں۔“

اسلام جس نے آگے چل کر اقوامِ عالم کی تاریخ کے دفتر الٹ دیئے اس کے سب سے پہلے علمبردار حامی اور جان نثار کون تھے ہم ہی چند غلام اور کنیزیں جن میں سے کئی ایک پروردہ احسانِ صدیقی تھے۔ رحمتِ عالم کو ان کی دل جوئی اس حد تک منظور تھی کہ لے اصابا اور اسد الغابہ دونوں میں حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تو سات ہی لکھی ہے لیکن ایک تو ان سات غلاموں کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کو عذاب دیا جاتا تھا اور دوسرے یہ کہ دونوں کتابوں میں تعداد کے ایک ہونے کے باوجود ناموں میں اختلاف ہے یہ دونوں باتیں بھی اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سات سے زیادہ ہوگی۔ ۲ ابن جریر طبری ۱۲

اگر حضرت ابوبکر کی زبان سے بھی ان کے حق میں کوئی بات ایسی نکل جاتی جو ان کے لیے آزر دگی کا باعث ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو فوراً متنبہ فرما دیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ابوسفیان (مسلمان ہونے سے پہلے) حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال حبشی اور حضرت مہیب رومی کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ان تینوں نے اس کو دیکھ کر کہا ”اللہ کی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن نہیں اڑائی“ اس وقت حضرت ابوبکر بھی کہیں پاس ہی تھے۔ یہ سُن کر بولے ”تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت ایسا کہتے ہو؟“ پھر جب ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا ”ابوبکر“ تم نے شاید ان (غلاموں) کو خفا کر دیا۔ اگر ایسا ہے تو گویا تم نے خدا کو ناراض کر دیا۔ حضرت ابوبکر یہ سُن کر فوراً پلٹے اور ان تینوں سے اُگر کہا۔ ”میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا ہے انہوں نے جواب دیا نہیں! ہم خفا نہیں ہیں۔“ اسے بھائی اللہ تعالیٰ تمہاری محفرت فرمائے لے حضرت ابوبکر کے انفاقِ اسلام اس وقت حد درجہ غریب اور بے برگ و ناتھا ایک مال کی اہمیت طرف ان غلاموں کے استقلال اور ان کی پامردی نے کہ کی سرزمین میں اسلام کے قدم جمائے تو دوسری جانب حضرت ابوبکر نے اللہ کی راہ میں دولت خرچ کر کے ان قدموں میں توانائی اور مضبوطی پیدا کی چنانچہ جیسا کہ تم نے بھی دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ان غلاموں کی دل جوئی اور دل دہی فرماتے تھے حضرت ابوبکر کے انفاقِ مال کی اہمیت کا بھی پاس گزارا نہ اعتراف کرتے تھے حدیث اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد مواقع کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

ما نفعتی مال احد قط ما ابوبکر کے مال نے مجھ کو جو نفع پہنچایا

نفعتی مال ابی بکر لے کسی اور کے مال نے اتنا نہیں پہنچایا

ایک دوسرے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ امتنان و تشکر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

اللہ لیس من الناس أحدًا آمن علی بے شبہ جان و مال کے لحاظ سے ابوبکر سے
فی نفسه و مللہ من ابی بکر۔ زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں ہے۔

تو حضرت ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا ”یا رسول اللہ! یہ جان اور مال کیا کسی اور کے لیے بھی ہے۔“

قرآن مجید کا اعتراف | اسی بنا پر خود قرآن نے ان مخلصوں کو جو فتح مکہ سے قبل اپنے جان و مال سے اسلام کی مدد کرتے تھے (اور کوئی شبہ نہیں کہ ان میں حضرت ابوبکر کا نام سرفہرست ہے) ان لوگوں کے مقابلہ میں خاص عظمت و برتری کا مستحق قرار دیا ہے جو فتح مکہ کے بعد ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا يَسْتَوِي مَنكُم مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ
وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا
(سورۃ الحديد)

تم میں سے وہ لوگ جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کرتے تھے اور قتال کرتے تھے وہ درجہ کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔

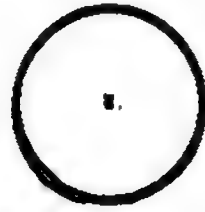
حضرت ابوبکر جب اسلام لائے تھے ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے لیکن جب مدینہ پہنچے ہیں تو صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔ باقی سب کی سب اللہ کے راستہ میں خرچ کر دی۔

حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت | قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن جن طریقوں سے سارے تھے ان سب کے باوجود آپ کی زوجہ

محترمہ حضرت خدیجہ جو قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ابوطالب جو آپ کے چچا تھے اور قریش میں بڑی بااثر شخصیت رکھتے تھے ان دونوں کے وجود سے آپ کو بڑی قوت اور دل جمعی تھی لیکن سلسلہ نبوی میں چند روز کے آگے پیچھے سے دونوں کی وفات ہو گئی۔ طبعی طور پر۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کا اس قدر ملال ہوا کہ آپ اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہتے تھے اور اکثر اس اور غمگین نظر آتے تھے۔ اسی اثنا میں خولہ بنت حکیم نے

۱۷ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶ ۱۸ اصحابہ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ج ۲ ص ۸۳۱

حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب کے ذریعہ اس قرآن السعدین کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ اس لیے آپ راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہ کی والدہ ام رومان سے اس کا ذکر چھیڑا انہوں نے حضرت ابوبکر سے تذکرہ کیا۔ وہ بولے کہ میں حبیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ لیکن جب حبیر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات حیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر آزاد تھے۔ چنانچہ آپ نے چار سو درہم پر حضرت عائشہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس وقت صرف نکاح ہوا تھا اور حضرت عائشہ کی عمر لچھ برس کی تھی۔ غرض کہ اس رشتہ مصاہرت کے قائم ہو جانے سے حضرت ابوبکر صدیق کی قبائے شرف و مجد میں ایک اور حکمہ زرین کا اضافہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ایسی رفیقہ حیات کا انتظام ہو گیا جو آگے چل کر اسلامی احکام و مسائل کی تشریح و توضیح اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں آپ کی دست و بازو ثابت ہوئیں۔



ہجرت مدینہ

مدینہ میں اسلام کی مقبولیت | اسلام کا جو آفتاب جہاں تاب مکہ کے افق سے طلوع ہوا تھا اس کی کرنیں مدینہ کو منور کرنے لگی تھیں۔ یہاں سے مختلف قبیلوں کے لوگ جو ہر سال حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچ کر قرآن مجید کی آیتیں سناتے اور دین حق کی دعوت دیتے۔ اکثر موقعوں پر حضرت ابوبکر بھی ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ ہودیوں کے ساتھ اختلاف وارتباط رکھنے کی وجہ سے دین الہی کے تصور سے بے بہرہ نہیں تھے اور ساتھ ہی تورات کی پیش گوئی کے باعث ایک پیغمبر موعود کی بعثت کے منتظر تھے۔ اس بنا پر اب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی زبان حق ترجمان سے قرآن مجید سنا تھا ان کو اسلام کی دعوت قبول کرنے میں زیادہ پس و پیش نہیں ہوا بلکہ انہوں نے جلدی اس لیے کی کہ کہیں مدینہ کے یہودی اس سعادت اندوزی میں ان پر سبقت نہ لے جائیں یہ حجاج خود مسلمان ہوتے تھے اور پھر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کے مطابق اپنے مبلغین بھی مدینہ میں بھیجنے شروع کر دیئے تھے جو وہاں رہ کر دین حق کی نشر و اشاعت کا فرض انجام دے رہے تھے اس بنا پر اسلام جو خود اپنے وطن میں غریب الوطن تھا مدینہ کی سرزمین میں سرسبز و شاداب ہو رہا تھا اور وہاں روز بروز اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی تھی۔

قریش کا ناپاک منصوبہ | قریش نے جب دیکھا کہ اب تک انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثاروں کو ستانے۔ ڈرانے اور پریشان کرنے کی جتنی بھی تدبیریں کی ہیں ان میں سے ایک تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ تین برس تک آل ہاشم شعب ابی طالب

میں محصور رہے اور اس مدت میں بھوک اور پیاس کی کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو انہوں نے اٹھائی نہ ہو مگر اس کا نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلا۔ بلکہ اور الٹا اثر یہ ہو رہا ہے کہ اسلام مدینہ میں پھیل رہا ہے اور اپنی جڑیں مضبوط کرنا جا رہا ہے تو اب ان لوگوں نے دارالندوہ میں جو ان کا دارالمشورہ تھا اپنا ایک اجتماع کیا اور باہم مشاورت کی کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔ اس اجتماع میں نامور علمائے قریش شریک تھے۔ مختلف رائیں پیش ہوئیں آخر ابو جہل نے کہا ”ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چنا جائے اور سب لوگ ایک ساتھ مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تلواروں سے حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں، اس صورت میں ان کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم کے لیے ان کا اکیلے مقابلہ کرنا آسان نہ ہوگا۔“

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

ہجرت نبوی کے لیے | ادھر مدینہ میں اسلام کی پذیرائی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم ربانی کا انتظار نے اپنے اکثر جان نثاروں کو پہلے ہی مدینہ کی ہجرت کا حکم دے دیا تھا۔ اور اکثر صحابہ وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی مدینہ پہنچنے کی جلدی کر رہے تھے لیکن ان کی قسمت میں رفیق غار ثور ہونے کی سعادت لکھی تھی اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ٹال رہے تھے اور خود اپنے لیے حکم خداوندی کے منتظر تھے۔ آخر وہ وقت بھی آگیا۔ ادھر دارالندوہ میں یہ قرارداد منظور ہو رہی تھی کہ رحمت عالم کے وجود مسعود سے عالم کو محروم کر دیا جائے اور ادھر رب السموات والارض نے اپنے حبیب پاک کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور اعلان کر دیا ”الَّتَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ“ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو اللہ ان کی مدد کرے گا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ کی زبانی یہ پوری داستان بڑی تفصیل سے سنائی ہے۔ چونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت و توکل علی اللہ اور حضرت ابوبکر صدیق کی ذات اقدس کے ساتھ غیر معمولی محبت اور شیفتگی اور ساتھ ہی حسن انتظام۔ نفاست پسندی اور لطافت طبع پر روشنی پڑتی ہے اس لیے ہم اس کو بعینہ نقل کرتے ہیں۔ اصل روایت میں کہیں دوسری روایت سے مدد لے کر اضافہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ پورا واقعہ ایک ہی جگہ آجائے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ اگرچہ

اس وقت کم سن تھیں لیکن ظاہر ہے ان کی یہ روایت گویا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق کی روایت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

حضرت ابوبکر کی ہجرت ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھ کو کی نیت سے تیاری تم لوگوں کا مقام ہجرت دکھا دیا گیا ہے اور وہ ایسا اور ایسا ہے تو بہت سے لوگوں نے مدینہ جانا شروع کر دیا یہاں تک کہ جو مسلمان حبش چلے گئے تھے انہوں نے بھی وہاں سے واپس آکر مدینہ کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکر نے بھی تیاری کر لی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ابھی ذرا ٹھہرو“ میں امید کرتا ہوں کہ مجھ کو عنقریب اجازت ملے گی۔

ابوبکر بولے ”میرا باپ آپ پر قربان کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ ارشاد ہوا ”ہاں“ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے طے کر لیا کہ بس اب وہ حضور پر نور کے ساتھ ہی چلیں گے، ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں ان کو چار مہینے پہلے سے بھول کی پتیاں کھانا شروع کر دیں تاکہ سفر ہجرت میں کام آئیں ہجرت کے لیے روانگی چار مہینے اسی طرح گزر گئے ایک دن دوپہر کا وقت تھا ہم سب لوگ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر سے کہا ”وہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر ڈھانکے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔“ یہ وقت تو حضور کے یہاں آنے کا نہیں ہے، حضرت ابوبکر نے سرکارِ دو عالم کو دیکھا تو بولے ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس نا وقت آپ ضرور کسی اہم کام کے لیے تشریف لارہے ہیں۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ ہی گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی اجازت دیدی گئی تو آپ گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر سے فرمایا ”جو لوگ اس وقت تمہارے پاس ہیں ان کو ہٹا دو“ حضرت ابوبکر نے جواب دیا ”حضور! یہاں آپ کا غیر کون ہے“ اب آپ نے فرمایا ”مجھ کو ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا ”تو میں بھی ساتھ چلوں گا؟“ ارشاد ہوا ”ہاں“ اب حضرت ابوبکر نے کہا ”تو آپ میری ان دو اونٹیوں میں سے کوئی ایک اونٹنی لے لیجئے“ ارشاد ہوا۔ اچھا! مگر قیمت

لے چنانچہ امام بخاری نے باب مناقب المهاجرین و فضائلہم کے ماتحت واقعات ہجرت سے متعلق خود حضرت ابوبکر کی بیان کردہ ایک طویل روایت نقل کی ہے ہم نے یہ روایت اور حضرت عائشہ کی بیان کردہ روایت جو امام بخاری نے باب ہجۃ النبی واصحابہ الی المدینہ کے ماتحت بیان کی ہے ان دونوں کو ملا کر ہجرت کی روایت درج کرتے ہیں۔

کے ساتھ“ لے

اب جلدی جلدی سفر کی تیاری ہونے لگی۔ کئی دن کی راہ تھی اس کے لیے کھانا پکا کر ناشتہ دان (سُفولہ) میں رکھا گیا۔ ناشتہ دان کے منہ پر باندھنے کے لیے کچھ نہیں تھا حضرت ابوبکر کے حکم سے ان کی بڑھی صاحبزادی حضرت اسماء نے اپنے نطاق یعنی کمر بند (پٹک) کے دو ٹکڑے کٹے اور اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ اسی بنا پر ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

غارِ ثور میں پوشیدگی اور ہمداراندہ کی قرار داد کے مطابق قریش کے لوگوں نے جو قتل کے ارادے سے آئے تھے سر شام پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ قریش زنان خانہ میں گھسنا بہت معیوب سمجھتے تھے اس لیے اس تاک میں تھے کہ حضور یا ہر خلیفہ لائیں گے تو یہ اپنا منصوبہ پورا کریں گے حضور کے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں تھیں ان کی واپسی کا انتظام کرنا ضروری تھا۔ اس لیے وہ سب حضرت علی کے سپرد کیے اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد جب ان محاصرین کی پلک جھپک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے اور وہاں سے دونوں نے مکہ کو الوداع کہا اور واپس ہو گئے۔ مکہ سے تین میل بجانب جنوب ایک پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے یہاں پہنچے اور ایک غار میں روپوش ہو کر بیٹھ گئے۔ غار میں تین شب قیام رہا۔ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ جو نوان مگر نہایت فہیم اور سمجھ دار تھے وہ شب غار میں بسر کرتے تھے اور علی الصبح منہ اندھیر لے غور کر دھن معاملہ کی انتہا ہے کہ اس نازک وقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ایسے جان نثار اونٹنی کو مفت میں قبول کر لینے کے لیے تیار نہیں اور ادھر حسن اور احسان کی حد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو قیمت لینے میں انکار نہیں۔ چنانچہ واقعی کہ بیان کے مطابق اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی یہ نطاق کے معنی پٹک ہیں اور عرب میں عام دستور تھا کہ عورتیں پٹک باندھتی تھیں تعجب ہے کہ مولانا عبداللہ العلامی نے کیونکر نطاق کا ترجمہ دوپٹہ، لکھیا ہے (دیکھو ترجمہ طبقات ابن سعد جز دہا مس حصہ اول ص ۵) حالانکہ دوپٹہ کے لیے عربی میں خمار کا لفظ بولا جاتا ہے یہ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت علیؑ کی بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے خروج من مکہ کا ذکر ہے۔ لیکن واقعی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کے مکان کی پشت میں جو کھڑکی تھی یہ خروج اس سے ہوا تھا۔ ہم نے دونوں بیانات کو جمع کر دیا ہے

مگر اگر قریش سے گھل مل جاتے تھے یہاں قریش میں باہم جو مشورہ یا منصوبہ ہوتا اسے محفوظ کر لیتے اور جب اندھیرا ہو جاتا پھر غارِ ثور پہنچ کر دونوں کو اس سے باخبر کر دیتے تھے۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر گھر سے کھانا بھی لاتے تھے۔ عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ رات گئے بکری چرا کر لاتے اور رفیقانِ غارِ ثور دونوں اس پر گزارہ کرتے۔ منہ اندھیرے عامر بن فہیرہ نکل جاتے اور شام ہونے پر واپس آجاتے تینوں دن یہی معمول رہا۔

ادھر صبح کے وقت قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچ نکلنے کی خبر ہوئی تو انہیں اپنے منصوبے کی ناکامی کا بے حد افسوس ہوا اور بڑے جزبہ ہوئے چاروں طرف آپ کی تلاش میں آدمی دوڑائے یہاں تک کہ ایک مرتبہ غار کے دہانہ تک پہنچ گئے ان کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر کو بڑی تشویش ہوئی اور عرض کیا ”محضراً یہ لوگ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم انکو نظر آجائیں گے۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا۔

ما ظنک یا ابابکر بائین اللہ ثالثہما“ اے ابوبکر ان دو کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جنکا تیسرا ساتھی اللہ ہو۔

عبداللہ بن الریقظ جو عبد بن عدی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کی امانت و دیانت پر اعتماد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی رہنمائی کے لیے اس کو اجرت پر مقرر کر لیا تھا اور دونوں اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دینے کے بعد اس سے یہ بات طے کر لی تھی کہ وہ تین شب گزارنے کے بعد صبح کو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور میں پہنچ جائیگا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور عامر بن فہیرہ۔ عبداللہ بن الریقظ کی رہنمائی میں روانہ ہوئے۔

ایک دن اور ایک رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ بہت تیز ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کہیں کوئی سایہ ملے تو وہاں ٹھہریں اتفاق سے ایک چٹان نظر آئی اس کے نیچے سایہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے اس جگہ کو ہموار کیا۔ فرش بچھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استراحت فرمانے کی درخواست کی حضورؐ لیٹ ہو گئے اب حضرت ابوبکر یہ دیکھنے نکلے کہ کہیں کوئی شخص تعاقب میں تو نہیں آ رہا ہے یہ تلاش میں

ادھر ادھر پھرتی رہے تھے کہ ایک چرواہا نظر آیا جو سایہ کی جستجو میں اسی چٹان کی طرف اپنی بکریاں ہانکے چلا آ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا ”تم کون ہو؟“ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو حضرت ابوبکر پہچانتے تھے اور کہا کہ میں اُس کا نوکر ہوں ”حضرت ابوبکر نے پوچھا ”تیری بکریوں میں دودھ ہے؟“ وہ بولا ”ہاں“ پھر دریافت کیا ”کیا تو چارے لیے دودھ دودھ دے گا؟“ اُس نے کہا ”جی ہاں“

اب لڑکے نے حضرت ابوبکر کی فرمائش پر دودھ دوہنے کے لیے ایک بکری کو اپنے قابو میں کیا تو حضرت ابوبکر نے ازراہِ نفاست پسندی و حبِ نبویؐ کہا کہ پہلے ان تھنوں کو غبار سے تو پاک و صاف کر لے اُس کے بعد خود اس سے کہا کہ تیرے ہاتھ غبار آلود ہیں ان کو بھی جھاڑ اور ساتھ ہی اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر بتایا کہ اس طرح۔ لڑکے نے جب ایسا کر لیا تو اس نے دودھ دوہا۔ حضرت ابوبکر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک چمڑے کا برتن لیکر آئے تھے۔ دودھ اس میں انڈیلا برتن پر کڑا بندھا۔ اور اُسے لیکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کچھ نیند لیکر بیدار ہو چکے تھے۔ عرض کیا ”حضورؐ دودھ پی لیں آپ نے درخواست قبول فرمائی تو حضرت ابوبکر کے دل کی باچھیں کھل گئیں اب حضرت ابوبکر نے کہا ”یا رسول اللہؐ چلنے کا وقت ہو گیا ہے“ ارشاد ہوا ”بہت بہتر“ اپنا پنجاب یہاں سے روانگی شروع ہو گئی۔

سراقہ بن جحشم کا واقعہ | ادھر ادھر تلاش کے بعد جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ کا کہیں پتہ نہیں چلا تو قریش نے چاروں طرف قہقہہ روانہ کر کے اعلان کر دیا کہ جو کوئی شخص آنحضرتؐ یا حضرت ابوبکرؓ کو قتل کر لیا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو فی کس ایک خون بہا (موادِ نٹ) کے برابر انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن جحشم جو بنو مدلیج سے تعلق رکھتا تھا اس نے یہ اعلان سنا تو ایک شخص سے اتنا پتہ بتانے پر وہ گھوڑے پر سبیٹھ اور نیزہ ہاتھ میں لے ان دونوں کی تلاش میں نکل پڑا۔ گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ گھوڑے کی ٹھوک لگی اور گر پڑا۔ اب اس نے ترکش سے فال کے طور پر تیر لکالے کہ مجھ کو تعاقب کرنا چاہیے یا نہیں جواب مرضی کے مطابق نہیں نکلا۔ مگر لاشِ بری بلا ہے وہ پھر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور بالکل ہی قریب

پہنچ گیا حضرت ابوبکر نے اُسے دیکھا تو گھبرا کر بولے "یا رسول اللہ! یہ ہماری طلب میں آگیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (تو نہ بے گھبراؤ ہمیں! اللہ بے شک ہمارے ساتھ ہے۔)

خود سراقہ کا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ بیان ہے کہ میں ان دونوں کے استقدر قریب پہنچ گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ پیڑھنے کی آواز سُن رہا تھا اور پھر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ آنحضرت ۴ التفات نہیں کر رہے تھے لیکن حضرت ابوبکر (فرط اضطراب میں) ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلتے تھے اب گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نیچے گر پڑا۔ گھوڑے پر چیخا چلا یا۔ گھوڑا چاہتا تھا کہ اٹھے مگر وہ زمین سے اپنے پاؤں نہیں نکال سکا۔ اس مرتبہ سراقہ نے پھر فال لی اور وہی جواب ملا تو سمجھ گیا یہ کوئی اور ہی معاملہ ہے اب اُس نے امان طلب کی۔ نبی و صدیق کا یہ قافلہ ٹھہر گیا۔ امان پا کر سراقہ پھر سوار ہوا اور یہاں پہنچ کر اس نے قریش کے اعلان اور انہی جستجو کی روئیداد سنائی کھانے پینے کا جو سامان اپنے ساتھ لایا تھا وہ پیش کیا اور اپنے لیے ایک پڑانہ امن کا خواستگار ہوا۔ عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر یہ پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کیا۔

اتفاق سے حضرت زبیر مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کے ساتھ شام سے آرہے تھے یہاں انہی ملاقات اُن حضرت ۵ سے ہوئی حضرت زبیر نے چند بیش قیمت سفید کپڑے آنحضرت ۶ اور حضرت ابوبکر کی خدمت میں پیش کئے۔ یہ بیش کش اس بے سرو سامانی کے عالم میں بہت غنیمت تھی۔ ابن سعد نے حضرت زبیر کی بجائے طلحہ بن عبید اللہ کا نام لکھا ہے ممکن ہے یہ دونوں واقعے الگ الگ ہوں یا طلحہ بن عبید اللہ خود حضرت زبیر کے شریک تجارت ہوں۔ اب قافلہ پھر روانہ ہوا۔ آنحضرت ۷ اگرچہ عمر میں حضرت ابوبکر ۸ سے یہ الفاظ آنحضرت ۹ نے غارتور میں بھی کہے تھے جیسا کہ قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے

اس لیے روایات میں ان دونوں موقعوں کیلئے یہ الفاظ ملتے ہیں البتہ قرآن نے صرف واقعہ غارتور کا ذکر کیا ہے اور سراقہ کے واقعہ سے ساکت ہے۔

سے بڑے تھے۔ لیکن صورتِ مکمل سے نسبتاً کم عمر اور جوان اور حضرت ابوبکر لو بڑھے نظر آتے تھے۔ تجارت کی تقریب سے چونکہ حضرت ابوبکر کا باہر آنا جانا رہتا تھا۔ اس لیے راستہ میں اُن کے شناسا ملتے جاتے تھے۔ ان میں سے جو کوئی ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے؟ وہ تو یہ وایہام کی زبان میں جواب دیتے۔ "یہ میرے راہنما ہیں" ۱۰

مدینہ طیبہ میں ابتدائی زندگی

کو کتبہ نبوی کا مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی اور مدینہ میں داخلہ یہاں آپ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند تھا۔ انصار کا بچہ بچہ ہمہ تن چشم شوق بنا ہوا تھا۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بالائی آبادی ہے۔ جس کو حرة یا قبا کہتے ہیں دیوان گان جمال محمدی صبح سویرے یہاں پہنچ جاتے اور گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے کہ کو کتبہ نبوی کے راستہ کی اڑتی ہوئی گرد نظر آجائے تو چشم انتظار کے لیے اسکو توتیا بنا کر رکھ لیں۔ دوپہر کو جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت و افسوس کے ساتھ گھر واپس لوٹ جاتے، روز کا یہی معمول تھا، ایک دن اسی طرح گھر واپس آچکے تھے کہ ایک یہود کا بچہ ٹیلہ پر سے دیکھ رہا تھا اچانک اس کی نگاہ آنحضرتؐ اور آپ کے رفقاء پر پڑی جو سفید لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اس سے ضبط نہ ہو سکا اور مہیا ختہ لپکارا ”لو اے عرب کے لوگو! جن کا تم کو انتظار تھا وہ آگئے۔ انصار نے سنا تو جوشِ مسرت میں قابو سے باہر ہو گئے اور ہتھیار سج سجاستقبال کے لیے آگے بڑھے۔ حرة کی پشت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ یہاں عمر بن عوف کا ایک ممتاز خاندان آباد تھا۔ شہنشاہِ دو عالم نے سب سے پہلے اس کو ہی میزبانی کا شرف عطا فرمایا۔ آنحضرتؐ تو سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ لوگوں سے بات چیت کیلئے کھڑے رہے انصار کے جن لوگوں نے اب تک آنحضرتؐ کو نہیں دیکھا تھا وہ اتنے تھے تو حضرت ابو بکرؓ کو ہی پیغمبرِ آخر الزمان سمجھ کر سلام کرتے تھے۔ لسنے میں دھوپ ذرا تیز۔۔۔ ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ

آنحضرتؐ پر اپنی چادر کا سایہ کر کے کھڑے ہو گئے اس سے ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ دراصل ان کا گوہر مقصود کون ہے۔ لے

امام بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرتؐ کا قبائیں قیام چودہ دن رہا۔ یہیں آپ نے وہ مسجد تعمیر کی جس کا ذکر قرآن مجید میں ”لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ“ کے عنوان سے ہے۔

ورودِ مدینہ کی تاریخ | حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق آنحضرتؐ دو شنبہ کے دن مکہ سے روانہ ہو کر تین دن غارِ ثور میں رہے اور پچھٹنبہ کو یہاں سے روانہ ہوئے امام بخاری نے ورودِ قبا کا دن دو شنبہ اور مہینہ ربیع الاول کا بتایا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے کسی نے پہلی یا دوسری کسی نے سات۔ کسی نے بارہ کسی نے تیرہ اور کسی نے پندرہ تاریخ لکھی ہے لے لیکن یہ ظاہر ہے کہ امام بخاری کی روایت کے مطابق اگر دن دو شنبہ کا متعین ہو جائے جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ جدید حساب سے بھی یہی دن ٹھیکتا ہے لے تو ان مذکورہ بالاتاریخوں میں سے کوئی ایک تاریخ بھی درست نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر فلپ ہٹی نے سن عیسوی کے لحاظ سے ۶۲۲ ستمبر ۱۲ تاریخ لکھی ہے لے

قبائیں دو ہفتہ قیام کے بعد آپ اور حضرت ابو بکر شہر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو شرفِ میزبانی عطا فرمایا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ کے قرب و جوار میں مسخ نام ایک جگہ ہے وہاں خالد بن ولید بن ابی زمیر کے پاس قیام کیا اور یہیں تجارت کا کاروبار پھر شروع کر دیا۔ بعد میں خارجہ کی بیٹی حبیبہ سے نکاح بھی کر لیا اور ایک مستقل مکان میں رہنے لگے۔ چند روز کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی بیوی ام رومان۔ ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ اور صاحبزادیاں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ بھی مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد

لے بخاری ج ۱ ص ۵۵۹ لے حاشیہ ۲ ص ۵۵۵ لے سیرۃ النبی ج ۱

ص ۲۷۷ حاشیہ ۲ لے عربوں کی تاریخ چوتھا ڈلشن ص ۱۱۶

چھ ماہ تک اسی جگہ رہتے رہے۔
مدینہ کی آب و ہوا کی عدم ایہاں پہنچنے کے کچھ دنوں کے بعد حضرت ابو بکر شہید
موافقت اور دعا نبویؐ تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے حضرت عائشہؓ اس حالت میں
باپ کی مزاج پر سی کرنے آئیں تو یہ شعر ورد زبان تھا۔

کل امریٰ مقصبتہ فی اہلہ والموت ادنیٰ امن شئ الخ لعلہ
ہر شخص اپنے بال بچوں میں داد عیش و طرب دیتا ہے حالانکہ موت اسکے جوتہ کے تسمہ بھی زیادہ قریب
حضرت عائشہؓ گھر آکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اب آپ کا حال عرض کیا۔ آپ نے
بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ "اے اللہ تو مدینہ کو بھی ہمارے نزدیک ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا
کہ مکہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں کی آب و ہوا کو صحت بخش کر دے اور یہاں کے ناپ
قول میں برکت عطا فرما اور بخار کو یہاں سے منتقل فرما لے۔

انہیں دنوں میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو بخار آگیا تو حضرت ابو بکرؓ بڑے پریشان ہوئے مگر
میں آتے جیاد بیٹی کو پیار کرتے اور پوچھتے "بیٹا! تم اب کیسی ہو؟" لے
حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے علاوہ اور مہاجرین کو بھی مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں
آئی تھی۔ آنحضرتؐ کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ آج مدینہ طیبہ پورے حجاز میں آب و ہوا کے
لحاظ سے بہترین جگہ ہے۔

عقد مواخات | مہاجرین جو محض اللہ کے راستہ میں اپنا وطن گھر بار سب کچھ چھوڑ
کر گئے تھے مدینہ میں بے خانہ تھے۔ ٹھہرنے کا ٹھکانا تو کسی کا بھی نہ تھا۔ بہت سے تہید
و بے سامان بھی تھے اہل مدینہ جو بعد میں انصار کہلائے انہوں نے ان راہ حق کے
پرستوں کی مہانداری جس فیاضی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کی ہے وہ تاریخ کا
مشہور واقعہ ہے ان حضرت نے مدینہ پہنچ کر مہاجرین اور انصار دونوں میں
باہمی مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی بنا دیا یہ بھائی سگے
بھائیوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ انصار نے یہاں تک کیا کہ ایک انصاری اپنے

بھائی مہاجر کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی تمام جائیداد و املاک کا جائزہ دینے کے بعد بولے
"اب میری ہر چیز آدمی میری ہے اور آدمی تمہاری۔ یہاں تک کہ دو بیویاں تھیں تو
بولے کہ ایک کو طلاق دیتا ہوں تم اس سے عدت کے بعد نکاح کر لینا۔ مہاجر بھائی نے جواب
دیا "آپ کی جائیداد و املاک اور بیویاں آپ کو مبارک! مجھ کو ان میں سے کچھ مدد کا نہیں غرض
کہ اس عقد مواخات کے ماتحت مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا۔
عقد مواخات قائم کرتے وقت آنحضرتؐ طرفین کی حیثیت کا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ حضرت
عمر فاروق کو عتب بن مالک جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ ان کا بھائی قرار دیا اور حضرت
ابو بکر صدیق کو حضرت خارج بن زید انصاری جو مدینہ سے قریب ایک مقام سح میں قیام
رکھتے تھے اور تجارت پیشہ تھے ان کا بھائی بنایا لے

تعمیر مسجد | مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ضروری تھا کہ ایک مسجد تعمیر کی جاتی تاکہ سب مسلمان ایک
ساتھ جمع ہو کر عبادت خداوندی بجالاتے اور جہاں اور دوسرے اہم دینی اور اجتماعی امور
کا بھی فیصلہ ہوتا۔ اس مقصد کیلئے آنحضرتؐ نے زمین کا جو ٹکڑا منتخب کیا وہ سہل اور سہل
نام کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا یہ بچے سعد بن زرارہ کی سرپرستی میں تھے۔ آنحضرتؐ
نے اس قطعہ زمین کا معاملہ کیا تو دونوں نے کہا "یہ آپ کی نذر ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ
لیکن آپ نے نذر قبول کرنے سے انکار فرمایا اور آخر قیمتی اس کو خرید کر لیا لے قطعہ زمین
کی یہ قیمت جو بعض روایات کے مطابق دس دینار تھی۔ اس کے ادا کرنے کی سعادت بھی
حضرت ابو بکر صدیق کو حاصل ہوئی۔ آپ نے صرف قیمت ہی ادا نہیں کی بلکہ جب سرور
دو عالم خود مزدوروں کی طرح تعمیر مسجد کے کام میں شریک تھے۔ اور اسٹیں اٹھا اٹھا کر دے
رہے تھے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ رفیق غار نور اس میں آپ کا شریک نہ ہوتا لے

حضرت عائشہؓ کی رخصتی | پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کا نکاح حضرت عائشہؓ کے ساتھ
مکہ میں ہو چکا تھا۔ اب مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے خود رخصتی
کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "میرے پاس مہر ادا کرنے کے نہیں ہے" حضرت ابو بکرؓ نے

مہر کی رقم خدمت اقدس میں حاضر کر دی گئی اور ادھر حضرت ام رومان نے حضرت عائشہ کو نہلا دھلا اور نہایت سادہ طریقہ پر دلہن بنا کر حرم نبوی میں داخل کر دیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر خود ان کے بیان کے مطابق نو سال تھی گئی

غزوات میں شرکت اور

دوسرے کارنامے قبل از خلافت

مکہ کی زندگی مصائب و آلام کا مرقع تھی حلقہ بگوشان اسلام عبادتِ خداوندی کھیلے بندوں کیا بجالا سکتے انہیں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ طرح طرح کی انہیشتیں دیکھائی تھیں۔ قسم قسم کے بھیانک اور درد انگیز مظالم کیے جاتے تھے لیکن بہر حال آنحضرتؐ کو انہیں مصائب و آلام کی بھٹی سے گزار کر گندن بنانا تھا۔ اور ان سے تزکیہ نفس، تطہیر قلب اور مسلمانوں کو ایمان میں مستحکم اور عمل میں پختہ کار بنانے کا کام لینا تھا۔ اس بنا پر اس دور میں صرف کامل انقیاد و اطاعت، صبر و تسلیم اور ضبط نفس جیسے اوصاف و کمالات درکار تھیں ہی و جہر ہے کہ قرآن مجید میں جتنی مکی سورتیں ہیں ان میں جگہ جگہ استعانت بالصبر والصلوة اور مصائب کے وقت رجوع الی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

لیکن اب مدینہ طیبہ پہنچ کر وہ وقت آیا جب اسلام کی پہلی اسٹیٹ قائم ہو رہی تھی اس اسٹیٹ کے ماتحت مسلمانوں کو دشمنوں سے جنگ کرنی تھی۔ اپنی منتشر طاقتوں کی شیرازہ بندگامنی تھی، غیر قوموں کے ساتھ معاہدے کرنے تھے اور خود اپنی اجتماعی اور قومی تنظیم کا ایک دستور مرتب کرنا تھا اور چونکہ حضرت ابو بکرؓ تمام معاملات میں آنحضرتؐ کے دست راست تھے اس بنا پر اب موقع تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے دوسرے اوصاف و کمالات یعنی اصابتِ رائے، حسن تدبیر، دور بینی اور دانش مدی بھی بروئے کار آئیں۔

چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد سے آنحضرتؐ کی وفات تک جتنے غزوات ہوئے ہیں پیش آئیں اور اہم معاملات و مسائل سامنے آئے ان سب میں حضرت ابو بکرؓ اپنی آنحضرتؐ کے ساتھ برابر شریک رہے۔ گو حیثیتیں مختلف تھیں۔ مثلاً میدانِ ردم میں وہ ایک

نہایت دلیر سپاہی نظر آتے ہیں اور مشورہ کے وقت ایک اعلیٰ درجہ کے مشیر اور وزیر
باتدبیر ناموافق حالات میں پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سازگار حالات میں نہایت
حکیم و باوقار یہی دو گونہ اوصاف و کمالات ہیں جن کے اجتماع کے باعث مسٹر ڈبلیو
منٹگمری واط کے بیان کے مطابق حضرت ابو بکر جہاں ایک طرف اونچے درجہ کے فرماں
بردار و مطیع تھے ساتھ ہی ایک بلند پایہ لیڈر اور قائد بھی تھے۔

غزوہ بدر آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کی ہجرت نے قریش کی آتش غیظ و غضب
کو اور مشتعل کر دیا تھا وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسی طاقت پیدا
ہو رہی ہے جو سارے عرب پر مستولی ہو جائیگی۔ اور ان کا اقتدار ختم کر دیگی۔ اس
بنیاد پر اس طاقت کو ختم کرنے کے لیے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس کے کرنے میں انہوں
نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مدینہ کے ان لوگوں کو جو ان کے زیر اثر تھے برابر اکٹارتے رہتے
تھے کہ آنحضرتؐ کو وہاں سے نکال دیں۔ مدینہ کے قرب و جوار میں جو آبادیاں تھیں وہاں
اپنی ٹولیاں بھیجتے رہتے تھے کہ اسلام کی دعوت سے جو لوگ متاثر ہو رہے ہیں وہ
پریشان ہوں۔ آنحضرتؐ بھی ان کے توڑ میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجتے رہتے تھے۔
جن کو ارباب سیر کی اصطلاح میں سراپا کہا جاتا ہے۔

لیکن قریش کو جلد ہی یقین ہو گیا کہ اس طرح کی چھوڑی حرکتوں سے کام نہیں چلے گا
اس بنیاد پر انہوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملے کرنے کا منصوبہ
باندھا۔ لیکن اس منصوبے کو عمل میں لانے کے لیے سب سے مقدم ضرورت سرمایہ کے
فراہمی کی تھی۔ اس لیے انہوں نے ترکیب یہ کی کہ ابوسفیان (حضرت امیر معاویہ کے والد
جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان تجارتی قافلہ شام بھیجا
تاکہ اس سے جو آمدنی ہو اس سے دین حق کے مٹانے کا کام کیا جائے۔ اور سرمایہ کے
فراہمی کی یہ تدبیر کی گئی تھی اور ادھر مکہ میں جو انان و نبرہ آزمایان قریش مدینہ پر حملہ
کرنے کے جوش میں فوجی تیاریاں کر رہے تھے۔

لے ان ایکو پیڈیا آف اسلام جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۱۰

ابوسفیان شام میں اپنا مقصد حاصل کر لینے کے بعد جب مکہ کیلئے واپس روانہ ہوا ہے تو اس
تذکرہ و احتشام کے ساتھ کہ حسب روایات اُس کے جلو میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر پچاس ہزار
دینار لدے ہوئے تھے اور قافلہ چالیس یا ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ عظیم منافع تجارت و حقیقت گوکہ بارود کا ایک میگزین تھا جو صرف
اس غرض کے لئے فراہم کیا گیا تھا کہ اس سے اسلام اور اس کے جاں نثاروں کو برباد و ہلاک
کیا جائیگا اس بنیاد پر اس وقت آنحضرتؐ کیلئے صرف جائز ہی نہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے نہایت
ضروری تھا کہ اس وقت سامان کو مکہ تک نہ پہنچنے دیا جائے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔
اِنَّمَا خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَرِيشَ كَقَفْلَةِ
عُكُوْقَرِيشَ (باب غزوہ بدر)۔
آنحضرتؐ قریش کے قافلہ کے
ارادے سے نکلے۔

فوجی قریش کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ ساز و سامان کیساتھ لیس تو بیٹھے ہی تھے
فوراً مکہ سے روانہ ہو گئے۔ ادھر آنحضرتؐ اپنے تین سوتیرہ جانبازوں کے ساتھ ۱۲ رمضان
۲ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۱۶ رمضان کو مقام بدر کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔

لے سخت تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ اتنی سادہ حقیقت مولانا شبلی کی سمجھ میں نہیں آئی اور انھوں نے سیرت النبی جلد
اول میں غزوہ بدر پر ایک نہایت مبسوط و مفصل گفتگو کر کے تمام محدثین و ارباب سیر کے خلاف اس واقعہ کی تفسیر
کی ہے۔ آج کل کی مہذب دنیا میں کیا نہیں ہوتا؟ فرق محارب کے لیے رسل و رسائل اور رسد کے ذرائع بند کر دیئے جاتے
ہیں۔ اقتصاد کی ناکہ بندی کی جاتی ہے۔ تجارتی منڈیوں پر پم باری کر کے انہیں برباد کیا جاتا ہے۔ مالی سے لدے
ہوئے جہاز جہاں کہیں مل جاتے ہیں ان کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ قریش نے جب ہجرت کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑا
اور وہ ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری پوری قوت اور بڑے زور سے کر رہے تھے اور یہ قافلہ تجارت اسی کا
مقدمہ البمشن تھا قرآن عافیت میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہمہ بین الاقوامی قانون جنگ کے رو سے
بالکل درست اور حق بجانب تھی اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ آپ کی سیاسی بیدار مغزئی اور مدد قریش کی روشنی
دلیل ہے۔

یوں توقیرش اور دوسرے قبائل کے ساتھ اس سے پہلے بھی متعدد جھڑپیں ہو چکی تھیں لیکن حق و باطل اور اسلام و کفر کا یہ سب سے پہلا معرکہ تھا جس کے فیصلہ پر تاریخ عالم میں ایک نئے انقلاب کا دار و مدار تھا۔ آنحضرتؐ نے ایک طرف قریش کی تعداد ان کے سامان اور ان کی جنگی تیاریوں کا جائزہ لیا اور دوسری طرف اسلام کے ان مرفوش مجاہدوں کو دیکھا جن کے گھوڑوں کو زینیں بھی نصیب نہیں تھیں اور جو تعداد کے لحاظ سے دشمن کے آٹھ گھوڑے تھے تو بے ساختہ جی بھر آیا اور بارگاہِ ایزدی میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کی۔ کہ

”لے خدا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ لے خدا اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تیرا پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔“

آپؐ ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرتے جاتے تھے اور فرطِ بقراری میں چادر بار بار شانہ منبارک سے گر کر پڑتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے چادر اٹھائی آپؐ کے کندھے پر ڈال دی اور اسکے بعد سرکارِ دو جہاں کی پشت سے لپٹ کر کہنے لگے ”محض اب بس کیجئے! اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا“ فوراً وحی آئی اور اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبْ لَكُمْ اِنِّي مُمِيتُكُمْ بِالْفَتْحِ مِنَ الْمَلَايِكَةِ مُرْدِفِينَ۔ کامرودہ جاں فرسا گئی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے یہ کہنے کے بعد ہی آپؐ نے حضرتؓ نے سَيَهْدُمُ الْجَمْعُ وَيُؤَلِّفُونَ الدُّبُرَ کفار کی فوج جلد شکست کھا ئیگی اور یہ اُلٹے پاؤں واپس جائیں گے فرمایا ادا بہ تشریف لے آئے موقع کی نزاکت دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کے لیے ایک سائبان بنا دیا تھا کہ آپؐ وہاں تشریف رکھیں اور مسلمانوں کو وہاں سے ہدایات دیتے رہیں اس سائبان میں رفاقت اور آنحضرتؐ کی نگرانی اور حفاظت کا شرف بھی حضرت ابو بکرؓ کو ہی حاصل ہوا۔

لے میں نے یہ واقعہ صحیح مسلم کتاب الجہاد والیر سے لیا ہے۔ امام بخاری نے بھی ادا کتاب الجہاد میں اور پھر اب غزوہ بدر میں اس کو نقل کیا ہے لیکن اس میں فاخذ ابو بکر مبدیٰ یعنی ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیا۔“ کے الفاظ ہیں۔

مسند بزار میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس دن حضرت ابو بکرؓ تلوار نیام سے باہر نکالے آنحضرتؐ کا پہرہ دے رہے تھے جو کوئی حضورؐ کی طرف بڑھتا حضرت ابو بکرؓ اس پر پل پڑتے تھے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

فہو اشجع الناس۔ تو ابو بکرؓ سے زیادہ بہادر انسان ہیں۔ کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ اس اعتبار سے بڑا صبر طلب اور دردا نگیز تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو اچانک نظر آیا کہ باپ بیٹے کے ساتھ نبرد آزماتھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بڑے بیٹے عبدالرحمنؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس وجہ سے مکہ میں ہی رہ گئے تھے۔ بدر میں قریش کی فوج کے ایک سپاہی وہ بھی تھے انہوں نے میدانِ جنگ میں بڑھ کر لپکارا کہ میرے مقابلہ میں کون آتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ خود تلوار کھینچ کر مقابلہ کو نکلے۔ لیکن رحمتِ عالم کو یہ گوارا نہ ہوا۔ فوراً حضرت ابو بکرؓ کو روکا اور فرمایا۔

متعنی بنفسک تم مجھ کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو لے ایک اور روایت میں لا تفجعنا بنفسک کے الفاظ ہیں ان کا مطلب بھی یہی ہے جنگ ختم ہوئی تو مالِ غنیمت کے علاوہ ستر قیدی ہاتھ آئے جن میں حضرت عباسؓ اور آنحضرتؐ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) ابو العاصؓ بھی تھے آنحضرتؐ نے مشورہ کیا اودان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہ قیدیوں کو

لے اسد الغابہ قسم اول جز ثلث ص ۲۱۲ لے اسد الغابہ جز ثلث ص ۲۰۵ ذائق مبارک کی بلاغت پر غور کرو۔ آنحضرتؐ کا اصل مقصد حضرت ابو بکرؓ کو بیٹے کے مقابلہ میں جلنے سے روکنا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ اسلام کے جوشِ حمایت میں جا رہے تھے۔ اس لیے ممکن تھا کہ اگر صرف سادہ طریقہ پر حضورؐ پر ہندہ انکو اس سے روکتے اور یہ فرماتے کہ ہمیں تم نہیں ہو تو اپنا اثر نہ بتایا ہوتا مگر وہ بددلی محسوس کرتے اس لیے آپؐ نے ایک ایسی بات کا ذکر کیا جو حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک خود بہت اہم تھی۔ یعنی حضورؐ کے پاس ہی رک رکھنے کی حفاظت کرنا اس لیے آپؐ متعنی بنفسک فرمایا جس کے لفظی معنی ہیں تم اپنی ذات سے مجھ کو فائدہ پہنچاتے ہو

۱۔ صحیح مسلم باب الامداد بالملائکہ فی غزوة بدر و اباحتہ الغنائم علیہ مدینہ منورہ کے شمالی جانب تقریباً تین میل (ایک فرسخ) کی مسافت پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

نے مقتولین بدر کا نوحہ کر کے قریش کے ایک ایک نوجوان کو جویش انتقام سے اس طرح بھرپور کر دیا کہ ہر شخص کی زبان پر الشار الشار تھا۔ ابوسفیان کی سرکردگی میں جو کاروان تجارت شام سے واپس آیا تھا اس کا عظیم منافع اگرچہ تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن بطور امانت محفوظ تھا۔ عورتوں کی ایک بڑی جمعیت کا ساتھ ہونا اس کی دلیل تھا کہ اس مرتبہ قریش یہ طے کر کے چلے تھے کہ یا وہ اپنے مقتولین بدر کا انتقام لیں گے اور یا وہیں میدان جنگ میں لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں گے۔ حضرت عباس جو اگرچہ اسلام لے آئے تھے لیکن جاسوسی کے خیال میں مکہ ہی واپس آگئے تھے انہوں نے ایک تیز رو قاصد کے ذریعہ آنحضرتؐ کو قریش کی ان تیاریوں کی اطلاع کر دی آپ نے اس خبر کی تصدیق اور مفصل حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی غرض سے انس اور مولس دو آدمیوں کو بھیجا تو انہوں نے خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے اس قدر قریب آگیا ہے کہ انکے گھوڑوں نے عریض جیرا گھوڑوں کو صاف کر دیا۔ قریش جبل احد پر خیمہ ڈالے پڑے تھے۔ آنحضرتؐ سات سو جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور احد کی لپشت پر پہنچ کر صفیں آراستہ کیں جب عام جنگ شروع ہوئی تو حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابو جہانہؓ اس بھگڑی سے لڑے کہ دشمن کی فوج میں گھس کر انکی صفیں الٹ دیں۔ قریش کے علمبردار ایک ایک بڑھتے تھے اور سرمستان بادۂ توحید کی ضرب کاری سے خاک کا ڈھیر ہو جاتے تھے۔ آخر فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمان یہ دیکھ کر مال غنیمت کے جمع کرنے میں لگ گئے قریش کا ایک دستہ جو کوہ احد پر تھا اس نے میدان خالی دیکھ کر عقب سے اس زور کا حملہ کیا کہ اب جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ یہ وقت اسلام کیلئے بے حد نازک تھا اسلامی فوج کے بڑے بڑے نبرد آزماؤں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ عام افراتفری میں خود مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر پڑ رہی تھیں دشمنوں نے خراڑادی کہ سرورِ عالم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ جیسے شیر بیشہ شجاعت کا دل چھوٹ گیا۔ لیکن آنحضرتؐ میدان جنگ کے ایک گوشہ میں اپنے چند جاں بازوں کے ساتھ کھڑے تھے جن میں ایک حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ قریش

کادستہ تیر برسا رہا تھا۔ آنحضرتؐ گردن اٹھا اٹھا کر دیکھتے تو حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ”آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ گردن نہ اٹھائیں۔ دشمن تیر برسا رہے ہیں۔ میرا سینہ ان کا نشانہ بننے کیلئے حاضر ہے۔ اسی حالت میں آپ مجروح ہو گئے۔ تو آپ کے جانشین پہاڑ پر لے آئے یہاں ابوسفیانؓ بھی پہنچ گیا اور اُس نے پکار کر پوچھا ”لوگو! کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے پھر دریافت کیا ابو بکرؓ ہیں؟ اُس کا بھی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت عمرؓ کا نام لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش بھی آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو ہی مسلمانوں کا لیدر تسلیم کرتے تھے۔

مسلمانوں کو جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں۔ تو ان کا حوصلہ بندھا اور انہوں نے اپنی مشترکاتوں کو سمیٹ کر پھر اس جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی کہ بہادران قریش کے چھکے چھڑا دیئے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اُن حضرتؐ نے دریافت کیا ان کا تعاقب کون کرے گا۔ ”شر صحابہ نے اپنے نام پیش کئے۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زبیرؓ کے ناموں کی تصریح کی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرتؐ نے جو جنگیں کی ہیں ارباب سیر کی اصطلاح میں وہ دو قسم کی ہیں ایک کو غزوہ کہتے ہیں اور دوسری کا نام سریہ ہے عام طور پر ان میں فرق یہ ہے کہ غزوہ اسے کہتے ہیں جس میں آنحضرتؐ نے بذاتِ خود شرکت فرمائی ہو اور سریہ جس کے معنی ٹولی یا گروہ کے ہیں۔ اسے کہتے ہیں جس میں آپؐ بنفس نفیس شریک نہ ہوئے ہوں۔

حضرت ابو بکرؓ چونکہ آنحضرتؐ کے دست راست اور مشیر خاص تھے اس بنا پر آپؐ عموماً سرایا کی مہم پر نہیں بھیجے جاتے تھے اور مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس رہ کر ہی ان کا بندوبست اور انتظام کرتے تھے چنانچہ حضرت حذیفہؓ

سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”میں چاہتا ہوں کہ اطراف و اکناف میں لوگوں کے فرائض و سنن کی تعلیم دینے کی غرض سے اپنے آدمی بھیجوں جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کو بھیجا کرتے تھے کسی نے عرض کیا ”آپ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو کیوں نہیں بھیجتے۔ ارشاد ہوا ”میں ان دونوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یہ دین کے کان اور آنکھیں ہیں۔

غزوہ خندق | یہود مدینہ کا ایک قافلہ بنو نضیر جو مدینہ سے نکل کر خیرا گیا تھا اس کے رؤساء قریش بنو غطفان بنو سلیم اور بنو اشد وغیرہ قبائل میں گھوم پھر کر اسلام کے خلاف ایک عظیم جنگ پر ان کو آمادہ کر دیا اور دس ہزار کا ایک لشکر حبار مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکل کر خندق کھودی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ واقعہ ماہ ذوالقعدہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی ایک دستہ فوج کی کمان حضرت ابو بکرؓ کے سپرد تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جس مقام پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دستہ کو لے کر پڑاؤ ڈالا تھا وہاں مسجد صدیق کے نام سے اب تک ایک مسجد ہے جو اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

غزوہ بنی مطلق | اسی سنہ میں غزوہ بنی مطلق جس کو غزوہ المرسیع بھی کہتے ہیں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حارث بن فزار جو بنو مطلق کا سردار تھا۔ اُس نے اپنے قبیلہ میں گھوم پھر کر آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ کرنے کا بڑا شدید جذبہ پیدا کر دیا تھا اور اپنے ساتھ جو عرب اس کو مل سکتے تھے ان کو بھی ملا لیا تھا آنحضرتؐ کو ان حالات کا علم ہوا تو بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو تفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔

بریدہ خود حارث سے ملے اور گفتگو کی اور حارث جنگ کی جو تیاریاں کر رہا تھا اس کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ یہ سن کر مسلمانوں کا ایک لشکر اپنے ساتھ

لے کر روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکر اس غزوہ میں بھی آپ کے ہمراہ تھے اور مہاجرین کا علم آپ کے ہی ہاتھ میں تھا۔ مقام مرسیع پہونچ کر جنگ ہوئی۔ کچھ دیر تک دونوں جانب سے تیر اندازی ہوتی رہی آخر آنحضرتؐ کے حکم سے مسلمانوں نے اپنی تمام طاقت بکجا جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر وہ واقعہ پیش آیا جو حدیث افک کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ البتہ اس واقعہ کی یہ خصوصیت لائق ذکر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (الایہ) تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پتہ لگائی فرما کر ان لوگوں کی پردہ دری کی ہے جو خود یا بالواسطہ اس واقعہ میں ملوث ہو گئے تھے اور جیسا کہ خود اس آیت میں ہے یہ شر غالباً اسی لیے پیدا کیا گیا تھا کہ اس بہانہ سے کتاب الہی کو جگر گوشہ حضرت ابو بکر صدیق کی عصمت و عفت پر ہر تصدیق ثبت کرنے کا موقع میسر آجائے و کفی بہ فحراً۔

اس کے علاوہ حدیث افک میں جو لوگ ملوث تھے ان میں ایک شخص مسطح بن اثاثہ بھی تھا حضرت ابو بکر اس شخص کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب یہ افک کا واقعہ پیش آیا تو اپنے اس کی امداد سے دست کشی اختیار کر لی۔ پروردگار عالم کو صدیق اکبر کی ادائ پسند نہیں آئی اور وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ فَرَاكَرُ الْوَسْطِيِّ كَيْفَ لَا يَأْتِلُ مِنْكُمْ (سورہ بقرہ) حضرت ابو بکر کو بڑی مذمت ہوئی اور اپنے مسطح کی مالی سرپرستی پھر شروع کر دی۔

نزد آیت تیمم کے متعلق ایک اہم بحث اس موقع پر تبیین کر دینا ضروری ہے کہ حدیث افک میں جس طرح حضرت عائشہ کے بارے گم ہونے اور اسکی تلاش کا تذکرہ ہے ٹھیک اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو کو امام بخاری نے اولاً کتاب التیمم میں اور پھر باب مناقب

المہاجرین و فضائلہم میں روایت کیا ہے یہ واقعہ خود حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے ہوئے تھے جب ہم مقام بیدلہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے (یا ذات الجحیش) یہ بھی ایک مقام کا نام ہے) میں پہونچے تو میرا بارگم ہو گیا۔ اس کو تلاش کرنے کے لیے رسول اللہؐ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی وہاں ٹھہر گئے اس جگہ پانی نہیں نہیں تھا اور نہ ہمارے قافلے میں کسی کے پاس تھا اس بنا پر ابو بکر آئے اور اس وقت رسول اللہؐ اپنا سر میری ران میں رکھے ہوئے سو رہے تھے ابو بکر نے آتے ہی مجھ سے کہا کہ تو نے رسول اللہؐ کو اور لوگوں کو ایسے مقام پر رکوا دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ابو بکر غصہ میں بھرے ہوئے تھے ایسے جو ان کی زبان پر آیا مجھے کہتے رہے اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے میری مکر پر کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے رسول اللہؐ کی نیند کے اچٹ جانے کے ڈر سے ذرا حرکت نہیں کی اور چپ چاپ بیٹھی رہی آخر صبح کے وقت جب رسول اللہؐ بیدار ہوئے اور پانی نہیں ملا تو تیمم کی آیت نازل ہوئی اور سب لوگوں نے تیمم کیا پس پیر اُسید بن الحفیر نے کہا اے آل ابی بکر یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے حضرت فرماتی ہیں کہ اب ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار ہوئی تھی تو دیکھا کہ ہمارے ہی نیچے پڑا ہوا تھا لے

حافظ ابن حجر نے ابن سعد ابن حبان اور ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی ہیں اور تیمم کا حکم غزوہ بنی مصطلق میں نازل ہوا تھا۔ یہ حال تو محدثین کا ہے لے ان کے علاوہ یاقوت حموی نے بھی ذات الجحیش کے جغرافیہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہوتے ہوئے آنحضرتؐ نے صحابہ کے ساتھ حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کی تلاش میں قیام فرمایا تھا اور یہیں آیت تیمم نازل ہوئی تھی لے

لیکن اگر دونوں واقعوں کو ایک مان لیا جائے تو بڑا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہار تلاش کرنے کیلئے حضرت عائشہ تنہا رہ گئی تھیں اور پورا قافلہ بہت آگے چلا گیا تھا چنانچہ اسی وجہ سے بدزبانوں کو ہمت طرانی کا بہانہ ملا۔ اسکے برخلاف آیت تیمم والے واقعہ کی روئداد سے ثابت ہوتا ہے کہ ہار کی تلاش کیلئے حضرت عائشہ تنہا نہیں رہی تھیں بلکہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی اسی مقام پر فروکش ہو گئے تھے اور اسکے علاوہ غزوہ بنی مصطلق کے واقعہ میں کسی بے آب مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور تیمم والی آیت میں ایسے مقام کا تذکرہ موجود ہے جہاں پانی دور دور تک نہیں تھا۔ پس اگر دونوں واقعے ایک ہی تھے تو پھر روایتوں کے اس اختلاف کو رفع کرنے کی صورت کیا ہوگی۔ اسکے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ طبری کے تالیف افک کا ذکر مفصل ملتا ہے لیکن اسکے ضمن میں آیت تیمم کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ پھر صحیحین کی روایات سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ تیمم کا حکم غزوہ المرسیع میں نازل ہوا۔

اس سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دراصل حضرت عائشہ کے ہار گم ہونیکا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے اور مذکورہ بالا دونوں واقعات ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں جو مختلف اوقات میں پیش آئے۔ اسکی تائید آیت تیمم والے واقعہ میں حضرت اسید بن الحفیر کے اس فقرہ سے بھی ہوتی ہے کہ ”لے آل ابی بکر تہلہ ہی پہلی ہی برکت نہیں ہے کہ تہلہ ی شان میں یا تہلہ ی وجہ سے قرآن کا کوئی حکم نازل ہوا“ علاوہ انہی حافظ ابن قیم نے معجم طرانی کے حوالہ سے خود عائشہ کی جو ایک روایت نقل کی ہے اس سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ روایت یہ ہے۔

عن عائشہ قالت ولما کان من امر عقدی ما کان قال اهل الافک ما قالوا فخرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ اخوای فسقط الیمنی
حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ پہلے میرے ہار کا جو معاملہ ہوا اور اس پر اہل افک نے جو کچھ کہا وہ تو کہا ہی تھا ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ میں ایک اور غزوہ میں آنحضرت کے

عقدی حتی حبس التماسۃ الناس ولقیت من ابی بکر ما شئو وقال یا بنیۃ فی کل سفیر تکونین عناء و بلاء و لیس مع الناس ماء فانزل اللہ البخرۃ فی التیمم لہ
ہمارہ گئی اور اس سفر میں بھی میرا ہار گر پڑا جس کو تلاش کرنے کی وجہ سے لوگوں کو بھر کنا پڑا۔ اور اس وجہ سے ابوبکر کے جی میں کچھ آیا میں اس سے دوچار ہوئی اور ابوبکر نے کہا۔

اس روایت میں حضرت ابوبکر کا بکڑ کر حضرت عائشہ سے یہ فرمانا کہ بیٹی! تم ہر سفر میں مصیبت بن جاتی ہو۔ اس بات کا کھلا قرینہ ہے کہ یہ سفر جس میں آیت تیمم کا نزول ہوا غزوہ بنی مصطلق جس میں واقعہ افک پیش آیا اسکے علاوہ ہے چنانچہ علامہ ابن قیم معجم طرانی کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وہذا يدل علی ان قصۃ العقد التي نزل التیمم لاجلہا بعد هذه الغزوۃ و هو الظاهر ولكن فیہا كانت قصۃ الافک بسبب فقد العقد و التماسۃ فالتیس علی بعضهم احد القصصین بالآخری لہ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہار کا واقعہ جسکی وجہ سے تیمم کا حکم نازل ہوا اس غزوہ (بنی مصطلق) کے بعد پیش آیا ہے اور یہی ظاہر ہے لیکن چونکہ اس غزوہ میں ہار کی گم شدگی اور اسکی تلاش کی وجہ سے افک کا واقعہ پیش آیا تھا ایسے بعض کے نزدیک دونوں واقعے غلط طور پر

حافظ ابن حجر۔ ابن سعد۔ ابن حبان اور ابن عبد البر کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ”ہمارے بعض شیوخ نے اس کو مستبعد جانا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی ہوں کیوں کہ مرسیع قدیر اور ساحل کے درمیان مکہ کے نواح میں ہے اور یہ واقعہ خیبر کے اطراف میں پیش آیا ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں پیدا یا ذات الجیش کا ذکر ہے اور یہ دونوں مقامات جیسا کہ امام نووی نے یقین کیا تھا لکھا ہے مدینہ اور خیبر کے درمیان میں واقع ہے۔“

پھر اس بحث کے آخر میں امام بخاری کے متعلق بھی یہی لکھتے ہیں کہ ان کا رجحان بھی تعدد واقعہ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

لیکن تعجب ہے کہ ان سب وجوہ کے باوجود حافظ ابن حجر کی اپنی رائے اسکے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

وما تقدم من اتحاد القصة فهو اظهر^۱ اور قصہ کے ایک ہونا جو تذکرہ اور ہر سہارہ زیادہ ظاہر
صلح حدیبیہ^۲ صلح حدیبیہ کا جو واقعہ ماہ ذی قعدہ ۳؎ میں پیش آیا۔ اسلام کی تاریخ کا نہایت اہم اور عظیم الشان واقعہ ہے جس پر آگے چل کر بڑے دور رس نتائج مرتب ہوئے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کو فتح مبین (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا) فرمایا گیا ہے اس بنا پر یہ کیونکر ممکن تھا کہ صدیق اکبر اس میں شریک نہ ہوتے۔

اصل میں یہ ہے کہ آنحضرتؐ چودہ سو اور بروایت دیگر پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عہدہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ مقام ذوالخلفہ میں پہونچ کر جہاں مدینہ کا مہیقا یعنی احرام باندھنے کی جگہ ہے۔ اپنے احرام باندھا۔ اور ایک خزاہی شخص کو جاسوسی کی غرض سے پہلے سے روانہ کر دیا۔ غدیر الاشطاظ جو حدیبیہ کے سامنے ہے۔ آپ وہاں پہنچے ہی تھے کہ جاسوس مل گیا۔ اس نے بتایا کہ قریش آپ کو دیارت بیت اللہ نہیں کرنے دیں گے اور انہوں نے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے۔ آنحضرتؐ نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! آپ تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلے ہیں آپ نہ کسی کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ بیت اللہ کا رخ کیجیے۔ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ہم کو روکا اور مزاحم ہوا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔" آپ حضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا "توبسم اللہ چلو" ۳؎

۱۔ فتح الباری ج ۱ ص ۳۹۹ ۲۔ مکہ معظمہ سے بیس کیلومیٹر کی مسافت پر ایک کنواں ہے جس کا نام حدیبیہ ہے۔ چونکہ صلح نامہ نہیں لکھا گیا تھا اس لیے اس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں ۳۔ صحیح بخاری ج ۲ باب غزوہ الہند

اب آنحضرتؐ روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں فروکش ہو کر مکہ بن ورتقاہ الخزاہی کی معرفت قریش کو کہلا بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ مصالحت کر لو۔ ورنہ خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک لڑو گا جب تک کہ میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے۔

مسئل جنگوں اور ان میں پیہم شکستوں کے باعث قریش کے دم خم پہلے ہی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کچھ حصے بیس کے بعد انہوں نے منظور کر لیا اور مصالحت کی گفتگو کرنے کیلئے عروہ بن مسعود کو جو قریش کا تجربہ کار اور نہایت چالاک شخص تھا اپنا نمائندہ بنا کر روانہ کیا۔ آنحضرتؐ نے عروہ سے بھی وہی فرمایا جو مکہ بن ورتقاہ کے ذریعہ پہلے کہلا بھیجا تھا عروہ بولا "اے محمد (صلعم) اگر آپ نے جنگ کی اور قریش کا خاتمہ کر دیا تو آپ نے کیا اپنے سے پہلے بھی کسی ایسے شخص کا نام سنا ہے جس نے خود اپنی قوم کا قلع قمع کر دیا ہو۔ اگر جنگ کا نتیجہ دوسرا ہو (یعنی آپ کو شکست ہوئی) تو میں آپ کے ساتھیوں میں ایسے ملے جلے آدمی دیکھتا ہوں جو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہونگے۔ حضرت ابو بکرؓ بڑے حلیم اور بردبار تھے۔ لیکن عروہ کی زبان سے یہ سن کر برہم ہو گئے اور بولے "بد معاش! کیا ہم لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ عروہ نے یہ تہور دیکھ کر پوچھا "یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ابو بکر! اب عروہ نے حضرت ابو بکرؓ سے مخاطب ہو کر کہا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تمہارا بھج پچا حمان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں اب تک نہیں چکا سکا ہوں تو میں تم کو جواب دیتا" ۱؎ آخر معاہدہ کی بات چیت شروع ہوئی۔ اور جب عہد نامہ لکھا جانے لگا تو اسکی بعض دفعات جو قریش کی طرف سے پیش کی گئی تھیں مسلمانوں کے لیے بڑی ہی صبر آزما تھیں چنانچہ فاروق اعظمؓ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے شدت جذبات میں ایسے لب و لہجہ میں گفتگو کی جس کا ملال آخر دم تک ان کے دل سے نہیں نکلا۔

۱۔ صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب ج ۱ ص ۲۸

اسی حالت میں وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور بولے کہ بھلا قریش سے دس کروڑ کیوں کر ہو سکتی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے جواب دیا کہ رسول اللہؐ اچھو کچھ کرتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یقیناً اسی میں بھلائی ہوگی اللہ انکو کبھی ہلاک نہ کرے گا۔ اس کے بعد آیت فتح نازل ہوئی اور حضرت عمر کو بھی تسکین و طمانیت ہو گئی۔

غزوہ خیبر ۸ھ کے اواخر یا شمسہ کے شروع میں غزوہ خیبر کا اہم معرکہ پیش آیا۔ خیبر عرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جو متعدد مضبوط قلعوں پر مشتمل تھا۔ ایک قلعہ جس کا نام قموص تھا عرب کے مشہور پہلوان مرحب کے زیر سرکردگی تھا۔ آنحضرتؐ نے جب مختلف قلعوں کی فتح کرنے کی غرض سے متعدد دستے متعین کیے۔ اور ہر دستہ کا جدا جدا ایک امیر مقرر کیا تو قلعہ قموص کی سرانجام دہی حضرت ابوبکر کے سپرد ہوئی لیکن اس کو فتح کرنے کی سعادت حضرت شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے مقدر ہو چکی تھی اس لئے اولاً حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر دونوں اس مہم میں کامیاب نہ ہو سکے۔

فتح مکہ ۸ھ میں فتح مکہ کی مہم پیش آئی یہ اسلامی تاریخ کا نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کے بعد جب ابوسفیان قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے مدینہ منورہ آیا اور تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی تو اس معاملہ میں اس نے پہلے ابوبکر کو اپنا سفارشی بنا لیا لیکن جب انہوں نے صفائے انکار کر دیا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر وہ حضرت عمر کے پاس گیا بہر حال معاہدہ کی تجدید نہیں ہو سکی اور آنحضرتؐ نے دس ہزار جانتاروں کے ساتھ قریش پر چڑھائی کر کے مکہ فتح کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ میں داخل ہو کر عورتوں کو دیکھا کہ دیپٹوں سے گھوڑوں کے منہ پر ٹھانچے مار رہی ہیں تو آپ نے حضرت ابوبکر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور پوچھا ”ابوبکر تم کو حسان بن ثابت کے وہ شعر یاد ہیں جنہیں انہوں نے اس منظر کو ذکر کیا ہے؟“ حضرت ابوبکر کو یہ شعر یاد تھے فوراً پڑھ کر سنا دیئے۔

غزوہ حنین حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ عرب کا مشہور بازار ذوالحجاز اسی کے پاس لگتا ہے۔

مکہ مکرمہ کی فتح اور قریش کے مغلوب ہونے کے باعث دوسرے قبائل کا بھی زور ٹوٹ گیا اور انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف یہ دو قبیلے جو فزون سپہ گری و جنگ جہوئی کے میدان کے شہ سوار تھے۔ اسلام کی عداوت میں اور سخت ہو گئے اور انہوں نے بڑے زور سے دوبارہ حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ آل حضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی اور بعد میں اپنا جاسوس بھیج کر آپؐ نے اس کی تصدیق بھی کر لی تو صحابہ کرام کو اطلاع ہوئی جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ ماہ شول ۸ھ میں یعنی فتح مکہ کے فوراً بعد ہی اسلامی فوج نے جس کی تعداد بارہ ہزار تھی حنین کی طرف پیش قدمی کی۔ جنگ شروع ہوئی تو پہلے معرکہ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ لیکن وہ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہوازن جو نامور قدر انداز تھے انہوں نے تیس ہزار سائے شروع کر دیئے لے جس سے اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور آنحضرتؐ چند جانتاروں کے ساتھ تنہا رہ گئے۔ ان میں سے طبری نے بتصریح جہنم کا نام لیا ہے۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام سرفہرست ہے۔

آخر کار آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر انصار اور مہاجرین جو منتشر ہو گئے تھے پھر جمع ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے جم کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں الٹ گئیں اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اب مال غنیمت جمع ہونا شروع ہوا تو آنحضرتؐ نے اعلان کیا کہ **مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ** (جو شخص کسی کا قاتل ہوگا۔ مقتول کا سامان (اسلحہ وغیرہ جو جنگ کے وقت اس کے ساتھ تھیں) اسی کو ملے گا۔ حضرت ابوقحافہ نے ایک مشرک کو جو بڑا بہادر اور طاقت ور تھا قتل کیا۔ اب شہادت کی ضرورت ہوئی لیکن کوئی شاہد نہیں ملا تو انہوں نے اصل واقعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ ایک شخص بولا ”ہاں“

یہ اقتادہ آج کہتے ہیں اور جس شخص کو انہوں نے قتل کیا ہے اس کا متروکہ (سلب) میرے پاس ہے۔ اب یہ آپ مجھ کو ہی دیدیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ پاس ہی بیٹھے تھے۔ یہ سن کر بولے "نہیں قسم اللہ کی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ قریش کے ایک بھوکو ایسے بزدل آدمی کو جس نے جنگ میں حصہ نہیں لیا ہے (مقتول کا سامان دیدیں اور اللہ کے اس شیر کو زندہ دیں جس نے اللہ اور رسولؐ کی خاطر جنگ کی ہے)۔ (اور اس شخص کو قتل کیا ہے) آنحضرتؐ نے فرمایا "ابو بکر سیح کہتے ہیں" چنانچہ وہ سامان ابو قتادہ کو ہی دیدیا گیا۔ غزوہ طائف حنین کی شکست غزوہ فوج طائف میں جو ایک نہایت محفوظ مقام تھا۔ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ حنین کے اموال غنیمت وغیرہ کو مقام جعرانہ میں چھوڑ کر طائف کیلئے روانہ ہوئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اہل قلعہ بڑے سادہ و سمان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے قلعہ سے اس زور کی تیرباری کی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور قلعہ سر نہ ہو سکا۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نے مجھ کو ایک ببالہ پیالہ نذر کیا ہے لیکن ایک مرغ نے اس میں ٹھونگ مار دی اور جو کچھ پیالہ میں تھا گر پڑا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا "اس خواب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس محاصرہ میں کامیابی نہیں ہوگی، ارشاد ہوا ہاں! میں بھی یہی سمجھتا ہوں لہٰذا چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

اسی محاصرہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ ایسے زخمی ہوئے کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی دنوں میں یہی زخم ان کی موت کا سبب ہوا۔

غزوہ موتہ | موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے قریب ہے۔ یہاں کی لے صبح بخاری باب غزوہ حنین لے طبری ج ۲ ص ۲۵۵ مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرہ ۱۳۳۹ھ کتاب میں غلط ہے آنحضرتؐ کا جواب دانا لاری ذالک چھپ گیا ہے جس کے معنی "میں ایسا نہیں سمجھتا" میں حالانکہ درحقیقت یہ لاری نہیں بلکہ لاری ہے جس کے معنی تاکید کے ساتھ اثبات کے ہیں چنانچہ سیاق سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اسکو اس طرح پر حلیہ دیکھو از الہ الخفا ج ۲ ص ۱۶ لے اصابتہ لکھ کر عبداللہ ابن ابی بکر صدیقؓ

تلوار میں مشہور ہیں بلقاء کا رئیس ایک عرب شرجیل بن عمرو تھا جو مذہباً عیسائی اور قیصر روم (ہرقل) کے ماتحت تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کے ایک نامہ بر حضرت حارث بن عمر کو قتل کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے قصاص لینے کے لئے ایک فوج روانہ کی جس میں اکابر مہاجرین و انصار شامل تھے لیکن اس لشکر کا امیر آپنے حضرت زید بن حارثہؓ کو نامزد کیا جو آزاد کردہ غلام تھے۔ بعض لوگوں نے اس پر شکستہ چینی کی۔ آنحضرتؐ نے یہ سننا تو سخت ناگوار نہیں ہوئے۔ انہیں اکابر مہاجرین میں حضرت ابو بکرؓ بھی تھے لیکن کیا مجال کہ انکے تیور پر ایک شکن بھی پڑی ہو بلکہ اطاعت و انقیاد کا یہ عالم تھا جیسا کہ اپنے موقع پر بیان ہوگا کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ نے پہلا کام یہی کیا کہ حضرت زید کے صاحبزادہ حضرت اسامہؓ کو جو غلام زادہ بھی تھے اور کم عمر بھی۔ امیر لشکر بنا کر شام کی مہم پر روانہ کیا اسلام کی مسادات کا یہ بھی ایک عجیب روح پرور مظاہر ہے کہ حضرت سلیم بن الاکوع نے ایک مرتبہ فرمایا۔ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی ہے علاوہ ان کے نواد مہموں میں شریک ہوا ہوں۔ ان میں ہمارا امیر لشکر بھی حضرت ابو بکرؓ ہوتے تھے اور کبھی حضرت اسامہؓ لے یہ غزوہ موتہ بھی ۸ھ میں ہوا تھا لیکن فتح مکہ حنین اور طائف سے پہلے۔ لیکن چونکہ اس غزوہ کا رشتہ غزوہ تبوک سے ملتا ہے جو ۹ھ میں ہوا تھا اس بنا پر ہم نے اس کا ذکر مؤخر کر دیا ہے۔

غزوہ ذات السلاسل | ذات السلاسل شام کا ایک علاقہ ہے جہاں قبیلہ قضاعہ کے لوگ رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے عمرو بن کعب الغفاری کی زیر سرکردگی پندرہ آدمیوں کا ایک دستہ ان لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا تھا انہوں نے سب لوگوں کو قتل کر دیا تھا عمرو بن کعب سلامت بچے۔ اور مدینہ پہنچ سکے۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی سرزنش کیلئے ماہ جمادی الآخر ۸ھ میں تین سو ۳ صحابہ کی ایک جماعت حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہدایت میں روانہ کی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ تین سو آدمی کم ہیں تو آپ نے دوسرے مہاجرین و انصار کا ایک دستہ

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ اس دستہ میں حضرت ابو بکر بھی شامل تھے (طبری ج ۲ ص ۳۱۵)

غزوہ تبوک | غزوہ موتہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے محبوب ترین غلام حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر طیارؓ جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے سگے بھائی اور آنحضرتؐ کے محبوب تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو مشہور انصاری تھے یہ سب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر واپس آیا ہے تو مدینہ منورہ پورا ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اس بنا پر عرب اور شام کی درمیانی سرحد پر جو عرب قبائل آباد تھے اور جو عیسائی ہونے کے ساتھ قیصر روم کے زیر اثر تھے انکا حوصلہ بڑھا اور قیصر روم نے مزید حوصلہ افزائی کر کے ان میں اور جرات پیدا کر دی۔ آنحضرتؐ کو یہ الملائعایت پہنچیں تو آپؐ نے ایک فوج گراں ترتیب دی اور ماہ رجب ۹ھ میں اسکو خود لیکر تبوک پہنچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان مدینہ سے چودہ منزل کی مسافت پر ایک مشہور مقام ہے۔

اکابر مہاجرین و انصار کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اس غزوہ میں شریک تھے لیکن آپؓ کی شرکت کا نمایاں اور امتیازی وصف یہ تھا کہ چونکہ یہ سال خشک سالی اور عام مالی تنگدستی و زبوں حالی کا تھا۔ جس کی وجہ سے جیسا کہ فتح الباری میں ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اس لشکر کو حبش العسرة اور ابن عقیل اس کو غزوۃ العسرة کہتے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے صحابہ کرام سے چندہ کی پُر زور اپیل کی۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان غنیؓ نے اس فیاضی سے کام لیا کہ سب سے آگے نکل گئے لے لیکن اس کے باوجود جو شرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حاصل ہوا وہ کسی کو نہ ہوسکا حضرت عمر بن الخطابؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ لے تاربخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۱۰۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ اس لشکر جبار کی تیاری اور اس کے ساز و سامان پر جتنا خرچ ہوا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کا ایک تھائی خرچ اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس کے بعد کوئی ضرورت لشکر کی ایسی نہیں تھی جو پوری نہ ہو گئی ہو۔ آنحضرتؐ نے فرط مسرت میں ارشاد فرمایا کہ اب اس کے بعد عثمان جو بھی کریں ان کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ ما یضر عثمان ما فعل بعد۔

نے جب چندہ کی اپیل کی تو اس وقت میرے پاس کافی مال تھا میں اس کا نصف لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں کسی دن ابو بکر پر بازی لیجاسکتا ہوں تو وہ دن آج کا ہی ہے لیکن جب ابو بکر آئے تو جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اٹھالاکھ حضورؐ نے پوچھا "ابو بکر! تم نے اپنے گھروالوں کے لیے کیا چھوڑا؟" انہوں نے عرض کیا "بس! میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں حضرت ابو بکرؓ سے کبھی سبقت نہیں لے جاسکتا لے ابن عساکر نے حضرت ابو بکرؓ کے اس چندہ کی مقدار چار ہزار درہم بتائی ہے لے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت ابو بکرؓ کی شرکت کی مندرجہ ذیل خصوصیات بھی ہیں۔

۱۔ اسلامی فوج کا جائزہ لینے اور اس کی امانت کی خدمت آپؐ کے سپرد تھی۔
۲۔ اثناء سفر میں آنحضرتؐ نے چند لوگوں کے ساتھ ایک جگہ شب باقی کی اور لشکر سے دور ہو گئے اس حالت میں زبان مبارک سے ارشاد فرمایا "اگر لشکر صدیق اور فاروق کی پیروی کریگا تو راہ یاب ہوگا۔

۳۔ آخر جب مسلم و قصہ آں طوے وارد لے
سریر بنو فزارة جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں عام طور پر سراپا جو بھیجے جاتے تھے۔
حضرت ابو بکر صدیقؓ ان میں شریک نہیں ہوتے تھے اور آنحضرتؐ کے پاس ہی مدینہ میں قیام فرماتے تھے۔ لیکن یہ کلیہ نہیں ہے بعض سراپا جو کسی حیثیت سے اہم ہوتے تھے۔
حضرت ابو بکرؓ کی سرکردگی میں جاتے تھے۔ چنانچہ ۳۷ھ میں بنو فزارة قبیلہ کی طرف جو سریر گیا تھا عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت بنو حارثہ کی امارت میں گیا تھا لیکن سلمہ بن الاکوع سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس کے امیر تھے اور کامیاب واپس آئے تھے۔ قیدیوں میں فزارة قبیلہ کی ایک عورت بھی تھی جو بہت

لے جامع ترمذی باب مناقب ابی بکر صدیقؓ و ابو داؤد و کتاب الزکوٰۃ

لے تاریخ ابن عساکر جلد اول ص ۱۱۰ لے ادالۃ الحنفی مقصد دوم ص ۱۴، ۱۵

مخبر بصرہ تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو سلمہ بن الاکوع کو دے دیا تھا لیکن مدینہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے اس عورت کو سلمہ سے مانگ لیا تھا۔ اور جو مسلمان مکہ میں قیدی تھے انکے فدیہ میں ان کو مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ بنو فزارہ نہایت سرکش تھے اس سے پہلے حضرت زید بن حارثہ اور انکے ساتھیوں کے ساتھ نہایت برا معاملہ کر چکے تھے۔ یہ سر یہ ان کی سرکوبی کرنے کے لیے لگایا تھا لہ

اسی سال شعبان کے مہینہ میں بنو کلاب کی سرزنش کیلئے ایک سر یہ بھیجا گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کے بھی امیر تھے۔ لہ

امارت حج اکہ مکرمہ ۸ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ اس کے بعد ہی غزوہ حنین و طائف کی ہم پیش آگئی تھی اس بنا پر اس سال حج خالص اسلامی طریقہ پر ادا نہیں ہو سکا تھا ۹ھ میں سب سے پہلا موقع تھا کہ کعبۃ اللہ کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے بالکل پاک و صاف کر دیا جائے اور ارکان حج سنت ابراہیمیؑ کے مطابق ادا ہوں چنانچہ اس سال ذی قعدہ کے آخر یا ذی الحجہ کے اوائل میں آنحضرتؐ نے تین سو (۳۰۰) مسلمانوں کا ایک کارواں حج کیلئے روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ اس کے امیر کارواں یا امیر الحج تھے۔ کارواں کے ساتھ بیس اونٹ اور خود حضرت ابوبکرؓ کے اپنے پانچ اونٹ بھی قربانی کے لئے ساتھ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ ابھی مقام عرج تک پہنچے تھے کہ انہیں پیچھے سے آنحضرتؐ کی ناقہ جد عا کے ببلانے کی آواز آئی۔ کان تو اس مرکوب حبیب کی آواز سے آشنا تھے ہی فوراً پہچان گئے۔ مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؓ ناقہ پر سوار چلے آ رہے ہیں حضرت ابوبکرؓ کو خیال گذر کہ شاید مدینہ منورہ سے ان کی روانگی کے بعد کوئی وحشی آئی ہو اور اسکی وجہ سے آنحضرتؐ نے امارت حج سے متعلق اپنا پہلا فیصلہ بدل دیا ہو۔ اسلئے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا قاصد بن کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ قاصد ہو کر سورہ برات کی چالیس آیتیں میں جن کے ساتھ

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۸ و ص ۲۸۹ باب التفعیل و فداء المسکین بالاساری لہ نہ قانی ج ۲ ص ۲۸۸

آنحضرتؐ نے مجھ کو بھیجا ہے تاکہ میں حج کے موقع پر ان کا اعلان کر دوں۔ لہ اب سب لوگ روانہ ہوئے۔ حج کا زمانہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) تینوں دن امیر حج کی حیثیت سے خطبہ پڑھا اور حضرت علیؓ نے سورہ براتہ کی آیتوں کا اعلان عام کیا۔ منادی کر نیوالوں میں حضرت ابوبکرؓ یہ بھی تھے۔ جو اس زور سے منادی کرتے پھرتے تھے کہ کلا بیٹھ بیٹھ جاتا تھا۔ اعلان عام کے الفاظ یہ تھے۔

اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی برہمن ہو کر طواف کرے گا حجۃ الوداع نبوی ماہ ذی قعدہ ۸ھ میں آنحضرتؐ حج کیلئے تشریف لے گئے جس کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اس سفر میں ہمراہ تھے اور خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرتؐ کا سامان سفر حضرت ابوبکرؓ کی اونٹنی پر ہی بار تھا۔ حضرت اسماءؓ اس سفر کا تذکرہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ ہم سب آنحضرتؐ کے ساتھ حج کرنے جا رہے تھے اور ایک ہی اونٹ تھا جس پر حضورؐ اور ہم سب کا سامان لدا ہوا تھا۔ مقام عرج میں پہنچے تو حضورؐ سواری سے اتر کر بیٹھ گئے حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں اور میں اپنے والد کے پہلو میں تھی جس اونٹ پر سامان بار تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے ایک ملازم کی تحویل میں تھا۔ کافی انتظار کے بعد جب یہ ملازم منزل پر پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا "اونٹ کیا ہوا" وہ بولا۔

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۳ پر ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مقام ذوالحلیفہ سے خود واپس ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا میرے متعلق کوئی وحشی آئی ہے۔ ارشاد ہوا کہ نہیں لیکن جس چیز (سورہ براتہ کی وہ ابتدائی آیات جن میں فرمایا گیا ہے کہ جن مشرکوں کے ساتھ معاہدہ ہے اور انہوں نے نقص عہد بھی نہیں کیا ہے) کو چار مہینے کی مہلت دیجاتی ہے اسکے بعد انکو مکہ میں رہنے اور طواف کر نیکی اجازت نہیں دی جائیگی (کی تبلیغ ضروری ہو تو یا تو میں خود اسکی تبلیغ کر دے گا یا میرا ہی کوئی اپنا کر لے گا۔ اسے ابوبکرؓ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو۔ درالحالیکہ تم میرے رفیق غار ہو اور حوض کے پیرے ساتھی ہو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا لیکن ہنسنا بار سوا اللہ! انکے لئے حضرت ابوبکرؓ کی نفی ہو چکی تھی۔

گذشتہ شب میں گم ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”ایک ہی اونٹ تھا وہ بھی تو نے گم کر دیا۔“ اور یہ کہہ کر اسے مارنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ یہ دیکھ کر مسکراتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ ذرا اُس محرم (جمع کا احرام باندھنے والا) کو تو دیکھو کیا کر رہا ہے! آنحضرتؐ نے صرف اسی قدر فرمایا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کو مارنے سے منع نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرب شدید نہیں تھی اور حضرت ابو بکرؓ نے یوں ہی معمولی طریقہ پر دو چار طمانچے لگا دیئے ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ

تکمیل فرض کا اعلان | حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ نے ایک نہایت عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلامی دستور حیات کے نہایت اہم اصولوں پر روشنی ڈالی تھی اور انہیں سختی سے عمل پیرا ہونے کی تاکید کی تھی یہ گویا نبوت کے فرض کی تکمیل کا اعلان تھا۔ چنانچہ خطبہ کے آخر میں آپؐ نے دریافت فرمایا۔

”کیا میں نے خدا کے احکام تم تک پہنچا دیئے ہیں؟“ سب نے یک زبان ہو کر ”کیا بیشک“ آپؐ نے فرمایا۔ ”اللَّهُمَّ اشْهَدْ“ اے اللہ تو گواہ رہ اے اسی دن عرفات میں یہ آیت اُترتی تھی

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا (مائدہ) تمہارے دین کے اعتبار سے اسلام کو پسند کیا ہے

حضرت ابو بکرؓ کا اندیشہ | مدینہ طیبہ واپس آکر آنحضرتؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا ”اللہ نے ایک بندہ کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے۔ اس بندہ نے کا عند اللہ یعنی قرب خداوندی کو اختیار کر لیا۔“

حضرت ابوبکر یہ سنتے ہی رونے لگے۔ صحابہ کرام کو سخت حیرت ہوئی کہ اس میں رونے کی کیا بات تھی؟ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ جو کہ محرم امرار نبوت اور رمز شائیں کلام رسالت تھے اسے فوراً سمجھ گئے تھے کہ یہ بندہ خود آنحضرتؐ کی ذات مبارک ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی دنیا سے رحلت کا وقت قریب آپہونچا ہے۔

آغازِ مرض چنانچہ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی ایک دن آنحضرتؐ جنت البقیع سے تشریف لائے تو آپ کے سر میں شدید درد تھا۔ گھر میں داخل ہو کر حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ اتفاق سے وہ بھی در دسر کے مارے گراہ رہی ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی آپ ہر بیوی کے ہاں باری باری سے جلتے رہے۔ آخر حضرت میمونہؓ کی باری کے دن تکلیف زیادہ شدید ہو گئی تو ازواجِ مطہرات نے حضورؐ کا ایما پا کر آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی قیام فرمانے کی اجازت دیدی۔ لیکن اس وقت تک ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آپ یہاں تشریف لائے تو اس طرح کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ چلا جاتا نہیں تھا۔ اور دو شخص حضرت فضل بن عباس اور حضرت علیؓ آپ کو تھامے ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکر کو جب تک آمد و رفت کی طاقت رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے اہمیت صلوٰۃ کا حکم تشریف لاتے رہے۔ لیکن جب اس سے بھی معذوری ہو گئی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا "ابوبکر صدیق القلب ہیں۔ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو فرطِ گریہ سے ان کی آواز کسی کو سنائی نہ دے گی۔ اس لیے عمر کو حکم کیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ ساتھ ہی حضرت عائشہؓ کے کہنے پر حضرت حفصہؓ نے بھی اپنے والد حضرت عمرؓ کی سفارش کی لیکن آنحضرتؐ نے کوئی عذر قبول نہیں فرمایا اور پھر اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ ابوبکر سے ہی کہو نماز پڑھائیں اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے بگڑ کر فرمایا "تم انہیں عورتوں میں سے ہو جنہوں نے یوسف کو جک دیا تھا" حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے یہ سن کر کہا "بھلا مجھ کو تمہاری طرف سے کوئی خیر کیوں پہونچنے لگا؟"

لے بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ لے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۲ لے صحیح بخاری ج ۳ ص ۳

اس حکم کے مطابق حضرت ابوبکر تین دن تک نماز پڑھاتے رہے۔ آخر ایک دن آنحضرتؐ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ حجرہ سے باہر نکل کر خود تشریف لائے حضرت ابوبکر نماز شروع کر چکے تھے حضور کو دیکھ پیچھے ہٹنے لگے۔ آنحضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کی اور دوسرے نمازی حضرت ابوبکر کی اقتدار کر رہے تھے۔

ایک روز حسب معمول نماز پڑھانے کے لیے حضرت ابوبکر آگے بڑھ رہے تھے کہ دفعۃً حجرہ نبوی کا پردہ اٹھا اور حضورؐ پر نور کا رونے مبارک و انور ظاہر ہوا۔ شمعِ صلات کے پروانوں کی خوشی کی حد نہ رہی۔ حضرت ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے۔ حضورؐ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور انہوں نے نماز پڑھانی شروع کر دی حضورؐ باہر تشریف لانا چاہتے تھے لیکن ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ پھر واپس اندر چلے گئے اور پردہ گرا لیا۔ لے حافظہ عمادین ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ آخری نماز جو حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی نماز فجر تھی۔

وصالِ نبویؐ صحابہ کرام جن کے دل محبوب انس و جان کی شدید علالت کے باعث مرجھائے ہوئے تھے۔ رونے منور کی جھلک دیکھ کر خوشی سے شگفتہ ہو گئے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری جلوہ عام اور آفتاب لب بام تھا۔

حضرت ابوبکر نماز سے فارغ ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آئے۔ چونکہ حضورؐ قدرے افاقہ تھا اور درد کی شدت میں کمی محسوس ہوتی تھی اس لیے حضرت عائشہؓ سے اجازت لیکر مقامِ سنج چلے گئے جہاں ان کی بیوی حبیبہ بنت خاربہ رہتی تھیں

لے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے ابن سعد نے فضیل بن عمر و الفقہی

سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کی حیات میں تین مرتبہ نماز پڑھائی۔

لیکن اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن سعد خود ہی فرماتے ہیں کہ ان تین نمازوں سے وہ نمازیں

مراد ہیں جن میں آنحضرتؐ نے خود حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار کی تھی۔ درزیوں تو انہوں نے ستر مرتبہ نماز پڑھائی

(ابن سعد مذکور حضرت ابوبکرؓ) لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۲ لے البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۲

یہاں جب چاشت چڑھی تو سرور کائنات رحلت گزائے عالم جاودانی ہو کر رفیق
اعلیٰ سے جا ملے سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابو بکر کو اس حادثہ کا خبر پہنچی تو
فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ آئے۔ یہاں مسجد نبوی میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ آپ
نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ سیدھے گھر میں تشریف لائے جہاں آنحضرتؐ ایک یمنی
نقش و نگار کی چادر اوڑھے استراحت فرماتے تھے جس کا ہر کے قریب کھڑے ہو کر رخ
روشن سے چادر اٹھائی اس پر جھکے بوسہ دیا اور پھر آپ کو خطاب کر کے اس
طرح گویا ہوئے۔

بابی انت و احي طبت حيا وميتا
والذي نفسي بيده لا يذيقك
الله الموتين ابدا اما
الموت التي كتب الله
عليك فقد متها

میرے ماں اور باپ دونوں آپ پر فدا ہوں
آپ زندگی میں بھی پاک و صاف رہے اور
اب موت کے بعد بھی پاک و صاف ہیں۔
جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسکی قسم کہ
اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دیکازہ موت
جو اللہ نے آپ کیلئے مقدر کی تھی وہ تو آپ کو آہی گئی۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے تو یہاں عجیب کھرام مچا ہوا تھا۔
حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہؐ کی وفات نہیں
ہوئی جیسا کہ خود ان کا بیان ہے انہیں یہ بات بادرہی نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ کی
وفات ہو بھی سکتی ہے حضرت ابو بکرؓ نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ مگر وہ نہ مانے
پھر کہا مگر وہ اب بھی نہیں مانے۔ آخر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "اے قسم کھانے والے
ذرا ٹھہر اور جلدی نہ کر" حضرت عمرؓ اب بیٹھ گئے تو آپ نے تقریر شروع کی پہلے
اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا۔

اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا
فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ
جو شخص محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پر جاکر تاتھا وہ سن
لے کہ بے شک محمدؐ کی موت واقع ہو گئی۔ مگر ہاں
جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے

يَعْبُدُ اللَّهَ فَلِلَّهِ الْخَيْرُ لَا يَمُوتُ
اس کے بعد آپ نے حسب ذیل آیات تلاوت کیں۔
اِنَّكَ حَيٌّ وَاللَّهُ يَحْيِيكَ
اے محمدؐ آپ کو بھی موت آئی ہے اور بے شہدہ بھی
مرنے والے ہیں۔

(۲) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ
الْفَلْبَنُ عَلَى أَغْقَابِكُمْ دُونَ مِمَّا قَبْلُ
عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا
وَيَسْتَجِيبُ اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

اور محمدؐ نہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور
رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا قتل کر دیں
جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے
اور جو شخص ایسا کریگا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں
پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عقیقہ جزا دے گا۔

یہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے مگر ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا کہ
گویا یہ آخری آیت انہیں معلوم ہی نہیں تھی۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تلاوت
کی قرآن کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اس قدر مؤثر و دل نشین ثابت ہوئی کہ
ہر شخص اسکو ہی پڑھ رہا تھا اے

سقیفہ بنی ساعدہ یہاں آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور اُدھر
منا فقین کی ریشہ دوانی نے یہ گل کھلایا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ان کا دارالطہرہ
یا دارالندوة تھا جمع ہوئے اور آنحضرتؐ کے جانشین کی بحث چیئر طردی سعد بن عبادہ
مشہور انصاری ہیں غزوات میں انصار کا علم انہیں کے ہاتھ میں رہتا تھا انصار کا خیال
تھا کہ خلیفہ رسولؐ ان کو ہونا چاہیے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ تھے جو کہتے
تھے کہ بجائے ایک امیر کے دو امیر ہوں۔ ایک انصار سے اور دوسرے مہاجرین سے
ظاہر ہے کہ یہ دوسری شکل تو کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے قبول کر لینے

لے امام بخاری نے اس روایت کو جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کچھ لفظوں کے رد و بدل اور کمی بیشی کے ساتھ
اپنی صحیح میں دو جگہ نقل کیا ہے۔ ایک باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی الکفانہ کے تحت اور
دوسرے باب مناقب المہاجرین وفضائلہم کے زیر عنوان۔ ہم نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

سے اسلامی وحدت کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے منتشر ہو جاتا۔ اب یہی پہلی صورت تو اس میں اشکال یہ تھا کہ قریش جو عرب میں سب سے زیادہ با اقتدار تھے اور جن میں موروثی طور پر امارت و ریاست کے اوصاف و کمالات بہ نسبت دوسروں کے زیادہ پائے جاتے تھے یہاں تک کہ خود آنحضرتؐ نے الامۃ من قریش۔ امام تو قریش میں ہی پیدا ہوتے ہیں فرما کر قریش کی اس خصوصیت و امتیاز پر ہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ وہ امارت سے محروم ہو جاتے اور اس کا نقصان یقیناً اسلامی معاشرہ کو پہنچتا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ کی اور اسلام کی انصاف نے جو خدمات انجام دی تھیں وہ بھی بہت عظیم الشان تھیں اور ان کے فضائل و مناقب کا باب بہت وسیع تھا۔ پھر مہاجرین میں بھی قریش کا ایک گروہ جس میں ابوسفیان تھے اپنے سلسلے کسی کو نظر میں نہیں لاتا تھا جہاں تک انصاف کا تعلق ہے ان میں بھی دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان میں باہمی رقابت اور منافست مدت سے چلی آرہی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد یہ کم ضرور ہوئی تھی لیکن معدوم نہیں ہوئی اس بنا پر اسلام کی وحدت اجتماعی کیلئے یہ انتہائی نازک وقت تھا اور خلافت کے معاملہ کو کامیابی کے ساتھ حل کر لینے پر ہی اسکی بقا کا دار و مدار تھا۔ آخر اس عقدہ لاسخیل کی گرہ کشائی بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ناجی تدبیر سے ہوئی اور اسلام میں جو رخنہ اور فتنہ پیدا ہو رہا تھا اس کا سد باب ہو گیا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس ہنگامہ آرائی کی اطلاع ہوئی تو سب کو چھوڑ چھاڑ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح جو امین ہذہ الامۃ کے لقب سے سرفراز تھے فتح ابزاری ج ۷ ص ۲۳ پر مسند ابولعلی سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمرؓ اور سب آل بیت آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے کہ ایک شخص نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمرؓ کو آواز دیکر کہا کہ ذرا باہر آئیے فاروق اعظمؓ نے جواب دیا ”چلو بھٹو“ ہم آنحضرتؐ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم کو فرصت نہیں۔ اب یہ یہ شخص برلا“ اسے دیکھتے بڑا غضب ہو گیا۔ انصاف سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں آپ ذرا چل کر ان کی خبر لیجئے۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی ایسی چیز کھڑی کر دیں جو جنگ کا باعث ہو“ یہ سن کر حضرت عمرؓ صدیق اکبرؓ سے کہا چلے اور وہ روانہ ہو گئے۔

تھے ان کو ساتھ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے یہاں دیکھا کہ عجیب ہنگامہ اور شور و غل برپا ہے جب یہ تینوں بیٹھ گئے تو انصاف کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اس نے کہنا شروع کیا ہم اللہ کے انصاف اور اسلام کے لشکر ہیں اور اے مہاجرین تم ہمارے نبی کے ساتھی (اصطفیٰ) ہو۔ لیکن اب تم ہم سے برگشتہ ہو گئے ہو اور جو ہمارا مقام ہے اس سے ہم کو الگ کرنا چاہتے ہو یا

یہ تقریر ختم ہوئی تو حضرت عمرؓ نے بولنا چاہا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں روک دیا اور خود کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس کا ہر لفظ فصاحت و بلاغت کی جان تھا۔ خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں اس موقعہ کیلئے ایک بہت اچھی تقریر سوچ سناج کے اور پہلے سے اس کو اپنے دماغ میں تیار کر کے گیا تھا اور خیال تھا کہ ابوبکر ایسی تقریر نہیں کر سکیں گے۔ لیکن جب ابوبکر خود کھڑے ہوئے تو انہوں نے وہ باتیں فی البدیہہ اور انتہائی بلاغت کے ساتھ کہہ ڈالیں جنکو میں غور و فکر کے بعد اپنے دماغ میں جہاں کر کے لکھا تھا حضرت ابوبکر کی تقریر | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حمد و صلوة کے بعد اپنی تقریر میں پہلے تو مہاجرین کے فضائل اسلام کے لیے ان کی غیر معمولی قربانی اور آنحضرتؐ کے ساتھ رشتہ و قربت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا ”اے انصاف تم جو کچھ اپنے متعلق کہتے ہو بے شک تم اس کے اہل ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ کے ساتھ بھی تم کو بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ کی بعض معزز ازواج مطہرات تم ہی میں سے تھیں اے لیکن عرب اس معاملہ میں سوائے قبیلہ قریش کے ساتھ اور کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ لو ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو

اے ابن جبریر طبری ج ۲ ص ۲۵۷۔ طبری نے سقیفہ بنی ساعدہ کے اس جلسہ کی اور اس میں جو تقریریں ہوئیں ان سب کی تفصیل روداد قلم بند کی ہے۔ لیکن ہم نے غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا ہے کہ صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۹ امام بخاری نے یہ ساری داستان خود حضرت عمرؓ فاروقؓ کی زبانی سنائی ہے حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے لیے جب حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا تو خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے لیے یہ حد درجہ ناگوار بات تھی رخصت کی قسم! بغیر کسی گناہ کے میری گردن اڑادی جاتی یہ بات میرے لیے (باقی برص ۷۶)

اس پر شور و شغب زیادہ بڑھنے لگا اور انصار کی طرف سے جناب بن منذر نے سخت کلامی کی تو حضرت عمرؓ نے پیش قدمی کر کے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ نہیں! ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیونکہ آپ ہم سے بہتر ہیں ہمارے سردار ہیں اور آنحضرتؐ سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بیعت کی حضرت عمرؓ کا بیت کرنا تھا کہ مہاجرین اور انصار سب نے ہاتھ بڑھا دیئے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت ہے کہ بشیر بن الانصاری نے حضرت عمرؓ سے بھی پہلے بیعت کی تھی سٹھ یکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ اس قدر ہجوم کے موقع پر اول تو اس کا ٹھیک پتہ چلنا مشکل ہے کہ کس نے سبقت کی اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ مہاجرین میں سے پہلے بیعت کرنے والے ہوں اور حضرت بشیر بن سعد نے انصار میں سب سے پہلے بیعت کی ہو۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامہ سے فارغ ہو کر کاشانہ قدس پر حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ کی تدفین میں شریک ہوئے۔ یہاں صحابہ کرام میں اختلاف تھا کہ کہاں دفن کیا جائے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں نے رسول اللہؐ سے ایک حدیث سنی ہے جس کو میں نہیں بھولا ہوں اور وہ یہ ہے کہ

ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں یحب ان یدفن فیہ اس کو دفن ہونا محبوب ہوتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا "ادفونہ فی موضع فرشتہ" تم لوگ بھی رسول اللہؐ

(بقیہ صفحہ ۸۷) بہت آسان تھی۔ یہ نسبت اسکے کہ میں ایک ایسی قوم کا امیر بنتا جیسے کہ ابوبکرؓ موجود ہوں حضرت ابوبکرؓ نے دوسرا نام حضرت البرید بن الجراح کا پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنی چاہی تو انہوں نے فرمایا "تم لوگ میرے پاس آتے ہو حالانکہ تم میں ثالث ثلاثہ (ثلاثہ غار ثور کی طرف اشارہ ہے) یعنی حضرت ابوبکرؓ موجود ہیں۔ (ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکرؓ) ص ۱۸۱ باب مناقب المہاجرین) لے ص ۱۸۱ ج ۱ ص ۱۸۱ و جلد دوم ص ۱۰۹ باب رجم الجلی من الزنا اذا احصنت لہ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴۷

کو آپ کی اسی خواب گاہ میں دفن کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لے

بیعت عامہ | سقیفہ بنی ساعدہ میں تو چند لوگوں نے بیعت کی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے دوسرے دن یعنی بروز شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۲۸ مئی ۶۳۲ء مسجد نبوی میں بیعت عامہ کا انتظام کیا گیا۔ سب مسلمان جمع ہوئے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ "میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہؐ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے۔ لیکن اب اگر محمدؐ وفات پا گئے ہیں تو خیر! اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے تم وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہؐ سے حاصل کرتے تھے بے شبہ ابوبکرؓ رسول اللہؐ کے ساتھی اور غار کے رفیق ہیں۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر تم لوگوں کے معاملات کی سربراہی کیلئے وہ ہی ہیں۔ پس کھڑے ہو اور ان سے بیعت کرو۔" حضرت عمرؓ تقریباً فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ بولے "آپ منبر پر تشریف لائے۔ لیکن صدیق اکبرؓ کو جنبش نہ ہوئی آخر جب کسی مرتبہ کہا تو آپ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں نے آپ سے بیعت کی لے۔ یہ بیعت عامہ تھی۔ پہلا خطبہ | اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کی نسبت ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ ایسا خطبہ کبھی کسی کی زبان سے نہ سنے ہیں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد فرمایا۔

اما بعد ایہا الناس فانی قد ولیت علیکم
ولست بخیر کہ فان احسنت فاعینونی
وان اسأت فقومونی۔ الصدق
امانۃ والکذب خیانة۔ والضعف
منکم قوی عندی حتی اریم علتہ
ان شاء اللہ والقوی فیکم ضعیف
حتی آخذ منہ الحق ان شاء اللہ

لوگوں! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں پس اگر میں اچھا کروں تو تم میری مدد کرو۔ اور اگر برا کروں تو مجھ کو سیدھا کر دو۔ سچائی ایک امانت ہے۔ اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں جو بزرگ ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ چنانچہ میں اس کا شکوہ درود کروں گا۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے

لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ
الا ضر بہما اللہ بالذل ولا یشیع
قوم قط الفاحشۃ الا عہمہ اللہ
بالبلاء - اطیعونی ما اطعت اللہ
ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ
فلا طاعة لی علیکم قوموا الی
صلواتکم - رحمکم اللہ

نزدیک کمزور ہے۔ چنانچہ اس سے حق لوں
کا جو قوم جہاد کو چھوڑ دیتی ہے۔ اللہ اس پر
ذلت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں
بری باتیں عام ہو جاتی ہیں۔ اللہ ان پر مصیبت
کو مستولی کر دیتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے
رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور
جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں
تو تم میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اچھا
اب جاؤ نماز پڑھو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔

متخلفین

سیر و تاریخ کی کتابوں میں بعض ایسی شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں جن کی
نسبت مورخین عام طور پر لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر سے اس دن بیعت
نہیں کی تھی ان میں سب سے اہم نام حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ لکھے ہیں ان
کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت زبیر بن العلوام اور مشہور انصاری حضرت سعد بن
عبادہ کے نام ہیں۔ اگرچہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے جو دین کے لیے بنیاد کی
حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مورخین نے اس
کو چنداں اہمیت نہیں دی اور وہ اس پر سرسری کلام کر کے آگے بڑھ جاتے
ہیں۔ ہم ان تینوں بزرگوں میں سے ہر ایک کی نسبت الگ الگ کلام کرتے ہیں۔

لے ابدایۃ و النہایۃ ج ۵ ص ۲۲۸ -

حضرت علی کی بیعت

حضرت علی کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ آپ نے چھ ماہ یعنی حضرت فاطمہ کی
وفات تک خلیفہ اول سے بیعت نہیں کی اور ناراض ہوئے گھر میں بیٹھے رہے۔ آخر
جب حضرت فاطمہ بھی رہ گزائے عالم آخرت ہو گئیں تو آپ نے اور آپ کے ساتھ بنی
ہاشم نے جو حضرت علی کے مکان میں مقیم تھے حضرت ابوبکر کو مکان میں بلایا۔ یہاں
حضرت علی اور حضرت ابوبکر دونوں میں گفتگو ہوئی۔ شکوے شکایت ہوئے اور آخر
جب صلح صفائی ہو گئی تو حضرت علی نے بیعت کی۔ مسلمانوں کو جب یہ خبر ملی تو
بڑے خوش ہوئے۔

عام مورخین اور ارباب سیر کی اس روایت کا سرچشمہ دراصل صحیح بخاری کی روایت
ذیل ہے۔

عن عائشۃ ان فاطمہ بنت النبی صلی
اللہ علیہ وسلم ارسلت الی ابوبکر
تسئلہ میراثہا من رسول اللہ صلی
علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ
بالمدينة وغدک وما بقی من خمس
خیبر فقال ابوبکر ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال -

لا نورث ما ترکنا صدقة انما یا کل
ال محمد فی هذا مال والی
واللہ لا اعیز شیئاً من صدقة

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ نے ابوبکر
کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ چیزیں جو اللہ نے رسول
اللہ کو مدینہ میں دی تھیں اور نیک اندیز کے
لے کا جو کچھ بچا ہوا ہے ان میں سے جو میری
میراث ہے وہ مجھ کو دیکھیے۔ حضرت ابوبکر
نے جواب دیا کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ ہملا
کوئی وارث نہیں۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں
گے وہ صدقہ ہوگا۔ اور آل محمد بھی اسی میں سے
کھائیں گے قسم ہے اللہ کی آنحضرت
کا صدقہ آپ کی زندگی میں جس حالت پر تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن حالها التي كان عليها في عهد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ولا عملن فيها بما عمل به رسول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاجل ابو بكر ان يدفع الى فاطمة
منها شيئا فوجدت فاطمة على
ابي بكر في ذلك فهجرتة فلم تكلمه
حتى توفيت وعاشت بعد النبي
صلى الله عليه وسلم ستة اشهر
فلما توفيت دفنها زوجها علي ليلا
ولم يؤذن بها ابوبكر وصلى عليها
وكان نعلي وجه حياة فاطمة فلما
توفيت استنكر على وجوه الناس
مصالحة ابي بكر ومبايعته ولم
يكن يبايع تلك الاشهر فارسل
الى ابي بكر ان تناولا يا تا احد
معك كراهية لي حضر عمر فقال
عمر لا والله لا تدخل عليهم وحدك
فقال ابو بكر وما عسيتهم ان
يفعلوه بي والله لا اتينهم فدخل
عليهم ابو بكر فشهد على فقال
انا قد عرفنا فضلك وما اعطاك

میں اس میں کوئی تغیر نہیں کروں گا۔ اور میں
اُس سے متعلق وہی عمل کروں گا جو آنحضرتؐ
نے کیا تھا۔ یہ کہہ کر ابوبکر نے فاطمہ کو ان چیزوں
میں سے کوئی بھی چیز دینے سے انکار کر دیا اس
پر فاطمہ ابوبکر سے ناراض ہو گئیں انہوں نے ان کو
چھوڑ دیا اور وفات پانے تک ان سے کلام
نہیں کیا۔ فاطمہ آنحضرتؐ کے بعد چھ مہینے
زندہ رہیں جب ان کی وفات ہوئی۔ تو
انکے شوہر علی نے رات ہی کو انہیں دفن کر
دیا اور ابوبکر کو اس کی خبر نہیں کی اور علی نے
ان کی نماز پڑھی، فاطمہ کی زندگی میں علی کا
بڑا دُعا تھا لیکن جب فاطمہ کی وفات ہو گئی
تو علی نے محسوس کیا کہ اب لوگوں کے دلوں میں
وہ پہلی سی بات نہیں رہی اس لیے انہوں نے
ابوبکر سے صلح کر لینی اور ان سے بیعت کرنی
چاہی اور انہوں نے ان مہینوں میں بیعت
نہیں کی تھی چنانچہ علی نے ابوبکر کو گھر بلایا اور
ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ آپ کے ساتھ
کوئی اور نہ آئے۔ کیونکہ وہ اس بات کو پسند
نہیں کرتے تھے کہ ان کے ساتھ عمر آئیں۔ عمر نے
ابوبکر کو مشورہ دیا کہ وہ تنہا نہ جائیں، ابوبکر
نے کہا کہ مجھ کو ان (بنو ہاشم) سے یہ امید
نہیں کہ وہ میرے ساتھ اب دلیا معاملہ

اللہ ولہ نفس علیک خیرا ساقہ
اللہ الیک ولكنک استبددت
علینا بالامر وکنانری لقربتنا
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لنصیباً حتی فاضت عینا الی بکر
فلما تکلم ابو بکر قال والذي نفسي
بيده لقربة رسول اللہ صلی اللہ
عليه وسلم احب الی ان اصل من
قربتی واما الذي شجر بيني وبينك
من هذه الاموال فاني لوال فيها
عن الحيدرو لواترك امواراً رایت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ليصنعہ فيها الا صنعة فقال
على لا بی بکر موعدك العشيّة
للبيعة۔ فلما صلی ابو بکر اظهر
رقی علی اظہر فتشهد و ذکر شان
علی وتخلّفه عن البيعة وعذره
بالذي اعتذر اليه ثم استغفر و
تشهد علی فعظم حق ابي بكر وحدث
انه لم يحمله علی الذي صنع
نفاست علی ابي بكر ولا الكافر
للذي فضله اللہ به ولكنا
کنانری لنا فی هذا لنصیباً

کریں گے۔ بخدا میں اُن کے پاس ضرور جاؤں
گا۔ چنانچہ ابوبکر اُن کے پاس آئے تو علی نے
کلمہ تشہد پڑھا اور پھر کہا کہ ہم آپ کے فضل کو
اور جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے اُس کو پہنچاتے
ہیں اور جو چیز (خلاف) اللہ نے آپ کو بخشی ہے
ہم اس میں آپ کی ریس نہیں کرتے لیکن ہاں آپ
خداوند کا معاملہ خود ہی طے کر لیا۔ حالانکہ
آنحضرتؐ کے ساتھ قربت کی وجہ سے ہم بھی
اس میں اپنا حصہ سمجھتے تھے ابوبکر یہ سن کر
آبدیدہ ہو گئے پھر جب انہوں نے بونا شروع
کیا تو کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ
میں میری جان ہے رسول اللہؐ کی قربت
مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اپنے
اعزہ کے ساتھ صلہ رحمی کروں رہا وہ اختلاف
جو میرے اور تمہارے درمیان اُن اموال کے
بارے میں رونما ہو گیا ہے تو میں نے خیر کرنے
میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور میں نے کوئی
ایسا کام جس کو رسول اللہؐ نے کیا ہو اس کو کئے
بغیر نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر علی نے ابوبکر سے کہا
کہ اچھا آپ بیعت کیلئے دوپہر بعد آئیے پھر
جب ابوبکر نے ظہر کی نماز ادا کر لی تو انہوں
نے کلمہ تشہد پڑھا اور علی کا حال اور بیعت سے
انکی علیحدگی اور اسکا جو عذر انہوں نے بیان کیا تھا

واستبد علينا فوجدنا في الفسنا
فسر بذا اللہ المسلمون وقالوا
اصبت وكان المسلمون الى
على قریباً حین راجع الامر
بالمعروف له

وہ سب بیان کیا پھر استغفار پڑھا پھر اُسکے
بعد علی نے تشہد پڑھا ابو بکر کے حق کی بڑائی بیان
کی اور انہوں نے کہا کہ میں نے جو کہا تھا اُس
کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ابو بکر پر چڑھ کر تھا
اور اللہ نے ان پر جو انعامات کئے ہیں میں اُن
کا منکر تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہم لوگ بھی
خلافت کے معاملہ میں اپنا کچھ حصہ سمجھتے تھے
ابو بکر نے اس میں ہماری بات ہی نہیں پوچھی
ایسے ہمارے دل میں اسکا ملال تھا یہ سنکر سب
مسلمان بہت غور ہوئے اور انہوں نے کہا
”اے نبیؐ درست فرمایا اور مسلمان علی سے قریب
ہو گئے حبیبؐ امر بالمعروف کی طرف لوٹ آئے۔“

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی امام زہری سے روایت ہے کہ کسی شخص نے
ان سے بیان کیا کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکر سے حضرت فاطمہؑ کی وفات کے وقت
بیعت نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ نہیں! حضرت علیؑ نے جانے نہیں بلکہ بنو ہاشم میں سے
کسی نے بھی نہیں کی لیکن حافظ ابن حجر نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت
ضعیف ہے کیونکہ زہری نے اسکی سند بیان نہیں کی تھ۔ بیہقی نے اس روایت
کی جو وجہ ضعف بیان کی ہے اس کے علاوہ اس روایت کا یہ جز بھی تمام
روایات کے خلاف ہے کہ بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی۔

اب رہ گئی صحیح بخاری کی روایت تو اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا
چھ ماہ تک بیعت نہ کرنا ایسی ایک بات ہے جو حضرت علیؑ کی شان سے بھی
بعید ہے اور حضرت ابو بکرؓ کا اتنے دنوں تک اس پر صبر کرنا خود ابو بکرؓ سے مستبعد ہے۔

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۹ باب غزوہ خیبر لے فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۹

اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابو بکرؓ کو صحابہ کرام میں جو بلند مرتبہ و
مقام حاصل تھا آنحضرتؐ کو ان پر جو خصوصی اعتماد و اعتبار تھا اور جس کی وجہ
آپؐ نے صراحتہً و اشارہً (جس کا ذکر آگے آئے گا) حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی طرف ایما فرمایا
تھا حضرت علیؑ اس سے ناواقف نہیں ہو سکتے تھے، علاوہ بریں خود حضرت علیؑ
درویشی و بے نفسی اور ولایت و انابت اللہ کے جس مرتبہ اعلیٰ و ارفع پر متمکن
تھے وہ بھی کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے اس بنا پر یہ قطعی ناممکن ہے کہ حضرت
علیؑ حضرت ابو بکرؓ کو مستحق خلافت یا خلیفہ برحق نہ سمجھتے ہوں چنانچہ صحیح بخاری کی
اسی روایت میں حضرت علیؑ اصناف لفظوں میں حضرت ابو بکرؓ کے فضائل و مناقب
اور انکے استحقاق خلافت کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ بھی بہ صراحت فرماتے ہیں کہ خلافت کے معاملہ
میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ نہ کچھ اختلاف تھا اور نہ وہ اس پر انکے ساتھ کوئی منافست رکھتے تھے۔
بعض لوگوں نے اپنی پرانی عصبیت کی بنا پر اس وقت غیر ذمہ دارانہ گفتگو
کر کے حضرت علیؑ کو مشتعل کرنا بھی چاہا تو آپؐ نے سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹ
دیا چنانچہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ نے جو حضرت امیر معاویہؓ کے والد تھے حضرت علیؑ کو
عار دلایا اور ان کو حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت پر برا لکھنے کرنے کی غرض سے کہا ”یہ
دیکھئے! جو قریش میں گھٹیا درجہ کا قبیلہ ہے خلافت اس میں چلی گئی خدا کی قسم اگر آپؐ
اُس کے خواہاں ہوں تو میں مدینہ کو سوار اور پابندہ فوج سے بھر دوں گا۔ حضرت علیؑ یہ سنتے ہی
برہم ہو گئے۔ اور بگڑ کر فرمایا۔ اے ابوسفیانؓ تم اسلام اور مسلمانوں سے پرانے دشمن ہو تم ایسی
باتوں سے اسلام کو کُرُن ضرر نہیں پہنچا سکتے تم نے ابو بکرؓ کی خلافت کا اہل پائا ہے لے

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۲۴۹۔ یہ روایت طبری کی ہے میں کنز العمال میں یہ واقعہ دو سندوں سے مذکور ہے جن میں سے ایک سند
آخری راوی مویذ بن غفالہ ہیں جو ٹھیک اس وقت مدینہ میں حاضر ہوئے جب لوگ دفن نبویؐ سے فارغ ہو کر ہاتھ جھاڑ رہے تھے
اور وہ حضرت علیؑ کے اصحاب خاص میں سے ہیں۔ دوسری سند کے آخری راوی حضرت علیؑ کے پوتے زین العابدینؑ ہیں۔ ان
دونوں روایتوں میں ابوسفیانؓ کے الفاظ تو وہی ہیں جو طبری میں ہیں لیکن حضرت علیؑ کے جواب کے الفاظ بدلے ہوئے ہیں اور
وہ یہ ہیں لا والله ما اريد ان تملوا هاء عليه خيلا ورجالا ولولا انارأينا ابا بكر لاذلث اهلنا ما خيلنا و
اياها يا اباسفيان ان المؤمنين قوم نفحة بعضهم لبعض متوا دون وان بعدت ديارهم و
ايدانهم وان المنافقين غششة بعضهم لبعض كنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۴۱-۱۴۲۔
لے تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۲۲۰۔

ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ابوسفیان نے حضرت علی سے کہا "السطيد لك حتى اباعد" اپنا ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کر لوں لیکن حضرت علی نے شدت کے ساتھ انکار فرمایا، اور ابوسفیان کو جھڑک دیا۔

حضرت ابوبکر تو ابوبکر تھے حضرت علی کی شان تو یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے مقابلہ میں بھی اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور کبھی جہوہ امت سے اس معاملہ میں الگ نہیں ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت پر مسلمانوں میں اختلاف نہیں ہوا لیکن آپ کی خلافت پر وہ متفق نہیں ہیں تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ابوبکر و عمر میرے جیسے مسلمانوں پر والی تھے اور میں تم جیسے مسلمانوں کا والی ہوں۔^۱ ان بیانات سے صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا اور وہ اس معاملہ میں ان کے مخالف نہیں تھے البتہ ہاں جیسا کہ بخاری کی اسی روایت اور دوسری روایات میں ہے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کی طرف سے ملال ضرور تھا جبکہ ایک وجہ تو یہ تھی کہ عین اس وقت جب کہ حضرت علی اور دوسرے آل بیت نبویؐ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ حضرت ابوبکر سقیفہ بنو ساعدہ کی خبر سنتے ہی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ساتھ لیکر وہاں پہنچ گئے اور خلافت کا معاملہ طے کر آئے اور حضرت علی سے اس بارے میں کوئی مشاورت نہیں کی اس کے علاوہ دوسری وجہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر کی طرف سے تکرر خاطر تھا جو بر بنائے بشریت پیدا ہو گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ملال کی یہ دونوں وجہیں محض ذاتی اور شخصی تھیں۔ اس بنا پر ان کا اثر یہ تو ہو سکتا تھا کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے تعلق باہمی میں وہ شگفتگی نہ ہو جو معاشرتی زندگی میں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن چونکہ خلافت ایک قومی اور اجتماعی مسئلہ تھا اس بنا پر اس ذاتی رنجش کا نتیجہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت علی سرے سے بیعت

ہی کرتے اور تفرق بین المسلمین کا سبب بنتے۔ حضرت علی کی جہوہ پسندی اور سرعامہ کے احترام کی کیفیت تو یہ تھی کہ حضرت ابوبکر نے اپنے مرض الموت میں حضرت عمر کا نام اپنی جانشینی کیلئے تجویز کیا تو اگرچہ حضرت علی ذاتی طور پر اس سے متفق نہیں تھے چنانچہ انہوں نے اپنی اس را کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن آخر جب حضرت عمر نامزد ہو ہی گئے تو پھر کوئی مخالفت نہیں کی اور سب مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ پس جب انکی یہ فطرت تھی تو پھر یہ کیوں ممکن ہو سکتا تھا کہ بیعت عامہ ہو جانے کا وجود حضرت علی سب مسلمانوں سے الگ رہتے اور بیعت نہ کرتے۔

مازنی اور اشعری نے حضرت علی کے تخلف عن البیعة کا ایک عذر یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ سے فردا فردا ہر مسلمان کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہزاروں مسلمان بیعت کر ہی چکے تھے اسلئے اگر حضرت علی نے بیعت نہیں کی تو اس کو مخالفت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ عذر صمیم نہیں ہے کیونکہ حضرت علی اپنی ذات سے تنہا ایک شخص نہیں تھے بلکہ پوری ایک جماعت۔ ایک قوم اور ایک گروہ تھے، انکا بیعت نہ کرنا اسلئے وحدت کیلئے عظیم ترین رخنہ کا باعث ہو سکتا تھا اور اپنی اس حیثیت سے یقیناً وہ خود بھی بے خبر نہیں تھے۔

صحیح بخاری کی روایت پر ہم نے اشکال کی جو تقریر سطور بالا میں کی ہے وہ روایت کے اعتبار سے تھی یوایتی حیثیت سے تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس روایت کے مقابلہ میں چند ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے چھ مہینے تک بیعت نہ کرنے کی تردید ہوتی ہے اس سلسلہ میں سب سے اہم وہ بات ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے لیکن ان دونوں کی شرط پر ہے اور اس لیے صمیم ہے۔ روایت یہ ہے۔

ان عبد الرحمن بن عوف کان مع عبد الرحمن بن عوف بھی عمر بن الخطاب کے ساتھ

لے فتح الباری ج ۷ ص ۳۷۸ و فیض الباری ج ۴ ص ۱۲۲ لے جلال الدین سیوطی نے اتفاق میں ایک روایت نقل کی ہے جس کی انہوں نے تصحیح بھی کی ہے کہ حضرت علی نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں جب تک قرآن کو جمع نہیں کر لوں گا گھر سے نہیں نکلوں گا۔ بعض حضرات نے اس جمع قرآن کو حضرت علی کی طرف سے بیعت نہ کرنا عذر بتایا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ کوئی عذر ہے تو عذر بار بار دہن چہ نہ نکلیجئے بیعت کے واسطے آجائے قرآن کا ہم میں دخل انداز کیوں ہو سکتا ہے

عمر بن الخطاب وان محمد بن مسلمة
كسر سيف الزبير ثم قام ابو بكر فخطب
الناس واعتذر اليهم وقال والله ما
كنت حريصا على الامارة يوما ولا
ليلة قط ولا كنت فيها راغبا ولا
سألتها الله في سر وعلانية ولا كنتي
اشفت من الفتنة ومالي في
الامارة من راحة ولكن قلدت امرا
عظيما مالي به من طاقته ولا يد الا
يتقوية الله عز وجل ويرد ان اقوى
الناس عليهما مكاني اليوم فقبل المهاجرون
منه ما قال وما اعتذر به
قال علي والزبير ما غضبا الا لانا قد
اخرنا من المشاورة وانا نرى ابابكر
احق الناس بها بعد رسول الله
صلى الله عليه وسلم وانه لصاحب
الغار وثاني اثنين وانا لنعلم بشرفه
وصبره ولقد امره رسول الله
صلى الله عليه وسلم بالصلاة
بالناس وهو حي -

(المستدرک جلد ۳ ص ۶۶)

اب ایک اور پہلو سے غور کرو تو معلوم ہوگا کہ بالفرض حضرت علی بیعت نہ کرتے
تو حضرت ابوبکر ان معاملات میں جس قدر سخت تھے اس کے پیش نظر ان سے یہ بالکل

بعید بات تھی کہ وہ صبر کر کے خاموش بیٹھے رہتے اور قعر کے اس دروازہ کو کھلا
چھوڑ دیتے۔ چنانچہ اس ذیل میں ہم ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جس سے بیعت
کے معاملہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی دونوں کے طرز عمل پر ایک ساتھ روشنی
پڑتی ہے۔ یہ روایت حضرت ابوسعید الخدری کی ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ
کے ابتدائی اجزاء بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فلما تعد ابو بكر على المنبر نظر في
وجوه القوم فلم ير عليا فسال عنه
فقام ناس من الانصار فاتوا به فقال
ابوبكر ابن عم رسول الله صلى الله
عليه وسلم وختنه اردت ان
تشق عصا المسلمين فقال لا تثريب
يا خليفة رسول الله عليه وسلم
فبايعه هذا حديث صحيح على شرط
الشيخين ولو يخرجاه له
جب ابوبکر منبر پر بیٹھ گئے تو انہوں نے لوگوں
پر ایک نظر ڈالی اور جب علی کو نہیں دیکھا تو ان
کی نسبت پوچھا اس پر کچھ انصاری کھڑے ہوئے
اور جا کر علی کو لے آئے۔ اب ابوبکر نے ان سے کہا
کہ آپ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد
بھی ہیں کیا آپ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے
ہیں علی نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ! ملامت
نہ کیجیے اس کے بعد علی نے ابوبکر سے بیعت کر لی
امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط
شیخین پر ہے اور انہوں نے صحیحین میں اس کو درج
نہیں کیا ہے۔

ابن سعد میں حضرت حسن سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی نے
فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم نے خلافت
کے معاملہ میں غور و خوض کیا۔ اور ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابوبکر کو نماز میں آگے کر دیا تھا۔ اس بنا پر ہم اپنی دنیا کے واسطے اس
شخص سے راضی ہو گئے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین

کے لئے راضی ہوئے تھے۔ اب ہم نے بھی ابوبکر کو آگے کر دیا یعنی بالاتفاق انہیں خلیفہ بنا دیا۔

اب ان تمام روایات کو سامنے رکھوان سب پر یک جہانی نگاہ ڈالو حضرت ابوبکر اور حضرت علی دونوں کی جلالت شان اور آنحضرتؐ کے ساتھ ان کا قرب و اختصاص۔ پھر نفس خلافت کی اہمیت اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس وقت تبلیغ و اشاعت اور استحکام اسلام کے لئے باہمی اتفاق و اتحاد کی سخت ضرورت ان سب کو بھی پیش نظر رکھو اور بتاؤ کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ بیعت کی ہے۔ پہلی بیعت بیعت خلافت ہے جو آنحضرتؐ کی وفات کے دوسرے ہی دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ کے موقع پر کی گئی۔ اور دوسری بیعت بیعت رضا ہے جو آپ نے حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد کی ہے۔ اس بیعت کا مقصد آپس میں صلح مضامی کرنا اور باہمی تعلقات کو پھر از سر نو خوشگوار کر لینا تھا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر حضرت ابوسعید الخدری کی روایت جو مستدرک کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہے اور جس سے حضرت علی کا پہلے ہی موقع پر بیعت کر لینا ثابت ہوتا ہے اس کو اصح بتاتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔

وجمع غیرہ بانہ با یعد بیعة
ثانیة مؤكدة للاولى لازالة
ما كان وقع بسبب الميراث كما
تقدم وعلى هذا قول الزهري
لم يبايعه على في تلك الايام
على ارادة ازالة لزمته له

کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے ساتھ

لہ ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکر

والحضور عندہ وما اشبه ذلك
فان في انقطاع مثله عن مثله ما
يوهم من لا يعرف باطن الامران
بسبب عدم الرضا بخلافته فاطلق
من اطلق ذلك وبسبب ذلك
اظهر على الطبايعة التي بعد موت
فاطمة عليها السلام لازالة
هذه الشبهة له

اٹھتے بیٹھتے اور ان کے پاس آتے جاتے نہیں
تھے۔ کیونکہ جو شخص حقیقت حال سے واقف نہیں
تھا وہ حضرت علی جیسے شخص کو حضرت ابوبکر جیسی
شخصیت سے کنارہ کش دیکھ کر یہی سمجھتا تھا
کہ حضرت علی کا یہ طرز عمل اس بنا پر ہے کہ وہ حضرت
ابوبکر کی خلافت سے راضی نہیں ہیں۔ پس جس نے
بیعت کی نفی کی ہے اسی دہم اور غلط فہمی کی وجہ سے ہے
اور حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی جو بیعت
کی تھی وہ درحقیقت اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی تھی۔

تاریخ اسلام کے نہایت مشہور محقق اور نقاد حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی
۷۴۱ھ حضرت ابوسعید الخدری کا مذکورہ بالا روایت اور اسی مضمون کی دوسری روایات
کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وهذا لما لاق بعلي رضي الله عنه والذي
يدل عليه الاثار من شهوده معه
الصلوة وخروجه معه الى ذي
القعدة بعد موت رسول الله
صلى الله عليه وسلم كما سنورده
وبذلك له النصيحة والمشهورة
بين يديه له

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شایان شان ہیں
تھا اور اس پر دوسرے آثار بھی دلالت کرتے
ہیں۔ مثلاً حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے ساتھ
نمازوں میں شریک ہونا ذو القعدة کے مکر میں
جس کا بیان آگے آئیگا۔ اور جو آنحضرتؐ کی وفات
کے فوراً بعد پیش آیا تھا حضرت علی کا حضرت ابوبکر
کے ساتھ رہنا اور ان کو مشورہ دینا اور نصیحت کرنا۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد بیعت کرنے کی روایت کی توجیہ
اس طرح کرتے ہیں۔

لہ نفع الباری ج ۴ ص ۴۹ لہ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۴۲۔ اس عبارت میں حضرت علی کا جس ذو القعدة کی ہم میں
حضرت ابوبکر کیساتھ شرکت کا ذکر ہے اس کا تذکرہ اپنے موقع پر آئندہ آئے گا اسے وہاں دیکھنا چاہیے

واما ما یاتی من مبايعته ایاہ بعد موت
فاطمہ - و قد مات بعد ایاہ علیہ السلام
بسنۃ اشہر - فذا لک محمول علی
انہا بیعة ثانیة ازالۃ ما کان قد
وقع من فحشة بسبب الکلام فی المیراث
حضرت علی کا تکرر طبع جیسا کہ ہم نے پہلے کہلایا ہے اپنی جگہ مسلم! لیکن اس کا اثر یہ
ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ خالص دین کے معاملہ میں حضرت علی کی طرف سے کسی طرح
کی مداخلت صادر ہوتی۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے درمیان
جو شکر رنجی ہوئی اور بعد میں حضرت علی نے اس کے لیے جو معذرت خواہی کی جو شخص بھی
اس پوری داستان پر غور و خوض کرے گا اس کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہے گا کہ دونوں
میں سے ہر ایک کو دوسرے کے فضل و کمال کا اعتراف تھا اور دونوں میں ایک دوسرے
کی محبت اور احترام تھا۔ اگرچہ بشری طبیعت کبھی کبھی غالب آجاتی تھی۔ لیکن دیانت
اسکو رد کرتی تھی لے

جہاں تک حضرت عائشہ کی روایت کا تعلق ہے جو صحیح بخاری میں ہے یہ نکتہ
بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عائشہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا آغاز اس
وقت ہوتا ہے جبکہ حضرت فاطمہ نے میراث کا مطالبہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ ٹھیک
آنحضرتؐ کی وفات کے یا بیعت عامہ کے دن نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ چند روز کے بعد
جبکہ حضرت ابوبکر بحیثیت خلیفہ اہل کے معاملات و امور خلافت کو باقاعدہ انجام
دیتے لگے ہوں گے۔ اس بنا پر عین بیعت عامہ کے دن حضرت فاطمہ کی رنجش کے باعث
حضرت علی کا بیعت سے الگ رہنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وجہ رنجش اب تک
پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اس میں شبہ نہیں کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کے ساتھ گفتگو کے
وقت اپنی رنجش کی وجہ میراث کے معاملہ کو نہیں بتاتے بلکہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرتؐ کے ساتھ تعلق خصوصی کے باعث اس کو اپنا حق سمجھتے تھے کہ خلافت کا
معاہدہ کرتے وقت حضرت ابوبکر حضرت علی کو بھی اپنے اعتقاد میں لیتے اور جس طرح
انہوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کو اس موقع پر اپنے ساتھ رکھا تھا حضرت
علی کو بھی اپنے ساتھ رکھتے۔ اور ان کی غیر موجودگی میں بالا ہی بالا سقیفہ بنی ساعدہ
میں خلیفہ کے انتخاب کا مرحلہ طے نہ کرتے۔ اس سے آپ کو پتہ چل سکتا ہے کہ اس
میں حضرت ابوبکر کا کتنا قصور تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت علی کی کشیدگی کی اصل وجہ
حضرت فاطمہ کا ہی تکرر طبع تھا۔ لیکن جب حضرت ابوبکر نے میراث کے متعلق آنحضرتؐ
کا ارشاد گرامی پڑھ کر سنا دیا تو اب حضرت علی کے لیے گنجائش نہ تھی کہ وہ میراث کے
معاملہ کو اپنی رنجش کا سبب قرار دیں۔ اس بنا پر جب صلح صفائی کا وقت آیا تو حضرت علی
نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ صرف امر خلافت کے بارہ میں ان کی بات نہ
پوچھنے کا کلمہ کیا۔ یہ وہی بات ہے جس کو ارتباب معانی کی زبان میں نکتہ بعد الوقوع کہتے
پھر یہ بھی دیکھو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کے بیعت نہ کرنے کو ”وما کان بایعہ“
وغیرہ صاف لفظوں سے بیان نہیں فرماتیں جیسا کہ امام زہری کی روایت میں ہے
بلکہ ”ولو یکن یبایع تلاًک الاشہر“ جیسے غیر واضح لفظوں میں بیان فرماتی ہیں تو کیا
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ دراصل فرمانا یہ چاہتی ہیں کہ حضرت علی نے بیعت
تو کر لی تھی۔ لیکن چونکہ اس کے بعد ہی رنجش پیدا ہو گئی اور اسکی وجہ سے وہ کنارہ کش ہو کر
بیٹھ گئے۔ اسلئے ان کا بیعت کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ انہوں نے رسمی طور پر
اگرچہ بیعت کر لی تھی مگر عملاً ایسا تھا کہ گویا بیعت کی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ بطری کی
مندرجہ ذیل دو روایتیں بھی دیکھو۔

قال عمرو بن حرث لسعید بن زید
اشہدت وفاة رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال لعمرو قال فتی بولیع
ابیک قال یوم مات رسول اللہ کوہوا
عمرو بن حرث نے سعید بن زید سے پوچھا کہ
کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
وقت موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا ہاں پھر پوچھا
کہ ابوبکر سے بیعت کب کی گئی؟ تو بولے کہ جوں

ان يقولوا بعض يوم وليسوا في جماعته
قال فخالف عليه احد قال لا الا
مرتدا ومن قد كان يرتد لو
لا ان الله عز وجل ينقذهم من
الانصار قال فهل قعد احد
من المهاجرين قال لا تايم
اطهاجرون على بيعته من غير
ان يدعوه هم له
بھی کسی نے بیعت سے پہلو تہی کی تھی۔ سعید بن زید نے کہا کہ نہیں، مہاجرین تو دعوت بیعت کے بغیر ہی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

اس روایت میں تو عام مہاجرین کی بیعت کا تذکرہ ہے جن میں خود حضرت علی بھی شامل تھے۔ لیکن جہاں تک خاص حضرت علی کی ذات کا تعلق ہے اس کا ذکر بھی ایک اور روایت میں ہے اور اس قدر وضاحت و صراحت کے ساتھ کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

حدثنا عبد الله بن سعيد

قال اخبرني عمي قال اخبرني

سيف عن عبد العزيز بن

سياه عن جبيب بن الجي

ثابت قال كان علي في بيته

اذا اتي فقبل له قد جلس

ابوبكر للبيعة فخرج ف

قبض ما عليه ازار ولا

لے طبری ج ۲ ص ۲۴۷

رداء عجلًا كراهية ان يبسط
عنهما حتى بايعه لثوبه جلس
اليه وبعث الى ثوبه فاتاه
تجملته ولزم
مجلسه له -
تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ابوبکر سے بیعت کی پھر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے منگوائے جب وہ آگئے تو انہوں نے کپڑے پہنے اور ابوبکر کی مجلس میں بیٹھ رہے۔

اس پوری بحث سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت علی صدیق اکبر سے بیعت کے معاملہ میں عام مسلمانوں سے بڑا الگ رہے اور نہ پیچھے رہے لیکن آگے چل کر جو سیاسی اختلافات پیدا ہوئے ان کا اثر روایات پر بھی پڑا اور اس کی وجہ سے ایک واقعہ کچھ تھا اور اختلاف تعبیر و اداسے کچھ سے کچھ ہو گیا۔

حضرت زبیر بن عوام حضرت علی کے بعد دربر نام حضرت زبیر کا ہے جو اس بحث میں لائق ذکر ہے۔ حضرت زبیر آنحضرتؐ اور حضرت علی کے پھوپھی داد بھائی تھے انکی والدہ عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ تھیں آٹھ یا بارہ برس کے تھے کہ اسلام لائے جن دس صحابہ کو انکی زندگی میں ہی جنت کی خوش خبری دی گئی ان میں ایک حضرت زبیر بھی ہیں، ان کا لقب حواری رسول اللہؐ تھا جو خود حضورؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا لے روایت ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کا حال سنا تو تلوار میان سے باہر نکال لی اور بولے لا اعمدۃ حتی یبايع علیؓ، میں اس وقت میان میں نہیں رکھوں گا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائیگی حضرت زبیر کی یہی تلوار تھی جس کو محمد بن مسلمہ نے توڑ دیا تھا۔

لیکن مستدرک حاکم کی وہ روایت جو حضرت علی کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی میں حضرت زبیر کا بھی ذکر ہے صفحہ ۱۸۷ کر دیکھو تو معلوم ہو گا کہ جب حضرت ابوبکر نے تقریر کی اور فرمایا کہ میں ہرگز خلافت کا متمنی نہیں تھا لیکن البتہ اس سے ڈرتا تھا

کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے تو حضرت علی اور حضرت زبیر دونوں کھڑے ہوئے اور بولے کہ ہم کو اس بات کا رنج ضرور تھا کہ خلافت کے معاملہ میں جو مجلس مشاورت ہوئی اُس میں ہم کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ورنہ ہماری رائے میں ابوبکر تمام لوگوں میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کے بعد جلد سوم ص ۶۶ پر جو روایت ہے اس میں جہاں حضرت علی کا ذکر ہے حضرت زبیر کا بھی ہے۔ حضرت ابوبکر نے بیعت عامہ کے دن حضرت زبیر کو نہیں دیکھا تو پوچھا کہاں ہیں؟ جب لوگ جا کر اُن کو لے آئے تو حضرت ابوبکر نے انکو خطاب کر کے فرمایا ”آپ آنحضرتؐ کے حواری ہیں تو کیا پھر بھی آپ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں؟“ حضرت زبیر نے اس کے جواب میں پہلے تو وہی کہا جو حضرت علی نے کہا تھا اور اس کے بعد فرمایا کہ ”اے خلیفہ رسول! اب ملامت نہ کیجئے۔ پھر جہاں حضرت علی نے بیعت کی حضرت زبیر نے بھی کر لی۔“

حضرت سعد بن عبادہؓ مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ امام بخاری کے بیان کے مطابق انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی تھی اگرچہ بعض دوسری روایتوں سے اسکی تردید ہوتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ کبار صحابہ میں سے ہیں جن غزوات میں یہ شریک ہوئے انصار کا علم انہیں کے ہاتھ میں رہا۔ اس بنا پر یہ انصار کے اور خصوصاً خزرج کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ بید سخی اور فیاض تھے۔ لیکن متعدد واقعات ثابت ہوتا ہے کہ مزاح میں کسی قدر تشدد تھا اور اپنی رائے پر انہیں اصرار بھی ہوتا تھا۔ سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس میں انصار نے انہیں کو خلیفہ بنانا چاہا تھا اور انہوں نے انصار کے فضائل و مناقب پر ایک بڑی پر جوش اور دلورہ انگیز تقریر کی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر منتخب ہو گئے تو ان میں (سعد بن عبادہؓ) اور حضرت عمرؓ میں بڑی تلخ اور گرم گفتگو ہوئی جس کی تفصیل طبری میں موجود ہے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ خلافت صدیقی میں ہی ملک شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۶ کتاب ہذا ۲۔ کتاب ہذا

میں مقام حوران میں ۱۵ھ میں وفات پائی۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان میں اور حضرت عمرؓ جو سخت کلامی ہوئی تھی اور پھر وہ شام چلے گئے۔ اس سے مورخین نے قیاس کیا ہے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت نہیں کی تھی۔ اور تو اور خود حافظ ابن حجر کو مخالفہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وقصته في تخلفه عن بيعة أبي بكر
مشهورة له
ابوبكر سے ان کی بیعت نہ کرنے کا قصہ مشہور ہے۔

ابو محمد نے کلمی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعد بن عبادہؓ کے پاس شام آدمی بھیجا اور تاکید کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو بیعت کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس شخص نے شام پہنچ کر مقام حوران میں ایک باغ میں سعد بن عبادہؓ سے ملاقات کیا اور انکو بیعت کرنے کی دعوت دی، انہوں نے کہا: ”میں ایک قریشی سے کبھی بیعت نہیں کیوں گا۔ اس شخص نے کہا ”تو میں آپ سے جنگ کروں گا“ سعد بن عبادہؓ بولے اگر تم مجھ سے جنگ کرو۔ وہ بولا ”کیا امت جس پر اتفاق کر چکی ہے آپ اس سے باہر ہیں گے؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں میں بیعت کے معاملہ میں تو امت سے الگ ہی رہوں گا۔“ اس پر اس شخص نے تیر مار کر سعد بن عبادہؓ کو قتل کر دیا۔ ۱۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ محض انسا نہ ہی ہے اصل یہ ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت علیؓ کی طرح حضرت سعد بن عبادہؓ نے بھی بیعت کر لی تھی۔ طبری میں جابر سے روایت ہے کہ ایک دن سعد بن عبادہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اے گروہ مہاجرین تم نے میری امارت پر حسد کیا اور اسے ابوبکرؓ اپنے اور میری قوم نے مجھ کو بیعت پر مجبور کر دیا۔ اس پر مہاجرین نے جواب دیا کہ اگر ہم آپ کو افتراق پر مجبور کرتے مگر آپ اتحاد کی حمایت کرتے تو آپ کیلئے بڑی گنجائش ہوئی (یعنی آپ حق پر ہوتے) لیکن ہم نے تو آپ کو اتحاد پر مجبور کیا ہے اسلئے اس پر معذرت خواہی کی ضرورت نہیں ہے، اسکے بعد ان سے کہا گیا۔ لکن نزعۃ یداً من طاعة او فوقت اگر آپ طافت سے دست کش کرتے یا جانت میں

جماعة لغيره من الذي فيه عيناك له پھر ڈالنے سے متعلق ہم آپ کا سرا ڈال دیتے۔
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر سے
بیعت تو کر لی تھی لیکن کسی قدر ناگواری کے ساتھ۔ لیکن اس سے بھی زیادہ واضح
اور صاف مسند امام احمد بن حنبل کی روایت ذیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
سعد بن عبادہ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔

حضرت ابوبکر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خطبہ دیا تو انصار کی کوئی فضیلت
نہ تھی جو اپنے بیان نہ کی ہو۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے
جب قریش و لاة هذا الامر یعنی قریش امر خلافت کے سربراہ ہوں گے فرمایا تھا تو
اے سعد آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو یاد ہے نا۔؟ سعد بولے جی ہاں!
آپ بیچ فرماتے ہیں "اس کے بعد سعد بن عبادہ نے کہا۔ نحن الونداء وانتم
الامراء ہم یعنی انصار وزیر ہوں گے اور آپ لوگ یعنی قریش امیر۔ یاد ہو گا کہ یہ
بے عینہ وہی بات ہے جو سقیفہ کی مجلس میں حضرت ابوبکر نے انصار کو خطاب کر کے کہی تھی
مسند امام احمد کی اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی تقریر کے بعد
حضرت سعد بن عبادہ بالکل صدیق اکبر کے ہمنوا ہو گئے تھے اور دونوں میں کوئی
اختلاف باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر البیہقی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں
کہ ابن عبد البر نے جو یہ لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی یہاں
تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اس روایت سے اس کی تغلیط ہوتی ہے بلکہ طبری میں تو
ایک روایت میں بالکل صاف صاف ہے کہ تابع القوم علی البیعة و بایع سعد

(طبری ج ۲ ص ۳۵۹)

حافظ ابن حجر اور ابن عبد البر کا بیان ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ حضرت ابوبکر کے
عہد خلافت میں ہی ان سے ناراض ہو کر شام میں جا بسے تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت
عمر کے عہد خلافت میں شام گئے ہیں۔

اس بحث سے یہ معلوم ہوا ہو گا کہ انصار اور مہاجرین میں کوئی لائق ذکر شخصیت
ایسی نہیں تھی جس نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی ہو اور اس معاملہ میں جمہور اُمت سے الگ
اپنے لئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا ہو۔ البتہ ہاں اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ ایسے
عز و تہ کے جو کھلم کھلایا در پردہ صدیق اکبر کے انتخاب پر نکتہ چینی کرتے اور اس ذریعہ سے
مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن یہ وہی لوگ تھے جو محض برا
بیت یعنی کسی غرض کیلئے مسلمان ہوئے تھے۔ ورنہ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے
یہ وہی لوگ ہیں جو بعد میں مرتد کہلائے۔ ان کا ذکر آگے آتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق
انہیں کی نکتہ چینی کے جواب میں فرمایا کرتے تھے۔

أَلَسْتُ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ لَمْ يَمُنْ دُونَِي وَهِيَ دُونَِي مَنْ جَاءَ سَبْعَ سِنِينَ قَبْلَ مَا قَبِلَ كَيْتَا۔
ایک شبہ کا ازالہ کسی خوش فہم کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ انتخاب کے وقت خلیفہ
اول نے جو خطبہ دیا تھا اس میں تو صاف صاف فرمایا تھا کہ میں اپنے آپ کو تم
سب سے زیادہ خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا۔ پھر اب انہوں نے کیسے احق بالخلافہ ہونے
کا دعویٰ کیا؟ اصل یہ ہے کہ خطبہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ صدیق اکبر کا طبعی انکسار تھا
لیکن اشارہ چشم و ابرو نے نبوت کا راز داں آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔ آپ
نے خلافت کا بار سزاں محض ان ارشادات و ایماذات نبوی کی تکمیل کے جذبہ میں
اپنا فرض سمجھ کر برداشت کیا تھا جو آپ کی خلافت کے بارے تھے اور جو کسی پر بھی
غنی نہیں تھے۔ پس جب آپ نے خلافت کو قبول فرمایا تو اب ہمیشہ خلیفہ آپ کا
فرض تھا کہ اپنی اس خلافت کو حق ثابت کریں۔ اور اس طرح کسی شخص کو بھی فتنہ
انگیزی کا موقع نہ دیں۔ ورنہ جس شخص کو خود اپنے اوپر اعتماد نہ ہو وہ دوسروں
سے وفاداری کا مطالبہ کیونکر کر سکتا ہے؟۔

خلافت

بیعت عامہ کے بعد حضرت ابوبکر بالکل بجا اور حق طور پر خلیفہ منتخب ہو گئے۔ لیکن خلافت صدیق کی تاریخ اور اس کے کارناموں کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ خلافت کی تعریف، اس کا مرتبہ و مقام اور اس کیلئے جن اوصاف و کمالات کی ضرورت ہے ان سب پر کلام کیا جائے اور ساتھ ہی آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف قولاً و عملاً جو اشارے کئے تھے ان کا بھی ذکر کیا جائے۔

خلافت کی تعریف | خلیفہ کا لفظ خلافت سے مشتق ہے۔ خلافت کے لغوی معنی نیابت جانشینی اور کسی کی قائم مقامی کے ہیں، خلیفہ کو خلیفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ کا قائم مقام نائب اور جانشین ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ خلیفہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کرتا ہے۔ اور ان کا استدلال آیات ذیل سے ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ
الْأَرْضِ ۚ

یاد کرو! اُس وقت کہ جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بناتا ہوں۔ اور وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

حضرت داؤدؑ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ۖ
اس بنا پر ان علماء کے نزدیک ایک خلیفہ کو اگر خلیفہ اللہ کہہ کر پکارا جائے تو جائز ہے لیکن جمہور علماء اس کو ناجائز اور کسی کو خلیفہ اللہ کہہ کر پکارنے والے کو فاسق اور فاجر

کہتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ قائم مقامی کسی غائب کی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ پھر اس کی نیابت کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یا خلیفۃ اللہ کہہ کر خطاب کیا تو آپؓ نے فرمایا۔
”میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہؐ کا خلیفہ ہوں۔“
خلیفہ کا منصب اور اس کے | چونکہ ایک خلیفہ رسول اللہؐ کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اس بنا پر پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ آپ کا منصب کیا فرائض و واجبات تھا اور آپ کے فرائض و واجبات کیا تھے؟۔

آنحضرتؐ کے ذمہ جو فرائض تھے اصولی طور پر وہ دو قسم کے تھے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ احکام و ہدایات لینا اور ان کو امت تک پہنچانا۔ ۲۔ امت کے لئے ایک ایسا مرکزِ اطاعت و فرمان برداری بننا کہ خواہ کسی قسم کا کوئی معاملہ ہو معاشرے سے متعلق ہو یا معاش سے، مادی زندگی سے اس کا تعلق ہو یا روحانی۔ کوئی سیاسی امر ہو یا سماجی، کوئی اخلاقی مسئلہ ہو یا اقتصادی ہر ایک میں آپ کا قول ایک آخری اور قطعی حکم کا مرتبہ رکھتا ہے۔ جس سے انحراف و سرتابی جائز نہیں تھی۔ قرآن مجید کا اعلان ہے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ
جس کسی چیز سے تم کو روک دیکیں روک جاؤ۔

ظاہر ہے کہ پہلا فرض صرف آنحضرتؐ کی ذاتِ باریکات کے ساتھ مخصوص تھا۔ آپ خاتم النبیین تھے جب آپ کی وفات ہوئی تو وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور اب کسی شخص کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

البتہ ہاں دوسرا فرض وہ برابر قائم ہے اور قائم رہے گا۔ آنحضرتؐ کی جب وفات ہوئی تو اُنہوں نے اُکملت لکم دینکم کے ارشاد کے مطابق شریعت کی تکمیل ہو چکی تھی۔ احکام و مسائل کی قانونی تنقیحات متعین ہو چکی تھیں اور اب آپ کے

بعد والوں کا یہ فرض تھا کہ وہ اس قانون کی روشنی میں امت کی رہنمائی کریں پھر اس دوسرے فرض کے دو پہلو ہیں۔ ایک احکام الہی کی تبلیغ و اشاعت اور دوسرے ان احکام کا اجرا اور ان کی تنقید تبلیغ و اشاعت ہر صحابی کا فرض تھا۔ لیکن احکام کی تنقید اور ان کا اجرا بغیر سیاسی طاقت و اقتدار کے ممکن نہیں تھا۔ پس اس سیاست کا جس کو ہم سیاست شرعیہ بھی کہہ سکتے ہیں جو مرکز ہو گا وہی خلیفہ یا امام کہلائے گا۔

ایک خلیفہ اپنے عہد میں پوری امت کا مرکز اطاعت ہوتا ہے اور اسکو مسلمانوں پر روحانی اور جسمانی سیاسی اور اخلاقی ہر قسم کا اقتدار حاصل ہوتا ہے چونکہ اس کی حیثیت قانون کی شارح اور احکام کو نافذ کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اس بنا پر اس کا ہر قول قبول فیصل اور اس کا ہر حکم واجب الاتباع ہوتا ہے۔ اس سے بغاوت کرنا یا اس کی نافرمانی ایسا ہی گناہ ہے جیسا کہ خود آنحضرتؐ کی چنانچہ قرآن میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ جن "اولوالاہر" کی اطاعت کا حکم ہے ان سے مراد وہی لوگ ہیں جو منصب خلافت پر سرفراز ہوں۔

صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ	جو شخص میری اطاعت کرتا ہے اس نے
ومن عصانی فقد عصی اللہ	اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی
ومن اطاع امیری فقد اطاعنی	اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس شخص نے میرے
ومن عصی امیری فقد عصانی	امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور میرے
(کتاب الاحکام)	امیر کی جس نافرمانی کی اُس نے خود میری نافرمانی کی۔

لے یہ واضح رہنا چاہیے کہ خلیفہ کی حیثیت صرف قانون شریعت کے شارح کی ہے۔ خود قانون سازی کی نہیں ہے۔ قانون وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی خلیفہ اسلامی شریعت کے مستعمل قانون (معروف) کے خلاف کوئی حکم دے تو جو کو اس نے یہ کام اپنی حدود سے متجاوز ہو کر کیا ہے۔ اس بنا پر اس کی اطاعت کا حکم نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے لا طاعة الا فی معروف۔

اس حدیث میں لفظ امیر سے بھی خلیفہ مراد ہے چنانچہ امام بخاری نے جس باب کے ماتحت اس روایت کو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ اَطِيعُوا اللَّهَ وَ اطِيعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ مقرر کیا ہے۔

خلیفہ کیلئے ضروری چونکہ سوائے وحی الہی کے اور تمام پیغمبرانہ فرائض کی انجام دہی خلیفہ اوصاف و کمالات کے ذمہ ہوتی ہے اس بنا پر ظاہر ہے اسکو ان روحانی جسمانی اور اخلاقی کمالات و فضائل سے منصف ہونا چاہئے جن سے ایک پیغمبر منصف ہوتا ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان کمالات کے ساتھ اس کا درجہ انصاف وہ نہیں ہو سکتا جو ایک پیغمبر کا ہو گا کیونکہ اصل بہر حال اصل ہے اور فرع بہر حال فرع۔ تاہم ان پیغمبرانہ اوصاف و کمالات کا عکس اس کے اندر ضرور ہونا چاہئے۔

اسی حقیقت کا تجزیہ و تحلیل کر کے علمائے خلافت و امامت کے شرائط کا تعین لینے اپنے مذاق کے مطابق کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون کے نزدیک اس منصب جلیل و عظیم کے لیے چار شرطیں ہیں۔

۱۔ علم۔ جب تک خلیفہ کو احکام و مسائل شریعت اور ان کے منافع و مآخذ کا علم نہ ہو گا۔ وہ احکام خداوندی کا اجرا کیونکر کر سکتا ہے۔ علاوہ برین علامہ کی رائے میں صرف عالم ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو صاحب اجتہاد بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ تقلید نقص ہے اور امامت چاہتی ہے کہ اوصاف و احوال میں کمال ہو۔

۲۔ عدالت۔ چونکہ خلافت ایک منصب دینی ہے اس بنا پر خلیفہ میں عدالت یعنی راست بازی اور نیکو کاری کا ملکہ راسخ ہونا ضروری ہے۔ اگر خلیفہ ممنوعات و محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرتا ہے تو عدالت بالاتفاق ختم ہو جائیگی۔ البتہ اعتقادی بدعتوں میں مبتلا ہونے کی صورت میں اختلاف ہے۔

۳۔ کفایت۔ اس سے یہ مراد ہے کہ خلیفہ میں حدود شرعیہ کو قائم کرنے، مملکت اسلامی کی سرحدوں کی حفاظت اور دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے جس سمجھ بوجھ حسن تدبیر عزم و ہمت اور استقلال و جفاکشی کی ضرورت ہے۔ یہ سب اس میں پائے جائیں۔

۴۴) سلامتِ حواس و اعضاء جس کی وجہ سے اس کی کسی رائے اور عمل پر کوئی بڑا اثر نہ پڑے یعنی خلیفہ کو آنکھ ناک کان ہاتھ پادیں غرض ہر جسمانی عضو و جارحہ کے اعتبار سے تندرست و توانا اور صحیح و سلامت ہونا چاہئے۔ اسی طرح باطنی قوتوں یعنی ذہانت و فطانت جس تدبیر اور اعتدال مزاج و طبیعت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہئے۔ لے

امام ابوالحسن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے انہیں اوصاف و شروط کو ذرا پھیلا کر لکھا ہے تو نسب کو چھوڑ کر جس کی بحث آگے آئی ہے چھل کر دیا ہے لے

مذکورہ بالا اوصاف و شروط تو وہ ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے ان کے علاوہ ایک اہم بحث یہ ہے کہ کیا خلیفہ کے لئے نسب کی بھی شرط ہے؟ اور اگر ہے تو کیا اسکو خاندانِ نبوت میں سے ہونا چاہئے۔ یا صرف قریشی ہونے کی شرط ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی سیاسی اعتبار سے کچھ ایسی صورتِ حالات پھوٹ گئی کہ یہ مسئلہ نہایت اہم بن گیا۔ ورنہ درحقیقت بات بالکل واضح و صاف ہے۔

خلافت کے لئے قرابت | جہاں تک خلافت کیلئے قرابت رسول کی شرط کا تعلق ہے تو ہر رسول کی شرط | شخص جس نے اسلام کا اور آنحضرتؐ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے جانتا ہے کہ آپؐ نے اپنے خاندان و اولوں کے ساتھ مرتبہ و منصب و راحت و آسائش یا دولت و ثروت کے اعتبار سے کبھی کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا۔

آپؐ کو حضرت فاطمہؑ ہر اکے ساتھ جو محبت تھی اہل بیت میں کسی کے ساتھ نہیں تھی اور پھر حضرت علیؑ ابن عم بھی تھے اور چہیتی بیٹی کے شوہر بھی، ایک شہنشاہ کو نین اگر چاہتا تو ان دونوں کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن جس ذاتِ قدسی صفات نے کوئین کی شہنشاہی کے باوجود فقر کو اپنے لئے فخر کہا ہو۔

اس سے اس کے سوا اور کیا توقع ہو سکتی تھی کہ جب اُس کی جگہ گوشہ (حضرت فاطمہؑ) نے شکایت کی کہ چکی چلاتے چلاتے ہاتھ میں گئے پڑ گئے ہیں۔ تو کسی غلام یا باندی کا انتظام کرنے کی بجائے ایک تسبیح بتا دی۔

پھر جو کلمہ اسلام اِنْ اَکُوْا مَکُوْا عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَاکُمْ (اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز و سچے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے) کی حقیقت کو دنیا میں ثابت اور قائم کرنا چاہتا تھا اس بنا پر رنگ و نسل اور حسب و نسب کے امتیازات کا خاتمہ کرنا اس کے لئے ضروری تھا آنحضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؑ کا نکاح ایک غلام زید بن حارثہ سے کر کے اور پھر حضرت زیدؑ کی طلاق کے بعد خود ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرما کر اسلام کی اس تعلیم کیلئے ایک نمونہ قائم کر دیا تھا، اس بنا پر یہ کیونکر یاد رکھا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے خلافت کے معاملہ میں اپنے خاندان کی تخصیص کی ہو۔

صرف یہ نہیں کہ آپؐ نے اس معاملہ میں کوئی تصریح ہی نہیں کی۔ بلکہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر آنحضرتؐ سے آل بیت میں سے کسی کی خلافت کے بارہ میں دریافت کیا جاتا تو آپؐ نفی میں جواب دیتے۔ چنانچہ حضورؐ کے مرض و وفات میں ایک مرتبہ حضرت عباسؑ حضرت علیؑ سے ملے۔ تو کہا کہ مجھ کو آثارِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ اس مرض سے جاں بر نہیں ہوں گے۔ تو ذرا آپؐ سے دریافت کر لو کہ کیا آپؐ کے بعد خلافت ہم کو یعنی بنو ہاشم کو ملے گی۔ اگر ایسا ہوگا تو حضورؐ بیان فرمادیں گے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں ہرگز آپؐ سے دریافت نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر آپؐ نے اس وقت انکار فرما دیا تو پھر کبھی ہم کو خلافت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ لے

علاوہ ازیں خلافت ایک عالم گیر دینی منصب ہے اور خلیفہ کو پورے عالم اسلام

میں اپنے روحانی اور جسمانی و اخلاقی کمالات و اوصاف کے اعتبار سے بلند تر ہونا چاہئے پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اس کو کسی ایک خاص خاندان کے ساتھ خواہ وہ اپنے بانی اور مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے کتنا ہی موقر و ممتاز اور سرفراز و سر بلند ہو مخصوص کر دیا جاتا۔ ایسا کر دینا اسلامی نظام حکومت کی جمہوری اہمیت کے سراسر خلاف تھا اور اس سے اسلام ایسا عملی مذہب پاپائیت کی شکل اختیار کر لیتا۔

اہل بیت میں سے اگر آنحضرتؐ کی کو خلافت کے لئے نامزد فرماتے تو وہ حق تعالیٰ کے سوا دوسرا کون ہو سکتا تھا۔ جامعہ خلافت فاتح خیر کے قاضی موزوں پر راست آتا تھا اور وہ بجا طور پر اس کے مستحق بھی تھے لیکن آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت علیؑ اور بنو ہاشمؑ کو بھی تھا کیوں؟ اس میں دو مصلحتیں تھیں۔ (۱) آنحضرتؐ یہ سمجھتے تھے کہ اگرچہ آپؐ حضرت علیؑ کا استخلاف ان کے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنا پر کریں گے لیکن مسلمانوں کو اس سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ خلافت خاندان نبوت میں محدود ہو گئی اور یہ چیز قطعاً اسلام کی اصل روح اور اس کی تعلیمات کے خلاف تھی۔ پھر

اس بات کی کون ضمانت لے سکتا تھا کہ خاندان نبوت میں ہمیشہ اسد اللہ الغالب ہی پیدا ہوتے رہیں گے۔

(۲) آنحضرتؐ نے اپنی جہنم دور میں سے دیکھ لیا تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ہی فتنہ و فساد اور کفر و ارتداد کا ایک عظیم طوفان اُمنڈنے والا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ فقط جلال فاروقی کافی ہو سکتا ہے اور نہ صرف شجاعت حمیدی بلکہ دلبری کے ساتھ قاہری، جوش کے ساتھ ہوش اور نرمی کے ساتھ گرمی مل کر ہی اس نہر کا تریاق ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے جاہ و جلال و عصب و داب اور طاقت و قوت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام خلافت کے لئے پیش کیا اور فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو تو فاروقی اعظم نے جواب میں کس قدر بلیغ فقرہ ارشاد فرمایا۔

”ان قوتی لک مع فضلک“ میری ساری قوت تو آپؐ کیلئے ہی وقف ہے اور آپؐ میں تو فضل بھی ہے خلافت کے لئے اسی سلسلہ میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط ہے؟ قریشی ہونے کی شرط اس مسئلہ کا تعلق دراصل علم الفقہ سے ہے اور وہ علم الکلام کے دائرہ بحث میں نہیں آتا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے۔ چونکہ اس مسئلہ کو غیر معمولی اہمیت دیدی گئی اس بنا پر اس کی حیثیت بجائے جزائی مسئلہ ہونے کے اصولی مسئلہ کی ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے اسکو علمائے کلام نے فقہ کے دائرہ سے نکال کر علم الکلام کے مباحث میں شامل کر لیا ہے۔

مادہ دوسرے نے خلافت کیلئے جو شرط معتبرہ گنوائی ہیں ان میں ساتویں شرط قریشیت بیان کی ہے اور اس کو مستحق علیہ کہا ہے لہ علامہ ابن خلدون نے بھی اس شرط کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو مختلف فیہ کہتے ہیں۔

واختلف فی شرط خامس وهو النسب القریشی لہ
اور پانچویں شرط یعنی قریشی النسب ہونا اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔

اور صحیح بھی یہی ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا السید محمد انور شاہ الکشمیریؒ ہواہب الرحمنؒ

لہ ابن سعد بحوالہ الصواعق المرقرص۔ حضرت ابوبکرؓ کی نرمی اور رقت قلب کا یہ عالم تھا کہ حضرت فاطمہؓ کو مکان پر اپنی کبیۃ خاوری کا اہلہ فرماتی ہیں اور آنحضرتؐ کو ان کے ساتھ جو محبت تھی اسکا حوالہ دیتی ہیں تو بلے ساختر روئے لگتے ہیں اور ہچکی بندھ جاتی ہے۔ حضرت علیؑ کو طرف سے اپنے لٹال کا اظہار کرتے ہیں تو پیشانی پر بل نہیں پڑتا بلکہ لجا لجا کر معذرت پیش کر رہے ہیں۔ سعد بن عبادہ کے ساتھ حضرت عمرؓ تلخ کلامی کرتے ہیں تو انکو روک رہے ہیں لیکن ساتھ ہی تہر کا عالم یہ ہے کہ مانعین نکلوا سے متال کرنے کے بارہ میں ناروق اعظم ذرا پس و پیش کرتے ہیں تو حضرت ابوبکرؓ ان کو طعنہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں اجبار فی الجاہلیۃ ونحوہ فی الاسلام“ واہ کیا خوب اسلام سے پہلے آپؐ بڑے سخت اور متعصب تھے۔ مگر اب اسلام کے عہد میں یہ کمزوری لہ الاحکام السلطانیہ ص ۴۴ تا تاریخ ابن خلدون ج ۱ ص ۱۶۱۔

نقل کرتے ہیں کہ۔

انہالیست بشرط عند اہامنا۔ قریشیت ہمارے امام صاحب کے نزدیک امامت کیلئے شرط ہیں اس کے بعد تحریر المختار فی المناقضات علی رد المختار کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی رائے بھی یہی ہے لے

ابن خلدون کی رائے | ابن خلدون نے اگرچہ اس کو مختلف فیہ بتایا ہے لیکن وہ خود اور ان کے دلائل | اس شرط کی حمایت میں ہیں اور خلافت و امامت کے لئے اس کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

موصوف نے اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں اگر ان کو ترتیب وار بیان کیا جائے تو وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ”الاکمۃ من قریش“

۲۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن جب ابو بکر صدیقؓ نے ان کو آنحضرتؐ کا مذکورہ بالا ارشاد گرامی یاد دلایا تو سب خاموش ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ اس وقت کسی نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی تردید نہیں کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا قریشیت کی شرط پر اجماع تھا اور وہ سب ارشاد نبوی اکمۃ من قریش سے واقف تھے۔

۳۔ صحیح حدیث میں ہے کہ یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ”اسی طرح کی دلیلیں کثرت سے وہ ہیں۔ لیکن جب قریش کے حالات مکرور ہو گئے اور راحت پسندی و آرام طلبی میں پڑ جانے کی وجہ سے انکی عصیت (خاندانی خصوصیت) پارہ پارہ ہو گئی تو وہ خلافت کا بوجھ بٹانے کے قابل نہیں رہے۔ ان پر عجمی غالب آ گئے اور وہی ارباب حل و عقد بن گئے۔

اس سے اکثر محققین کو اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے قریشیت کی شرط کے ہی منکر ہو گئے لے

علامہ ابن خلدون | غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابن خلدون کی تیئوں دلیلوں میں سے کے دلائل پر بحث | کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس پر کوئی اعتراض یا اشکال وارد نہ ہوتا ہو۔ سب سے زیادہ مؤثر اور قوی پہلی دلیل ہے اس پر چند وجوہ سے اشکال وارد ہوتا ہے۔

(الف) اکمۃ من قریش کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ انشا ہے یا خبر۔
(ب) اگر خبر ہے اور اس کی مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ دے رہے ہیں کہ امت میں جو امام پیدا ہونگے وہ قریش میں سے ہی ہونگے تو ظاہر ہے کہ یہ خبر صادق نہیں ہے تاریخ اسلام میں سب نہ سہی وقتاً فوقتاً ایسے خلفاء ضرور پیدا ہوئے رہے ہیں جو اقامت دین کا فرض ادا کرتے تھے اور جملہ شرائط امامت کے جامع تھے لیکن قریشی نہیں تھے۔

(ج) اگر انشا ہے اور مراد یہ ہے کہ حضورؐ حکم دے رہے ہیں کہ جو امام منتخب کیا جائے اس کے لئے قریشی ہونا ضروری ہے تو پھر ان روایات کا کیا جواب ہوگا جن میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک عجمی حبشی بھی تمہارا امام ہو تو اس کی اطاعت کرو۔

عن ابن بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم اسعوا واطيعوا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم سماع و اطاعت سے وان استعمل علیکم عبد حبشی کان کام لو اگرچہ تمہارا امام ایک حبشی غلام ہو جس کا سر ایک کشش کے دانہ کی طرح نظر آتا ہو۔

یعنی بد صورت و کمر بہہ المنظر ہو۔

ایک غیر قریشی کی امامت اگر منعقد ہی نہیں ہو سکتی تو پھر اس کی اطاعت کا حکم کیسا؟ یہ واضح رہنا چاہئے کہ امام بخاری نے اسی روایت کو کتاب الصلوٰۃ میں

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰ کتاب الاحکام، کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حدیث میں ”استعمل“ کا لفظ ہے۔ نہ کہ ”استخلف“ کا کیونکہ امام بخاری نے اس روایت کو جس باب کے ماتحت درج کیا ہے اس کا ترجمہ السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیۃ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ”استعمل“ سے مراد استخلف ہے۔

باب امامۃ العبد والولیٰ کے ماتحت بھی درج کیا ہے جس سے مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب ایک عہد کو امامت کبریٰ کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو وہ امامت صغریٰ یعنی نماز میں امام بننے کا اہل کیوں نہیں ہوگا؟

علاوہ انہیں صحیح بخاری میں ہے۔

ان هذا الامر في قریش
لا یعاد یلہوا احد الا کبد
اللہ علی وجهہ ما قاموا
الدين له

اب فرعن کرد۔ اس حدیث کے مطابق اور جیسا کہ خود تاریخ سے ثابت ہے ایک ایسا وقت آگیا جبکہ قریش اقامت دین کے قابل نہیں رہے تو اب سوال یہ ہے کہ چونکہ منصب امام پوری امت پر فرض کفایہ ہے اس لئے ایسی صورت میں امام کا انتخاب کیونکر کیا جائے گا جو قریشی ہے وہ اقامت دین سے عاجز ہے اور جو اقامت دین کر سکتا ہے وہ بد قسمتی سے قریشی نہیں۔ ان دونوں میں کس کو امام بنایا جائے؟ اگر قریشی کو ہی تو پھر ما اقاموا الدین کا مطلب کیا ہوا؟ اور اگر غیر قریشی کو تو پھر ظاہر ہے کہ الامۃ من قریشی انشا کے لئے نہیں ہوا اور اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہوئی کہ امام و خلیفہ کے لئے قریشی النسب ہونا ضروری ہے۔

سالم حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت عجیب خوش الحانی سے کرتے تھے جب یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو لوگ کہتے تھے۔ ذہب ربح القرآن لکھ حضرت عمر فاروق کو ان کے ساتھ بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ لو کان سالم حیا لولیتہ اگر سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو امیر بناتا۔ حضرت عمر خود اجلۃ قریش میں سے تھے اور حضرت ابو بکر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حدیث الامۃ من قریشی پڑھی تھی تو اس وقت وہ خود بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت

عمر فاروق کا ایک غلام کی نسبت یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر حدیث زیر بحث کا مطلب یہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ امام کا قریشی ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر امامت کا انعقاد ہو ہی نہیں سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ اچھا! جب الامۃ من قریشی انشا ہے اور نہ خبر تو پھر آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جس طرح ہر خاندان کی کوئی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور عام بول چال میں اس خصوصیت کو اس خاندان کے لوگوں میں محدود کر کے بولتے ہیں۔ مثلاً ہم یوں کہیں کہ علما، تو دیوبندیوں یا فرنگی محلیوں میں ہوتے ہیں تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ علما، دیوبند اور فرنگی محل کے علاوہ کہیں اور پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اسی طرح آنحضرت کا منشا یہ ہے کہ امامت کے لئے جن اوصاف و کمالات کی ضرورت ہے مثلاً۔ تدبیر، شجاعت، شہامت، قیادت کی صلاحیت یہ سب قریشی میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اوصاف قریشی کے علاوہ کسی اور خاندان یا قبیلہ کے کسی شخص میں پائے ہی نہیں جاسکتے۔ بہر حال مدار امامت وہ اوصاف و کمالات ہونے جو قریشی کا طغرلے امتیاز تھے، نہ کہ خود قریشی النسب ہونا۔

علامہ ابن خلدون کے عجیب بات ہے کہ علامہ ابن خلدون جنھوں نے شرط قریشیت کلام میں تضاد کی بڑی پرزور حمایت کی ہے اسی بحث میں جب اس شرط کی حکمت پر گفتگو کرتے ہیں تو ایسی تقریر کر جاتے ہیں جس سے شرط قریشیت کی نفی ہوتی ہے اور اگرچہ پیرایہ بیان بدلا ہوا ہے لیکن اس تقریر کا حاصل بھی وہ ہی نکلتا ہے جو ہم نے ابھی حدیث زیر بحث کی توجیہ میں لکھا ہے۔ چونکہ اس تقریر میں بعض بڑی اہم باتیں بھی قلم سے نکل گئی ہیں اسلئے کسی قدر طویل ہو جانے کے باوجود ہم اسی کو مجتبہ نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں۔

”اب ہم امامت و خلافت میں نسب (قریشیت) کی شرط کی حکمت پر کلام کرتے ہیں۔ تاکہ ان مذاہب میں جو حق ہے وہ ظاہر ہو جائے اور ہم کہتے ہیں کہ تمام احکام شرعیہ کے مقاصد بھی ہوتے ہیں اور ان کی حکمتیں بھی ہوتی ہیں جہاں تک قریشی النسب ہونے کی شرط کا تعلق ہے تو اس میں شارع کی حکمت صرف اس قدر ہی نہیں ہے۔

کہ اس ذریعہ سے آنحضرتؐ کی قرابت سے برکت و سعادت حاصل کی جائے۔ اگرچہ یہ برکت بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن تبرک مقاصد شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نسب کی شرط لگانے میں حکمت اور مقصدِ شارع یہ ہے کہ اس ذریعہ سے امت میں استحکام اور مضبوطی رہے اور ان میں آپس میں گروہ بندی اور تفرق و تشتت پیدا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ قریشی مفسر سے زیادہ طاقت و سطوت اور دبدبہ و رعس کھتے تھے اور پورا عرب ان کی سیادت و عظمت کو تسلیم کرتا تھا۔ اس کے برعکس قبائل مفسر میں یہ بات نہیں تھی اس لیے اگر خلافت غیر قریشی میں چلی جاتی تو بھوٹ پڑ جاتی اور وحدت کلمہ باقی نہیں رہتی ابن اسحق نے بھی کتاب السیر وغیرہ میں یہی لکھا ہے۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ قریشیت کی شرط دفع تنازع اور اتحاد کلمہ کی بقا کی غرض سے ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شارع اپنے احکام کسی گروہ، زمانہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کرتا ہے تو اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ قریشیت کی شرط کا دراصل مفہوم وہ ہی ہے جو کفایت کا ہے۔ اسی بنا پر جو شخص بھی مسلمانوں کا والی یا امام ہو اس کیلئے ہم نے اس بات کی شرط لگائی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت یا ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہو جس کی سیادت اور عظمت مسلم ہو۔ اور مسلمانوں میں جس کو اعتبار و وقار حاصل ہو، جیسا کہ قریش کو عرب میں حاصل تھا۔

اس تقریر کے اخیر فقرہ کو غور سے پڑھو اور بتاؤ کہ کیا اس کا حاصل اور مطلب ٹھیک ٹھیک وہی نہیں ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی آنحضرتؐ نے قریش کو بطور تمثیل پیش کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ امام اپنے زمانہ میں ایک ایسی با اقتدار جماعت کا فرد ہو جیسا کہ قریش عہدِ نبوت و خلافت میں تھے تاکہ اس میں امت کے اوصاف و کمالات بدرجہ اتم پائے جائیں تو گویا اصل مقصد وہ اوصاف و کمالات ہیں جن کے مظہر اس زمانہ لے کفایت کی تعریف اس بحث کے شروع میں ہی گزر چکی ہے اسے پھر دیکھ لیا جائے۔ تاریخ

میں قریش تھے نہ کہ محض نسبتاً قریشی ہونا۔ فشتان مابینہما۔ سطور بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے الامۃ من قریش سے جو استدلال کیا تھا اور صحابہ کرام اس پر خاموش رہے تھے اس وقت اس سے ان کی مراد کیا تھی؟ بے شبہ ان کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ اس وقت کی سوسائٹی میں اور ان حالات میں قریش کو ہی یہ مرتبہ و مقام حاصل تھا کہ مسندِ امامت پر متمکن ہوں۔ غیر قریشی کے امام بننے سے ملت اسلامی میں استحکام اور اجتماعیت کا قیام ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں آپ نے فرمایا تھا۔

وان العرب لا تعرف هذا الامر
واللهذا الحی من قریش لہ

اور عرب اس قبیلہ قریش کے سوا کسی اور کی ولایت والا لہذا الحی من قریش لہ دامت سے آشنا ہی نہیں ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ جب خود قریش میں ابوبکر و عمر اور عثمان و علی جیسی شخصیتیں موجود ہوں تو پھر وہاں کسی اور کو بھی امامت و خلافت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟

اب رہی یہ بات کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔ "تو ازل تو یہ ارشاد مطلقاً نہیں ہے بلکہ "ما عدلوا" یا "ما قاموا الدین" کی قید کے ساتھ ہے اور اس قید کیساتھ اس کا جو مطلب ہوا وہ ظاہر ہی ہے اس کے علاوہ ہر چیز کا بقا اس کے اوصاف و خصائص کی بنا پر ہوتا ہے ارشاد گرامی کا منشا یہ ہے کہ جب تک قریش قریش رہیں گے یعنی اپنے امتیاز و اوصاف پر قائم رہیں گے۔ ان میں خلافت رہے گی اور کوئی شبہ نہیں کہ اگر قریش میں ابوبکر و عمر برابر پیدا ہوتے رہتے تو پھر کس کی مجال تھی کہ ان سے خلافت سلب کر سکتا۔

خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ اس سلسلہ میں دو سراہم مسئلہ انتخاب خلیفہ کا ہے اس کے لیے کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں یا حدیث میں صراحت کیساتھ اس بارہ میں

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۴۴۴ ان الفاظ کیساتھ ساتھ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اوس میں سے کوئی خلیفہ ہوا تو خرنجہ دالے نہیں مانیں گے اور اگر خرنجہ میں سے کوئی ہوا تو اوس نہیں مانے گا۔

کوئی حکم نہیں البتہ چند اشارات ہیں جن سے خلفائے راشدین کے تعامل کی روشنی میں کچھ اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔
 اَمْرٌ مِّمَّكَ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ سَلَامًا لِّمَن لَّا يُلَاحِظْ سِرَّهُمْ وَلَا مَكْرَهُمْ
 اس معلوم ہوا کہ شخصی استبداد اور حکم کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جب خود
 آنحضرتؐ کو حکم و شاورہ کے فی الامر مشورہ کرنے اور دوسروں سے استمراج
 کا حکم ہے تو پھر کسی اور کا کیا ذکر؟

اب رہی یہ بات کہ استمراج و استصواب آج کل کی جمہوریتوں کے قانون و
 دستور کے مطابق مملکت کے ہر بالغ مرد سے کیا جائے جس کو Adult Male Branch
 کہا جاتا ہے یا صرف اربابِ حل و عقد سے جن کی حیثیت آج کل کی آئینی اصلاح میں
 نمائندگان اسمبلی یا ممبران پارلیمنٹ کی ہوتی ہے اس معاملہ میں قرآن نے پہلی صورت
 یعنی بالغوں کے حق رائے دہندگی کو تسلیم نہیں کیا ہے اور دوسری صورت کا اثبات
 کیا ہے اور صاف کہا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
 وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
 کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں
 جانتے برابر ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔

اسلام حقانیت و صداقت کا مذہب ہے۔ ہر چیز کو اس کی اصل باہیت و نوعیت
 کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور عوام فریب الفاظ و اصطلاحات کا طلسم نہیں باندھتا۔ اس
 بناء پر وہ اس بات کا قائل نہیں کہ ایک جاہل، کندہ ناتراش اور شریر و فتنہ پرور انسان
 کو بھی دوطے دینے کا ایسا ہی حق ہے جیسا کہ ایک صاحب علم و فہم اور متقی و صالح کو ہے۔
 اب سوال یہ ہے کہ اربابِ حل و عقد کا تعین کیونکر کیا جائیگا؟ ہمارے زمانہ میں
 میں لوگ عوام سے چھوٹے سچے وعدے کر کے اور چند نمائشی کارنامے انجام دے کر دوطے
 حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس طرح اسمبلی کونسل یا میونسپل بورڈ کے

منتخب ہو جاتے ہیں وہی قوم کے نمائندے اور اس کے اربابِ حل و عقد سمجھے جاتے ہیں
 لیکن اسلام ان لوگوں کو اربابِ حل و عقد سمجھتا ہے جو قوم میں اپنے فہم و تدبیر عمل صالح اور
 بلند گیر کمر کی وجہ سے عوام کے مرجع اور ان کے معتمد علیہ ہوں۔ انہوں نے اپنے لئے قوم
 سے کوئی دوطے نہ مانگا ہو۔ اور دوطے حاصل کرنے کیلئے اپنے کارناموں یا آئندہ کے
 منصوبوں کی کوئی طویل فہرست نہ شائع کی ہو لیکن اس کے باوجود ملت اسلامیہ نے انکی
 ذہنی اور عملی سر بلندیوں سے متاثر ہو کر خود ان کو اپنا امام یا ایڈر تسلیم کر لیا ہو پس قرآن مجید
 میں جن لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم ہے وہ یہی لوگ ہیں۔

ان اصولی اشارات کے علاوہ خاص خلیفہ کے انتخاب سے متعلق قرآن و حدیث میں
 کسی مخصوص نظام یا طریقہ کا حکم نہیں دیا گیا اسی بنا پر حضرت عمرؓ جن تین چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا
 کرتے تھے کہ اگر آنحضرتؐ ان کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مایہا سے زیادہ عزیز
 ہوتی۔ ان میں سے ایک خلافت بھی ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر جب لوگوں نے آپ
 سے جانشینی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ میں کسی کو نامزد کروں یا نہ کروں میرے لئے
 دونوں راستے موجود ہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے کسی کو نامزد نہیں کیا لیکن ابو بکرؓ نے مجھ کو نامزد
 کیا تھا حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں ان کے ذہن میں
 کوئی قطعی حکم نہیں تھا اور اسکو مسلمانوں اور ان کے اربابِ حل و عقد کی رائے پر ہی چھوڑ
 دیا گیا ہے کہ موقع اور محل کے مناسب جو طریقہ پسندیدہ ہو اختیار کر لیں، چنانچہ چاروں
 خلفاء میں سے ہر ایک کا انتخاب ایک جدا گانہ طریقہ پر ہوا۔ ہم ذیل میں اس کی تفصیل
 درج کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب ایک انتخابی مجلس مشاورت میں ہوا جس میں سب
 انصار اور اکابر مہاجرین موجود تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب اپنی تقریر سے انصار کو مطمئن
 کر دیا اور ان سے یہ تسلیم کرایا کہ خلیفہ کوئی قریش میں ہی سے ہونا چاہئے تو پھر
 آپؐ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے نام پیش کئے، اتنے میں جب حضرت عمرؓ
 بیعت کیے حضرت ابو بکرؓ کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ حضرت عمرؓ کا پیش قدمی کرنا تھا کہ

الفاروق مہاجرین ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکر خلیفہ منتخب ہوئے
حضرت ابوبکر کا یہ انتخاب اگرچہ انتخاب عام تھا یا کم از کم کثرت آراء سے ہوا تھا
لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک فوری کاروائی تھی۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا
کہ جب کوئی شخص چاہے حضرت عمر کی طرح اچانک کسی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر
سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین (عمر فاروق) کا
انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ چونکہ بغیر کسی مشورہ کے
محض شخصی پسند پر کسی کو خلیفہ مان لینا اسلام کی تعلیم کے خلاف تھا اس پر جب حضرت عمر
کو اس شخص کا یقین پہنچا تو آپ سخت غضب ناک ہوئے اور حضرت ابوبکر کی بیعت
کو ایک استثنائی مثال قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فلا یعتون امری ان یقول النفا کوئی شخص دھوکہ میں پڑ کر یہ نہ کہے کہ ابوبکر کی بیعت
کانت بیعة ابی بکر فلتة اچانک ہوئی تھی اور پھر بھی درست ہو گئی خبردار ہاں
ولم تالوا وانھا قد کانت کذالک وہ ایسی ہی اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس
ولکن اللہ وقی شرھا۔ جلد بازی کے شر سے محفوظ رکھا۔

اس کے بعد فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ یہ بیعت اچانک اور دفعۃً سہی لیکن
آخر بیعت تھی کس کے ہاتھوں پر؟ صدیق اکبر کے ہاتھ پر! جن سے زیادہ مستحق
خلافت کوئی اور دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ولیس منکم من تقطع الاعناق اور تم میں ابوبکر جیسا کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس
الیه مثل ابی بکر کے پاس دو دوزار سے لوگ سفر کر کے آتے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت کا یہ واقعہ جو ایک استثنائی حیثیت رکھتا تھا اگر حضرت
ابوبکر کا واقعہ نہ ہوتا تو خود حضرت عمر کے نزدیک ایک عظیم شرافہ فتنہ کا باعث ہو سکتا
تھا، اسی بنا پر بطور اصول کے حضرت عمر نے بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہ مسلمانوں کے
باہمی مشورہ کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لینا اس شخص کو خلیفہ نہیں بنا
دیتا ہے۔

من یایع رجلاً عن غیر مشورۃ جس شخص نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی سے
من المسلمین فلا یبایع لہ بیعت کی تو اس سے وہ شخص خلیفہ نہیں بن گیا۔
پہلے دن حضرت ابوبکر کا انتخاب ایک خاص مجلس میں ہوا اور اگرچہ اچانک ہوا لیکن
اس وقت کی سب سے پارٹیوں کے نمائندہ کی موجودگی میں ہوا اور بلا مقابلہ ہوا
اسکے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور ایک لائق ذکر شخص بھی ایسا
نہیں رہا جس نے بیعت نہ کی ہو یا کم از کم اس انتخاب کی مخالفت میں آواز بلند کی ہو۔
اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا انتخاب اور پھر بیعت کے ذریعہ تمام مسلمانوں کا اس
انتخاب پر اپنی رضا مندی کا عملاً اظہار ضروری ہے۔

(۲) خلیفہ رسول کے بعد خلیفہ دوم کا انتخاب اس طرح ہوا کہ اگرچہ حضرت ابوبکر کو اس
کالیقین تھا کہ حضرت عمر سے بڑھ کر دوسرا کوئی شخص ان کی جانشینی کے لیے موزوں
نہیں ہو سکتا تاہم اس معاملہ میں انہوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا اور بحث
و تمحیص کے بعد آخر حضرت عمر کے حق میں عہد نامہ خلافت لکھوایا اور اپنے غلام کو دیا
کہ مجمع عام میں جا کر سنا دے پھر خود بالا خانہ پر پہنچ کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے
پوچھا کہ میں عمر کو نامزد کرتا ہوں تم لوگ اس کو پسند کرتے ہو؟ سب نے سمعنا اطعنا کہا۔
(۳) خلیفہ سوم حضرت عثمان کا انتخاب اس طرح ہوا کہ ایک زخم کاری کے بعد حضرت
عمر کو اپنے جابر نہ ہو سکنے کالیقین ہو گیا تو چھ نامور ان قریش حضرت علی عثمان زبیر
طلحہ سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کی ایک کونسل بنادی اور
وصیت کی کہ چھ آدمی اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ فاروق اعظم کی وفات
کے بعد کونسل کا جلسہ ہوا۔ دو روز تک بحث ہوتی رہی۔ لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر
تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوف کی تجویز کے مطابق تین حضرات نے اپنے نام
واپس لے لئے اور اب خلافت بجائے چھ کے تین شخصوں میں دائرہ گئی۔ جن میں سے
ایک خود عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ بعد میں انہوں نے بھی اپنا نام واپس لے لیا۔ اب

لے دے کے صرف دورہ گئے ایک علی اور دوسرے عثمان ان دونوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنا حکم تسلیم کر لیا۔ اب عبدالرحمن بن عوف اور سب صحابہ مسجد میں جمع ہوئے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک مؤثر تقریر کی اور پھر حضرت عثمان کی طرف بیعت کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے۔ ان کے بعد حضرت علی نے بیعت کی۔ آپ کا بیعت کرنا تھا کہ صحابہ ٹوٹ پڑے اور حضرت عثمان اتفاق آرا سے مسند آرائے خلافت ہو گئے۔

(۴) خلیفہ چہارم حضرت علی کا انتخاب نہایت ہنگامی حالات میں ہوا۔ حضرت عثمان کے شہید ہوتے ہی فتنہ و فساد کے دروازے کھل چکے تھے۔ طوائف الملوکی نے اسلامی جمعیت و اتحاد کا شیرازہ پراگندہ کر دیا تھا۔ مدینہ میں خاک اڑنے لگی تھی صحابہ کرام جو اس وقت حیات تھے منتشر تھے۔ ان میں سے بہترے تو مدینہ سے باہر ادھر ادھر کے علاقوں میں تھے۔ قاتلین حضرت عثمان کی آئی تھی۔ مدینہ پر چھائے ہوئے منڈلاتے پھرتے تھے انہیں لوگوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنانا چاہا تو حضرت علی نے پہلے پہل انکار کیا لیکن آخر حجب ان کا اصرار شدید ہوا تو اسلامی جمعیت کو مزید انتشار و پراگندگی سے بچانے کی غرض سے ہامی بھر لی اور آپ کی خلافت کا اعلان ہو گیا اور عام مسلمانوں کے علاوہ جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے حضرت طلحہ اور زبیر جن کی طرف سے اندیشہ ہو سکتا تھا انہوں نے بھی بیعت کر لی لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں نے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے نکل کر شام کی طرف چلے گئے۔ چونکہ یہ انتخاب ہنگامی تھا اور حضرت علی نے خلافت کی ذمہ داری صرف ایک قومی اور اجتماعی ضرورت سے قبول کی تھی اس بنا پر اس انتخاب کو بطور ایک شرعی اصل کے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک پہلے تینوں خلفاء کے انتخاب کا تعلق ہے اس سے امور ذیل صاف طور پر سمجھ میں آتے ہیں۔

(الف) خلیفہ کا انتخاب مجمع عام میں ہوا۔

(ب) چند ارباب رائے سے مشورہ کرنے کے بعد خلیفہ نے اپنی جانشینی کے لئے ایک شخص کو نامزد کیا۔ اور اس کو استصواب رائے عامہ کی خاطر عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔

(ج) خلیفہ نے ایک کونسل مقرر کر دی کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے گی اور پھر اس کونسل کے فیصلہ کو استصواب رائے عامہ کی غرض سے مسلمانوں کے عام مجمع میں پیش کیا جائیگا۔ (د) کسی خلیفہ نے اپنے بیٹے کا تو ذکر اپنے کسی رشتہ دار کو نامزد نہیں کیا۔ اس معاملہ میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی حضرت عمر کے دست و بازو اور غایت معتمد علیہ تھے لیکن چونکہ بعض روایات کے مطابق حضرت ام کلثوم بنت علی سے نکاح کر لینے کے بعد دونوں میں رشتہ مصاہرت بھی قائم ہو گیا تھا اس بنا پر حضرت عمر نے چھ آدمیوں کی جو کونسل بنائی اس میں حضرت علی کا نام تو رکھا لیکن نامزد نہیں کیا حالانکہ اگر نامزدگی کی بات ہوتی تو حضرت علی سے زیادہ اور کون مستحق ہو سکتا تھا۔ (ه) آخری فیصلہ بہر حال جمہور کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک بیعت عامہ نہیں ہوگی کوئی شخص خلیفہ نہیں ہو سکے گا۔

دل صحابہ کرام میں سب سے زیادہ کس کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل ہوئی ہیں اور ان آیات سے اس کی شخصیت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ بیس سال کے اور حضرت ابو بکر اٹھارہ برس کے تھے۔ دونوں تجارت کے سلسلہ میں شام جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک منزل پر قیام کیا۔ یہاں ایک بیری کا درخت تھا۔ حضورؐ اس درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے اور ابو بکر وہاں ایک راہب رہتا تھا کچھ دین و مذہب کی باتیں پوچھنے کی غرض سے اسکے پاس جا بیٹھے، راہب نے ابو بکر سے حضورؐ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

کہ یہ نوجوان جو درخت کے نیچے بیٹھا ہے کون ہے؟ وہ بولے ”محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب“
 راہب نے کہا ”خدا کی قسم! یہ نبی ہو گا۔ کیونکہ عیسیٰ بن مریم کے بعد سوائے محمد رسول اللہ
 کے کوئی اور شخص اس درخت کے سایہ میں نہیں بیٹھ سکتا“ راہب کی یہ بات ابوبکر کے دل
 میں ایسی بیٹھی کہ سفر ہو یا حضر کسی حالت میں بھی حضور کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے چنانچہ
 جب آنحضرتؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے ابوبکرؓ نے ہی اس کو قبول کیا اور
 اسلام لائے۔ اس وقت ابوبکر کی عمر اڑتیس سال یعنی آنحضرتؐ سے دو برس کم تھی جب
 ابوبکر چالیس برس کے ہوئے تو انہوں نے وہ دعا مانگی جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی
 رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ (الآیۃ) لے

اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی دولت اللہ کے راستہ میں اور اسلام
 کی مدد کیلئے جس فیاضی اور بے جگری سے خرچ کی ہے قرآن اُس کی داد اس طرح
 دیتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي مَنْكُم مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
 الْفَتْحِ وَقَاتِلْ اُولَٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً
 مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدِ
 (الحديد)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے روپیہ
 خرچ کیا اور جہاد کیا تم میں سے کوئی ان کے برابر
 نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔
 بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا

محمد بن فضیل کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکر صدیق کی شان میں نازل
 ہوئی ہے اس لیے کہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے
 اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کی لے امام ابو الحسن الواحدی نے حضرت عبداللہ
 بن عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے اس سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ روایت یہ ہے
 کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے پاس حضرت ابوبکرؓ ایک عبا پہنے ہوئے بیٹھے تھے جو سیدہ زہرا
 سے اُدھڑی ہوئی تھی اتنے میں جبریل امین آگئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا
 کہ یہ کیا بات ہے کہ ابوبکرؓ کی عبا سینہ پر سے چاک ہو رہی ہے حضورؐ نے جواب دیا۔

لے اسباب النزول للواحدی ص ۲۸۸ مطبوعہ مہر لے ازالۃ الخفا ص ۲۸

اسے جبریلؑ! ابوبکرؓ نے اپنی ساری دولت میرے اوپر فتح مکہ سے پہلے ہی خرچ کر دی
 اب جبریل امین بولے ”آپ اللہ کا سلام ابوبکرؓ کو پہنچا دیجئے اور ان سے پوچھئے
 کہ آپ اپنے اس فقر پر اللہ سے راضی ہیں یا ناراض؟ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ دریافت
 کیا تو وہ رد نہ لگے اور عرض کیا کہ کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ نہیں بلکہ میں اپنے
 رب سے راضی ہوں۔ اپنے رب سے راضی ہوں“ لے

اس آیت میں تو صرف دولت خرچ کرنے کا ذکر ہے ایک اور آیت میں
 اتفاق کے ساتھ دوسری صفات کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاَمَّا مَنۡ اَعْطٰی وَالتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی
 فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰی (وَاللَّيْلِ)

پس وہ شخص جس نے دیا۔ پرہیزگاری برتی۔ اور نیکیوں
 کی تصدیق کی ہم اُس کیلئے آسانیاں ہم پہنچائیں گے۔

الواحدی نے اس آیت کے ذیل میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا
 ہے کہ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے
 یہ غلام اکثر ضعیف و ناتواں ہوتے تھے۔ ایک دن ان کے باپ ابوقحافہ نے کہا
 کہ بیٹا اگر تم کو غلام آزاد کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو پھر کھیل نوجوان غلام خرید کر
 آزاد کر دتا کہ وہ کسی وقت تمہارے کام بھی آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا ابا امیری
 نیت تو ان غلاموں کے آزاد کرنے سے کچھ اور ہی ہے لے

حضرت ابوبکرؓ نے بلال حبشی کو خرید کر آزاد کیا تو مشرکین مکہ نے کہنا شروع کیا
 کہ ابوبکرؓ پر بلال کا کوئی احسان تھا۔ انہوں نے اس کا بدلہ چکایا ہے۔ قرآن نے اس
 کی بھی تردید کی اور اعلان کیا۔

وَمَا لِحٰدٍ عِنْدَہٗ مِّنۡ نِّعْمَةٍ تَجْزٰیہَا لَا اٰ وَاٰ (ابوبکرؓ) پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ
 ابتلا کو وجہ ربہ الا علیہ ولسوف یرضٰیہ چکایا گیا ہو۔ بجز رب اعلیٰ کی رضا جملے اور یہ
 عنقریب راضی ہو گا۔

حضرت ابوبکرؓ راتوں کو بیدار رہ کر جو عبادت الہی کرتے تھے اس کا ذکر قرآن میں

لے اسباب النزول ص ۳۰۳ لے اسباب النزول ص ۳۳۶ لے اسباب النزول ص ۲۷۶

اس طرح کیا گیا ہے۔ اَمَّنْ هُوَ قَانَتْ اِنَاءَ اللَّيْلِ (زمر)

حضرت ابوبکر حب اسلام لائے اور آنحضرت کی تصدیق کی تو عثمان طلحہ زبیر وغیرہم ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ایمان لے آئے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے جواب اثبات میں دیا تو یہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ قرآن نے اس واقعہ کو بھی بیان کیا ہے جس سے حضرت ابوبکر کی مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ ارشاد ہے لَمْ يَشْرِكْ عِبَادِي الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي فِيهِ الْوَسْطَاءُ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ط جو قول سنتے ہیں امد اس اچھے قول کا اتباع کرتے ہیں ان متفرق واقعات و محامد کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت ابوبکر کا سب سے اہم تذکرہ وہ ہے جو غار ثور میں رفاقت سے متعلق ہے۔ فرمایا گیا۔

ثَلَاثِينَ أَشْهُنَ إِذْ هَمَّ فِي الْغَارِ غَارِ ثور میں درجہ تھ ان کا دوسرا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر کی فضیلت مآبی کی اتنی بڑی اہم اور مستند دستاویز ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکر کی معیت و صحبت نبوی قرآن مجید میں منصوص ہے اس بنا پر اس کا منکر کافر ہے، یہ صرف صدیق اکبر کی خصوصیت ہے۔ کسی اور صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے پھر حضرت ابوبکر کی آنحضرت کے ساتھ رفاقت فی الغار کے عند اللہ و عند الناس مقبول ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ گہری دوستی کے لیے ”یار غار“ بطور استعارہ ہی بولا جانے لگا ہے۔

پھر جس طرح قرآن مجید میں بعض مواقع پر آنحضرت کو تنبیہ کی گئی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے آپ کی خدمت میں آئے اور آپ نے ان کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا تو عبس و تولى ہ ان جَاءَهُ الْاَلْفَاءُ کی آیات نازل ہوئیں، ٹھیک اسی طرح کا معاملہ حضرت ابوبکر صدیق کیساتھ بھی ہے واقعہ انک میں حضرت ابوبکر نے مسطح بن اثاثہ کی مالی اعانت و امداد سے دست کشی اختیار کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا تو قرآن میں ان لفظوں کے ساتھ تنبیہ کی گئی۔

لہ اسباب النزول ص ۲۶۶

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْيَتَامَىٰ (النور) پارہ ۱۸

تم میں جو لوگ صاحب فضل و مقدرت ہیں وہ شے دروں مسکینوں اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں اور ان کو چاہئے کہ معاف کریں۔

حضرت ابوبکر نے آیت سن کر کہا ”خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور عہد کیا کہ اب آئندہ برابر وہ مسطح کے کفیل رہیں گے۔ اگرچہ یہ تنبیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر معمولی قرب و اختصاص کی دلیل ہے جس کو بے شبہ مختصات حضرت ابوبکر میں شمار کرنا چاہئے۔

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت کا جو سب سے بڑا اور عظیم الشان کام ہے یعنی مرتدین عرب سے جنگ و قتال اس کا تذکرہ بھی قرآن میں کیا گیا ہے اور نہ صرف حضرت ابوبکر بلکہ وہ تمام صحابہ کرام جنہوں نے اس قتال میں حصہ لیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبوبیت کا طغرائے امتیاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ اس اہم اور عظیم الشان کارنامہ کی ابتدا و انتہا اور اس کی قیادت و زعامت کا سہرا صدیق اکبر کے ہی سر ہے اس بنا پر محبوبیت الہی کے اس تمنہ اعزاز میں حضرت ابوبکر کا حصہ بھی سب سے زیادہ ہوگا۔ ارشادِ باری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

اے ایمان والو! تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ لوگ مؤمنین پر ہلکے پھلکے ہیں۔ کافروں پر غالب، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت

واللہ واسع علیہ

والا ہے۔ اور علم مالا ہے۔

(پ ۸۶ ماہ)

امام بیہقی نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے جب عرب مرتد ہو گئے تو انہوں نے اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا اور آخر کار ان کو اسلام کی طرف لوٹا دیا۔ یونس بن بکر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ یہ آیت ابوبکر کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین عرب سے قتال کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ رفاقت شرف حاصل ہوا ہے اور سب سے زیادہ آپ کا شریک جلوت و خلوت کون ہے؟ اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہے، حضرت ابوبکرؓ اَدَلْ مِنْ اِسْلَم“ ہیں پھر اسلام سے قبل بھی دونوں ساتھ اور بعض معاملات میں ایک دوسرے کے شریک و رفیق رہے ہیں اسلام قبول کرنے کے بعد تو معیت و رفاقت کا یہ عالم رہا کہ حضرت ابوبکرؓ گویا ایک دن کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہوئے قیام گم کے زمانہ میں لوگ حبشہ گئے لیکن صدیق اکبرؓ نہ گئے۔ پھر ہجرت مدینہ کا وقت آیا تو بہت سے صحابہ جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں پہلے سے مدینہ پہنچ گئے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کی تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور اس طرح رفیق سفر و حضر رہے غزوات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جن غزوات میں حضور تشریف لے جاتے تھے حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ سرائیا میں لوگ کہتے تھے کہ ابوبکرؓ کو بھیجئے تو حضور فرماتے تھے..... کہ میں یہ میرے پاس رہیں گے۔ اور مجھ کو ان کی ضرورت ہے۔ اس طویل ترین رفاقت کے باعث ظاہر ہے جو تربیت اور تعلیم حضرت ابوبکرؓ کی ہو سکتی ہے اور کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ ادانشناس اممزاج دانی نبوت اس قرب و اتصال۔ ہر وقت کی معیت و رفاقت اور پھر خود اپنی ذاتی استعداد و صلاحیت کے باعث جس درجہ کے ادانشناس و مزاج دان

نبوت صدیق اکبرؓ ہو سکتے تھے کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعات کا تتبع کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آنحضرت ﷺ کا مزاج اور انداز طبیعت ایک ہی خمیر سے تیار ہوا تھا، عادات و خصائل، اور امیال و عواطف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جتنے قریب حضورؐ پر نور اور صدیق اکبرؓ تھے کوئی اور نہیں تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں بحث صرف مزاج کی ہم رنگی سے ہے نہ کہ شریعت کے اصل احکام و مسائل سے چنانچہ پہلے ایک روایت گزر چکی ہے جس میں ابن الدغنة نے حضرت ابوبکرؓ کے اوصاف و کمالات ٹھیک ٹھیک وہی بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہؓ نے سرور کونین کے بیان کئے تھے اس کے علاوہ چند اور واقعات بھی ہیں جن سے اس پر مزید روشنی پڑے گی۔ عبداللہ بن ابی جوشہبہ روایت کرتے ہیں کہ اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اپنی قمیص مرحمت فرمادیجئے۔ تاکہ ابن ابی کو اس میں کفنا دیا جائے۔ حضورؐ نے قمیص عطا فرمادی اس کے بعد اس نے کہا کہ اب نماز بھی پڑھ دیجئے، رحمت عالم نے اس درخواست کو بھی شرف قبول عطا فرمایا لیکن آپ نماز کے ارادہ سے کھڑے ہو رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ کر کھینچا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہوا، ”اللہ نے“ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَکُمْ“ فرما کر مجھ کو اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو میں نہیں بخشنے گا۔ تو میں اب ستر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا، حضرت عمرؓ نے کہا ”وہ تو منافق تھا،“ لیکن آپ نہ مانے اور نماز پڑھی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَدَا
وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ط لہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے اور منشا، کے مطابق اس آیت کا نزول حضرت عمرؓ کی فضیلت و بزرگی کی دلیل ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا تھا غایت شفقت

علی الخلق اور رحمة للعالمین کے جذبہ سے کیا تھا جو آپ کے مزاج گرامی مرتبت کا ایک خاص جوہر تھا اور چونکہ اس وصف خاص میں حضرت عمر کو آپ کے ساتھ اس درجہ قرب و اختصاص نہیں تھا جتنا کہ حضرت ابوبکر کو تھا اس بنا پر حضرت کو آنحضرت کے اس فعل پر اچھینھا ہوا لیکن صدیق اکبر کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

اس طرح کا ایک موقع صلح حدیبیہ کے واقعہ میں پیش آیا تھا۔ ابوجندل جن کو کافروں نے بڑی بے رحمی سے مارا تھا جب انہوں نے صحابہ کرام کے سامنے آکر اپنے زخم دکھائے اور کہا کہ کیا آپ لوگ اس حالت میں بھی مجھ کو مدد واپس کر دینا چاہتے ہیں تو پورا مجمع تڑپ اٹھا۔ حضرت عمر میں برداشت کہاں تھی؟ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے ”کیا آپ پیغمبرِ برحق نہیں ہیں۔ اور اس طرح کے اور سوال و جواب کیلئے آخر جب یہاں تسلی نہ ہوئی تو حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور گفتگو وہی کی حضرت ابوبکر نے فرمایا۔

ایھا الرجل انہ رسول اللہ
ولیس یعی ربہ وھونا صرہ
فاستمسک بغزیرۃ فواللہ
انہ علی الحق۔
لے شخص اداہ بے شبہ اللہ کے رسول ہیں
اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ خدا انکی
مدد کرنے والا ہے۔ پس تم ان کے دامن کو
پکڑ لو۔ تم اللہ کی وہ یقیناً حق پر ہیں۔

اب حضرت عمر نے کہا ”کیا آپ آنحضرت ہم سے یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم جلد ہی بیت اللہ آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا ”ہاں کیونین! لیکن حضور نے کیا یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم اسی سال بیت اللہ پہنچو گے لے اسی طرح تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرت کی وفات ہوئی تو اس حادثہ فاجعہ کی خبر سننے ہی چھڑ عمر کا کیا حال ہوا تھا لیکن جب ابوبکر نے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (الایۃ) آیت پڑھی تو حضرت عمر کی یکایک آنکھ کھل گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا اب تک انہوں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔

ان سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر آنحضرت کی تعلیم و تربیت کے سانچہ میں اس طرح ڈھل گئے تھے کہ فکر، ذہن اور مزاج و طبیعت تک میں یگانگت اور مکمل مماثلت پیدا ہو گئی تھی اور اس بنا پر ادا شناسی نبوت میں کسی کو ان کے ساتھ دعویٰ ہم سری نہیں ہو سکتا تھا۔

آنحضرت کو سب سے زیادہ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کو سب سے زیادہ اعتماد حضرت اعتماد کس پر تھا | ابوبکر کی رائے پر تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ یکرۃ فوق سماء
ان یخطا ابوبکر لے
اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند
کرتا ہے کہ ابوبکر خطا کریں۔

اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر آنحضرت کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آنحضرت سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا ”عائشہ“ پھر دریافت کیا مردوں میں؟ ”ارشاد ہوا“ عائشہ کے باپ“ لے

ایک مرتبہ آنحضرت کی خدمت میں ایک عورت آئی۔ آپ نے فرمایا ”پھر آنا“ عورت بولی ”اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں“ آنحضرت نے جواب دیا۔ ان لم تجدینی فاتی ابابکر لے۔ اگر تو آئے اور مجھ کو نہ پاؤں تو ابوبکر کے پاس آ۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔
لا یبقین فی المسجد باب ابی بکر لے
مسجد میں بچھ بھی دروازہ ہے میں ان کو بند
کر دیا جائے البتہ ہاں باب ابی بکر کھلا رہے۔
ایک دفعہ ارشاد ہوا۔

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتٍ خَلِيلًا
لَا تَخَذُتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنَّ أَخِي وَ
صَاحِبِي - ۱ -
اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناؤں تو ابوبکر کو بناؤں۔ لیکن وہ میرا بھائی اور دوست ہے۔

عزہ بدر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ میدان جنگ میں آنحضرتؐ کے خیمہ میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے اور جب وہ عبدالرحمن سے جنگ کرنے کے لئے جاتے تھے تو ان حضرتؐ نے ان کو رد کیا اور فرمایا تم یہیں خیمہ میں رہ کر مجھ کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہو یعنی مشورہ وغیرہ کے سلسلہ میں۔

کیا آنحضرتؐ نے قولاً و عملاً کسی کے استخلاف کی طرف اشارات کئے ہیں | کیلئے نامزد نہیں فرمایا لیکن اگر آپ کے قول و عمل سے یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس باب میں آپ کا گوشہ چشم خاطر کس کی جانب تھا تو بے شبہ وہ غور و خوض قسمت ذات اور شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہی تھی۔ آنحضرتؐ کے دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب امامتِ صلوٰۃ تھا۔ جس کو امامتِ جہری بھی کہتے ہیں۔ تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ نے یہ منصب مرضِ الوفا میں حضرت ابوبکرؓ ہی کو تفویض فرمایا تھا اور وہ بھی کس امر کے ساتھ حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ کے اشارہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رقتِ قلب کا عذر کرتی ہیں اور اپنے باپ کے بجائے حضرت عمر فاروقؓ کا نام تجویز کرتی ہیں۔ لیکن آپؐ ہیں کہ نہیں مانتے اور کوئی عذر نہیں سنتے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو ”صاحبِ یوسف“ کہتے ہیں اور پھر امر کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ہی امامت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے اپنے بیابان تک فرمایا کہ

لَا يَتَّبِعُنِي لِقَوْمٍ فِيهِمُ ابْنُ بَكْرٍ
يَوْمَئِذٍ غَيْرُهُ ۚ
جس قوم میں ابوبکرؓ ہوں اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور شخص امامت کرے۔

صحابہ کرام کیلئے صرف یہ ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ

۱۔ ترمذی ج ۲ ص ۲۱۴ - ۲۔ ابواب المناقب

نے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استحقاقِ خلافت پر تقریر کی یا اس کا تذکرہ کیا ہے ان کے ”اول من اسلم“ ہونے کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو امامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔

امامتِ صلوٰۃ کے بعد ایک اہم دینی منصب امامتِ حج ہے اور تم پڑھ آئے ہو کہ اس منصب میں بھی آنحضرتؐ کی حیات ہی میں آپؐ کی نیابت و جانشینی کا شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی حاصل ہوا تھا۔

علاوہ بریں متعدد روایات میں آنحضرتؐ نے اشارات قولاً بھی کئے ہیں ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو امین پاؤ گے۔ ۱۔ لے کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ اگر آنحضرتؐ کسی کو اپنا جانشین نامزد کرتے تو کس کرتے؟ فرمایا ابوبکرؓ ایک مرتبہ مرضِ الوفا میں آنحضرتؐ نے فرمایا ”اللہ کا ایک بندہ ہے جس کو خدا نے اختیار دیا کہ دنیا یا دہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے تو اس بندہ نے اللہ کی نعمتوں کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ اس بندہ سے مراد خود آنحضرتؐ کی اپنی ذات ہے۔ اس لئے بیساختہ رونے لگے اور عرض کیا ”ہم سب کی جانیں اور اولاد آپؐ پر قربان ہوں“ آنحضرتؐ نے فرمایا ”ابوبکرؓ ذرا ٹھہرو! اس کے بعد صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا ”یہ مسجد کے جتنے دروازے ہیں سب بند کر دو البتہ ہاں ابوبکرؓ کے گھر کا دروازہ کھلا رہنے دو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میری صحبت میں ان سے زیادہ کوئی افضل ہو“ ۲۔

یہ روایت ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ ایک عورت کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا ”اگر تم مجھ کو دنیا میں نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس جانا۔“

آنحضرتؐ نے مرضِ الوفا میں ایک مرتبہ یہاں تک ارادہ کیا کہ صاف صاف حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت لکھ دیں لیکن آپؐ نے اس ارادہ کو عملی جامہ اس لئے نہیں پہنایا کہ کہیں اس سے نامزدگی کی رسم جاری نہ ہو جائے اور جمہور اپنے

۱۔ لے از الہ الخفاء ج ۲ ص ۱۴۲ لے مجمع مسلم ج ۲ ص ۲۴۲ باب فضائل ابی بکرؓ طبری ج ۲ ص ۲۳۴

حق انتخاب سے محروم ہو جائیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں
 قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیعت
 فی مرضہ ادعی لی ابابکر ابانک واخلک میں فرمایا کہ ذرا ابوبکر اپنے والد اور اپنے بھائی
 حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یقتنی کو میرے پاس بلا دو۔ تو میں ایک تحریر لکھ دوں
 متین ویقول قابل انا ولی۔ ویابی اللہ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرے اور کہے
 والو ممنون الا ابابکر لے والا کہے کہ میں زیادہ بہتر ہوں حالانکہ اللہ اور
 مومنوں کے نزدیک ابوبکر کے سوا کوئی دوسرا بہتر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جمہورات کے دن (یعنی وفات سے تین دن پہلے)
 آنحضرتؐ کی درد کی تکلیف شدید ہو گئی۔ فرمایا "میرے پاس آؤ۔ میں تمہارے لیے ایک
 ایسی تحریر لکھ دوں کہ پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو اور جھگڑانہ کرو۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ آج
 حضورؐ کیسی بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے دوبارہ حاضر ہو کر معلوم کرنا چاہا کہ اصل
 مطلب حضورؐ کا کیا تھا؟ اب آپؐ نے فرمایا کہ اچھا! اب مجھ کو تم میری حالت میں چھوڑ
 دو۔ اُس کے بعد آپؐ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک یہ کہ مشرکوں کو جزیرۃ
 العرب سے نکال دو۔ دوسری یہ کہ وفد سے جس طرح کا معاملہ میں کرتا تھا تم بھی وہی
 معاملہ کرو۔ رہی تیسری وصیت تو وہ آپؐ نے قصداً بیان نہیں کی یا راوی یعنی
 عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ میں اس کو بھول گیا ہوں۔" لے

حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت دوسری جگہ ان لفظوں کے ساتھ ہے
 "جب آنحضرتؐ کو درد کی تکلیف شدید ہوئی تو ارشاد فرمایا "تم میرے پاس کتاب
 لاؤ۔ تاکہ میں ایک کتاب لکھ دوں اور تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو۔ عمرؓ نے کہا کہ نبی کریمؐ
 پر درد کا غلبہ ہے اور ہم لوگوں کے پاس اللہ کی کتاب ہے ہی وہ ہمارے لئے
 کافی ہے اس پر بڑا اختلاف اور شور و غل ہوا حضورؐ نے فرمایا "اچھا تم
 یہاں سے ہٹو۔ تم کو میرے سامنے جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس
 لے ج ۲ ص ۲۳۳ باب من فضائل ابی بکر لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ باب مرضی النبیؐ ووفاته

کو اس وقت حضورؐ کی وصیت کے قلم بند نہ ہونے کا بڑا افسوس ہوا جب کبھی وہ اسی
 روایت کو بیان کرتے تھے اس افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ لے
 اگرچہ ان روایتوں سے یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے باعث کچھ لکھنے
 لکھانے کا معاملہ اس وقت رفت و گزشت ہو گیا۔ لیکن محدثین نے قیاس آرائیاں
 کی ہیں کہ آخر وہ چیز کیا تھی جو حضورؐ قلم بند کر دانا چاہتے تھے۔ بعض محدثین کا خیال
 ہے کہ وہ کتاب الاحکام کی کسوی چیز ہوگی۔ اور بعضوں کے نزدیک آپؐ خلافت
 کے بارہ میں وصیت کرنا اور خلفاء کے اسماء گرامی لکھنا چاہتے تھے لے

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا دوسرا خیال زیادہ قرین قیاس ہے اور اغلب یہ ہے
 کہ آنحضرتؐ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی ہی وصیت فرمانا چاہتے
 تھے چنانچہ صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہ کی جو روایت تم ابھی پڑھ آئے
 ہو اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے یہ روایت صحیح بخاری میں بھی ہے لے
 لیکن چونکہ راوی کو الفاظ میں شک پیدا ہو گیا ہے اس لئے روایت کے ساتھ ساتھ
 اپنا شک بھی ظاہر کرنا لگیا ہے۔ بہر حال شروع کے الفاظ جو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ
 کو خطاب کر کے ارشاد فرمائے یہ ہیں۔

لقد هممت اواردت ان ارسل میں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ ابوبکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلا
 الی ابی بکر وابنہ و اعھد بھیجوں اور خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دوں۔
 بہر حال صحیحین کی اس روایت کی روشنی میں قرین قیاس بھی ہے کہ آنحضرتؐ مرض

الوفات میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام میں جو
 اس وقت موجود تھے اس پر اختلاف ہو گیا کہ ایسے وقت میں جبکہ آپؐ کو درد کی شدید
 تکلیف تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے درد کی ایسی شدید تکلیف

کسی شخص کو بھی نہیں دیکھی اے آپ کو لکھنے لکھانے کی زحمت دی جائے یا نہیں اس بنا پر آنحضرتؐ نے یہ ارادہ ہی ترک کر دیا۔

حدیث قرطاس پر بحث صحیح بخاری کی یہ روایت جو ادھر گزری حدیث قرطاس کہلاتی ہے۔ مولانا مستبلی نے الفاروق میں اس پر بحث کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا کے دلائل نہایت کمزور ہیں اور ان سے بزرگ ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

مولانا کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تبصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا اسلئے واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلاف حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں ہے۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے بایں ہمہ بخیر عبد اللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبد اللہ بن عباس کی عمر اس وقت ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے جب کاغذ و قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ یہی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ لہ

اب ان دلائل کی حقیقت کیا ہے وہ سنئے۔

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۳ لے الفاروق مطبوعہ نجر المطابع لکھنؤ حصہ اول ص ۴۹-۵۰

(۱) نمبر ایک سے لیکر تین تک اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ مولانا نے ”ہجر“ کے معنی نہ بیان کئے مراد لے رکھے ہیں اس سے قطعاً بحث نہیں کہ پیغمبر کو نہ بیان ہو سکتا ہے یا نہیں یہاں ہجر کے معنی انوکھی سی بات کہنے کے ہیں اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بیماری میں قلم کاغذ لانے کے متعلق اچانک جس انداز سے فرمایا صحابہ لو اس پر سخت حیرت و استعجاب دو وجہوں سے ہوا ایک یہ کہ ان کو یہ خیال ہوا کہ کہیں خدا نخواستہ حضورؐ ہم سے جدا تو نہیں ہو رہے ہیں اور دوسری یہ کہ جب قرآن مجید اور سنت رسول اللہؐ دونوں ان کے پاس ہیں تو پھر آپؐ کے بعد ان کے گمراہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت عمرؓ ہوں یا کوئی اور جس کسی نے بھی ہجرت کہا ہے اس سے اسی درد آمیز حیرت و تعجب کا اظہار کیا ہے چنانچہ ہم نے اوپر حدیث کا جو ترجمہ لکھا ہے اس میں ہجر کا ترجمہ ”حضور کیسی باتیں کر رہے ہیں“ کیا ہے۔

(۲) نمبر (۳) کی بھی کوئی اہلیت نہیں ہے۔ ایک واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے ہزاروں ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود واقعہ کی روایت جو نمایاں شخصیت کے مالک ہوتے ہیں انہیں کے حوالہ سے کی جاتی ہے۔ پھر اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ چونکہ مولانا مستبلی کے بقول اس وقت صحابہ کثرت سے موجود تھے، اس بنا پر اگر عبد اللہ بن عباس کی روایت خلاف واقعہ ہوتی تو ضرور دوسرے صحابہ اس کی تردید کرتے۔ ان کا خاشا رہنا اس کی دلیل ہے کہ وہ روایت کو صحیح مانتے تھے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عباس کی عمر ۱۳-۱۴ سال ضرور تھی لیکن وہ عاقل بالغ تھے۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے ”قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا خنتین“ اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ کوئی شخص خنتیں اسی وقت کہلاتا تھا جبکہ وہ بالغ ہوں۔

(۴) مولانا کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے کہ عبد اللہ بن عباس خود اس واقعہ کے وقت نہیں تھے۔ اس کے ثبوت میں حاشیہ میں نتیجہ ابراہیم کے حوالہ سے صرف اتنا

لکھتے ہیں کہ محدثین نے بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ (عبداللہ بن عباس) موجود نہ تھے اس موقع پر مولانا کو عجیب مغالطہ پیش آیا ہے جس کو وہ دلائل قطعیہ فرماتے ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حدیث کا ایک ٹکڑا فخر ج ابن عباس یقول ان الرزیه کل الرزیه بھی ہے اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس واقعہ مذکورہ کے بعد آنحضرتؐ کے مکان سے نکلے تو اس وقت ان الرزیه کل الرزیه کہتے ہوئے نکلے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اس روایت کی راوی ہیں وہ تو اس واقعہ کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے پھر انہوں نے کیسے دیکھا کہ عبداللہ بن عباس یہ کہتے ہوئے نکلے تھے اس کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے عرصہ بعد جب عبداللہ بن عباس نے عبید اللہ سے یہ روایت بیان کی تو اس کے بعد عبداللہ بن عباس کے دل میں اس واقعہ کا صدمہ تازہ ہو گیا اور اس بنا پر وہ "ان الرزیه کل الرزیه" کہتے ہوئے چلے گئے اے بس بات اتنی تھی جس کو مولانا نے کیا سے کیا سمجھ لیا۔ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اصل واقعہ کے وقت خود عبداللہ بن عباس موجود ہی نہ تھے۔

اچھا! اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عبداللہ بن عباس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو اس سے روایت کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ اس صورت میں روایت مرسل ہوگی اور باتفاق محدثین مرسل صحابہ مقبول و معتبر ہیں۔

(۵) مولانا نے (۷) میں پھر وہی نڈیان والی بات دہرائی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ نڈیان کا یہاں کوئی ذکر نہ کر رہی نہیں۔

مولانا اس روایت کو حضرت عمرؓ کی شان کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ محدثین لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عمرؓ کی کتاب فضائل کا ایک روشن باب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے وہ منصب نبوت کی کوئی چیز نہیں تھی اس واقعہ کے بھی آپ نہیں

روز تک عالم ناسوت میں رہے۔ اگر منصب نبوت کی کوئی چیز ہوتی تو ضرور لکھواتے یا ایتھا الرسول بلیغ ما انزل الیک کے حکم آپ اس پر مامور تھے حضرت عمرؓ نے اس کو محسوس کر لیا تھا اس بنا پر آنحضرتؐ کے ساتھ غایت محبت و عشق اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہؐ کی موجودگی میں اپنے اور دوسرے صحابہ پر یہ اعتماد کہ وہ راہ سے بے راہ نہیں ہونگے۔ ان وجوہ سے انہوں نے خیال کیا کہ حضورؐ کو اس وقت درد کی شدید تکلیف ہے۔ اس حالت میں آپ کو لکھنے لکھانے کی کیوں تکلیف دی جائے۔

حدیث قرطاس کی یہ بحث ضمناً آگئی۔ بہر حال سطور بالا سے ثابت ہے کہ اگرچہ آنحضرتؐ نے اپنی جانشینی سے متعلق کسی خاص شخص کے نام کی تصریح نہیں کی لیکن آپ کا گوشہ چشم التفات اور رجحان قلبی حضرت ابوبکرؓ کی ہی طرف تھا۔

حضرت ابوبکرؓ جو اس راز سے آگاہ تھے اسی وجہ سے اس منصب جلیل کا بار عظیم انگیز کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ورنہ وہ جس طبیعت کے انسان تھے ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے ایک قاصد محمد بن الزبیرؓ کی معرفت حضرت حسن بصریؓ سے سوال کیا کہ کیا آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کیلئے نامزد کیا تھا؟ حسن بصریؓ یہ سوال سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا "خدا کی قسم آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ورنہ وہ اس درجہ کے متقی اور اللہ کو جانتے والے تھے کہ ان کو اگر حکم نہ ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر جھلانا نہ لگاتے" یعنی جھٹ خلیفہ نہ بن جاتے) لے

صحابہ کرام میں حضرت ابوبکرؓ اس سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں تمام صحابہ کا مرتبہ و مقام | کرام حضرت ابوبکرؓ کے مرتبہ و مقام سے اچھی طرح باخبر تھے اور اسی کے مطابق آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم آنحضرتؐ کے عہد میں آپس میں ایک دوسرے کے مدارج و مراتب متعین کرتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کو سب سے بہتر سمجھتے تھے لے ایک موقع پر آنحضرتؐ نے اپنی وفات لے الامامہ السیاسة ج ۱ ص ۲ لے مجمع بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے قریب آجانے کا اشارہ استعارہ کے پیرایہ میں کیا صحابہ میں سے کسی کا ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ فوراً سمجھ گئے اور روئے لگے صحابہ کو حیرت ہوئی کہ اس میں رومن کی کوئی بات تھی۔ آخر جب ان کو بھی اصل حقیقت کا علم ہوا تو صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ وکان ابوبکر هو اعلمنا۔ لے

دربار نبوت کے شاعر خاص حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

وثانی الثین فی الغار المنیف وقد طاف العدو به اذ سعد الجبلا
اور مبارک غار کے رفیق ہیں اور جب وہ پہاڑ (احمد) پر چڑھے تو دشمن نے ان کو گھیر لیا
وکان حب رسول الله قد علموا من البریة لم یعدل به رجلاً
اور رسول اللہ کے محبوب ہیں سب لوگ جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں انکی برابر کوئی آدمی نہیں ہے
آنحضرتؐ نے یہ اشعار سنے تو تبسم فرمایا۔ جس سے دندان مبارک نظر آنے لگے اور ارشاد مبارک ہوا اے حسان! تم نے سچ کہا وہ (ابوبکر) ایسے ہی ہیں۔ لے
ہم نے حضرت ابوبکرؓ کے براہ راست خلیفہ الرسول ہونے کے استحقاق پر بحث کرنے کیلئے جو سات معیار مقرر کئے تھے ان میں سے چھ کا ذکر ہو چکا اور ان سے ثابت ہو گیا کہ اس معیار پر صدیق اکبر ہی پورے اترتے ہیں اور اس بنا پر کوئی شک نہیں کہ وہ ہی اس مرتبہ و مقام بلند کے مستحق تھے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابوبکرؓ کے کارنامے خلافت سے اس کی تصدیق کہاں تک ہوتی ہے کہ وہ ہی تمام صحابہ میں اعزاز کے ساتھ اولین مستحق تھے اس کا جواب آئندہ صفحات میں ملے گا۔

کارنامے خلافت

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس وقت عمان خلافت ہاتھ میں لی یہ مسلمانوں کے لیے ایک نہایت ہی نازک اور بڑا صبر آزما وقت تھا۔ سب سے بڑا زخم جو ان کے قلب و جگر پر لگا تھا آنحضرتؐ کا حادثہ وفات تھا جس نے دنیا ان کی نگاہوں میں تیرہ دن کر دی تھی خود مدینہ میں منافقوں کا ایسا گردہ موجود تھا جو فتنہ انگیزی کے لئے موقع و بہانہ کی تلاش میں بیٹھا رہتا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین عن الاسلام کے فتنے نے خود آنحضرتؐ کی زندگی میں سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اس ایک چنگاری کو ہوا دیکر جہنم بنا دینے کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ جن قبیلوں کو مدینہ کی سیادت کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی تھی وہ کل پیرزے درست کرنے کی فکر کرنے لگے تھے۔ غرضیکہ دقتوں اور دشواریوں کا ایک پہاڑ تھا جو خلیفہ رسول اللہؐ کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی ہم مسلمانوں کو ایسے حالات سے سابقہ پڑا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ کو عطا فرما کر ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو جاتے لے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

” رسول اللہؐ کی وفات ہوئی اور میرے باپ پر حوادث و مصائب ٹوٹ پڑے کہ اگر بڑے بڑے مضبوط پہاڑوں پر بھی نازل ہوتے تو انکو ریزہ ریزہ کر دیتے۔ ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری جانب عرب مرتد ہونے لگے تھے۔ لے

ان سب اندرونی و بیرونی دشواریوں کے باوجود ایک اہم معاملہ یہ درپیش تھا کہ جیسا کہ گذر چکا ہے آنحضرتؐ نے اپنی حیات میں ہی اسامہ بن زید کی سرکردگی میں شام کی طرف ایک لشکر روانہ کیا تھا جو ابھی مقام جرف میں پہنچا تھا کہ حضورؐ کی شدید علامت کی خبر پہنچی اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی گفتگو اب سوال یہ تھا کہ اس لشکر کو جس مہم پر بھیجا گیا تھا اُس پر اُسے جانے دیا جائے یا پہلے مرتدین کی سرکوبی کی جائے۔ جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی صحابہ کرامؓ اس سے گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ لے دے کے اب یہی مسلمان ہیں جو آپؐ کے سامنے ہیں اور آپؐ دیکھ رہے کہ عرب کا کیا حال ہے، وہ آپؐ سے ٹوٹتے جا رہے ہیں اس لیے مناسب نہیں ہے کہ آپؐ اس وقت مسلمانوں کو الگ الگ کریں لہٰذا لیکن وہ جو خلیفہ رسول تھا۔ وقت کے دریا میں اُن اُٹھنے والی امواج حوادث سے ہمیں سراسیمہ ہو سکتا تھا۔ اس کے سامنے سب سے پہلا کام جو کرنے کا تھا اور ضروری تھا یہ ہی ہو سکتا تھا کہ رسول اللہؐ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جو مہم روانہ فرما گئے تھے وہ تکمیل کو پہنچے اور ادھوری نہ رہے حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ کھائیں میں اس وقت بھی اسامہؓ کو آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کر دوں گا“ لہٰذا خلیفہ رسولؐ کا یہ قطعی فیصلہ معلوم ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس لشکر میں سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابہ شامل ہیں اور اسامہؓ نوجوان ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ امیر لشکر کسی معمر آدمی کو بنا دیجئے حضرت ابو بکرؓ نے سننے ہی غصہ میں قابو سے باہر ہو گئے اور فرمایا ”اے خطابؓ کے بیٹے! رسول اللہؐ نے اسامہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور اب تم کہتے ہو کہ ان کو معزول کر دوں حضرت عمرؓ یہ سن کر واپس گئے اور لوگوں کو برا بھلا کہا کہ ان کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ نے

لے ابن جریر طبری ج ۲ ص ۴۶۱ - لے طبری ج ۲ ص ۴۶۱ و تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۱۷

سے سخت سست سنا پڑا۔ لے

جیش اسامہؓ کی روانگی | بہر حال حضرت ابو بکرؓ نے اعلان عام کر دیا کہ جیش اسامہؓ میں جانے کے لئے جو لوگ نامزد کئے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ سب مقام جرف میں پہنچ جائیں اور خود وہاں پہنچ کر لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ لشکر روانہ ہوا تو پیادہ اس کی مشایعت کو چلے حضرت اسامہؓ جو گھوڑے پر سوار تھے بولے ”یا تو آپؐ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں بھی پیادہ ہوا جاتا ہوں“ فرمایا ”تم کو خدا کی قسم جو اُترو۔ اور میں بھی ہرگز سوار نہیں ہوں گا۔ کیا ہوا اگر اللہ کی راہ میں کچھ دیر کے لئے میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں“ اس کے بعد حضرت اسامہؓ سے فرمایا ”اگر تم نامناسب نہ سمجھو تو عمرؓ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہوگی“ حضرت اسامہؓ اس پر بخوشی رضامند ہو گئے۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے لشکر کو روک کر نہایت قیمتی ہدایات دیں جن کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔ اور لشکر روانہ ہو گیا لے

مہم کی اہمیت | اس مہم کی اہمیت خاص طور پر اس وجہ سے تھی کہ جیسا کہ غزوہ موتہ کے بیان میں گذر چکا ہے عرب و شام کی سرحد کے ایک رئیس شریل بن عمروؓ نے ان کے قاصد حارث بن عکیر کو قتل کر دیا تھا اور آنحضرتؐ نے ان کا انتقام لینے کی غرض سے زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی تھی۔ لیکن اس فوج کو شدید نقصان پہنچا۔ حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کے بعد کیے بعد دیگرے ان کے قائم مقام سب شہید ہو گئے اور فوج واپس ہو گئی۔ اسلامی لشکر کے اس حادثہ نے عرب و شام کی سرحدوں کے رُوسانے قبائل کو جو عیسائی تھے اس قدر ہمت دلا دی تھی کہ یہ لوگ اب مدینہ پر حملہ کرنے کا خواب دیکھنے لگے تھے اور خود مدینہ میں ان لوگوں کے حملہ کا اندیشہ اس قدر عام ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ (ایلاہ کے واقعہ میں) عتبان بن مالکؓ نے حضرت عمرؓ کو فرادق سے دفعہً اُکڑا کہا تھا کہ ”غضب ہو گیا“ تو حضرت عمرؓ نے گھبرا کر پوچھا خیر تو ہے کیا

عیسائی آگئے، لے

آنحضرتؐ مغزوہ تبوک کے نام سے جو ہم بیکر گئے تھے۔ اپنی دشمن اسلام قبائل کی سرکوبی کرنے اور حضرت زید بن حارثہؓ وغیرہ کا انتقام لینے کی غرض سے گئے تھے لیکن حالات ایسے پیش آگئے کہ آپؐ تبوک سے ہی پلٹ آئے۔ بہر حال ان قبائل کا زور ٹوڑنا ضروری تھا اور آپؐ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس میں جتنے دیر ہوگی ان لوگوں کا حوصلہ بڑھیکا اسی بنا پر آپؐ نے اپنی ناسازی طبع کے باوجود حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں یشکر روانہ کر دیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ عیش اسامہؓ کی اس اہمیت اور آنحضرتؐ کا جو مقصد تھا اس سے پوری طرح باخبر تھے اسی وجہ سے آپؐ نے جب لشکر کو اوداع کہا تو اور باتوں کے ساتھ امیر لشکر کو اس کی بھی تاکید کی کہ ”رسول اللہؐ نے تم کو جیسا حکم دیا تھا دیا ہی کرنا۔ اور وہاں دیکھو اس کی تعمیل میں ذرہ برابر کوئی کوتاہی نہ ہو،“ لے

آنحضرتؐ کا حکم کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا تھا۔

ان یوطی الخیل تحوم البلقاء والداروم فلسطین کی سرزمین میں بلقاء اور داروم کے جو علاقے ہیں اسلامی لشکر ان کو پامال کر کے آئے

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

وامرہ ان یوطی من ابل الزيت من مشارق اردن کی زمین جو شام کی سرحدوں میں ابل الزیت الشام الارض بالاردن۔ کے علاقہ میں ہے اس کو پامال کریں۔

چنانچہ اب لشکر جو تین ہزار مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا جن میں سے ایک ہزار سوار فوج تھی روانہ ہوا (آنحضرتؐ کی وفات کے انیس دن بعد) مدینہ کے شمال میں جہاں قبائل قضاعہ رہتے تھے وہاں پہونچا۔ یہاں سے روانہ ہو کر جب وادی القریٰ پہونچا تو حضرت اسامہؓ نے پہلے سے دو جاسوس روانہ کر دیے۔ یہ جاسوس حالات کی تحقیقات کر کے واپس ہوتے ہوئے اپنی تک جو وادی القریٰ سے دودن

لے صحیح بخاری واقعہ ایلا، لے طبری ج ۲ ص ۴۶۲ و ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۲

کی مسافت پر ہے۔ پہونچے ہی تھے کہ اسامہؓ بھی مع فوج کے پہونچ گئے۔ جاسوسوں نے حالات امید افزا بیان کئے تو حضرت اسامہؓ نے فوراً حملہ کی تیاری کرنے کا حکم دیا اور اس وقت فوج کو خطاب کر کے فرمایا۔

حضرت اسامہؓ کا لے مجاہدین اسلام! حملہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ دشمن اگر بھاگ پڑے فوج کو خطاب تو اس کا پیچھا نہ کرنا۔ آپس میں متحد و متفق رہو۔ ہلکی آواز سے بولو۔ اللہ کو اپنے دلوں میں یاد کرو۔ اور تلواریں جب ایک مرتبہ نیام سے باہر نکال لو تو پھر جب تک تم اپنے دشمنوں کا جو تم پر ہتھیار اٹھائے ہو ہسٹموں مر قلم نہ کرو۔ ان تلواروں کو نیام میں مت رکھو۔“

اس تقریر کے بعد حملہ شروع ہوا۔ دشمن مقاومت نہ کر سکا۔ اور مسلمانوں کی فتح کا اعلان ہو گیا۔ اس وقت حضرت اسامہؓ سبجہ نامی اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد حضرت زید بن حارثہؓ شہادت کے وقت سوار تھے چند مقامی لوگوں نے اس شخص کا بھی نشانہ ہی کی جس نے حضرت زید کو قتل کیا تھا۔ اسے امیر لشکر کے سامنے لایا گیا تو اس کے حکم سے اس شخص کی گردن اڑادی گئی اور اس طرح موتہ کا انتقام آج پورا ہوا۔

مقام ابی میں ایک دن قیام کر کے حضرت اسامہؓ نے مال غنیمت اہل لشکر میں شرعی طور پر تقسیم کر دیا۔ اور دوسرے دن یہاں سے روانہ ہو کر وادی القریٰ ہوتے ہوئے بخریت و عافیت مدینہ پہونچ گئے اس پوری مہم میں ایک مسلمان کا بھی جانی نقصان نہیں ہوا۔ حضرت اسامہؓ نے وادی القریٰ پہونچ کر مہم کی کامیابی اور اپنی واپسی کی اطلاع دربار خلافت کو کر دی۔ اس خبر سے مدینہ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جب لشکر مدینہ میں داخل ہوا ہے تو حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے صحابہ کے علاوہ خواتین تک اس کے استقبال کیلئے موجود تھیں حضرت اسامہؓ مدینہ میں داخل ہوئے تو اس شان سے کہ اپنے باپ زید بن حارثہ کے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے آگے آگے حضرت بریدہؓ پر چم اٹھائے چل رہے تھے یاد ہو گا کہ یہ وہی پرچم تھا جو آنحضرتؐ نے وفات سے چند روز پہلے اسامہؓ کو سپرد کیا تھا اور

جس کے متعلق جیش اسامہ کی روانگی کے مخالفوں کو جواب دیتے ہوئے حضرت ابوبکر نے کہا تھا کہ جس پرچم کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا تھا میں اسے کس طرح لپیٹ کر رکھ دوں اس منظر نے سب کو بے قرار کر دیا لیکن کون بتا سکتا ہے کہ اس وقت اپنے محبوب آقا و مولا کی آخری خواہش کو اس طرح اپنے ہاتھوں مکمل دیکھ کر خود صدیق اکبر سے قلب و جگر پر کیا کیفیت گزری تھی خوشی میں حضرت ابوبکر پر یہ کا یہ حال ہوا کہ تین مرتبہ انکی زبان سے نکل گیا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ - اگر ابوبکر خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی پوجا نہ ہوتی لے

مہم کا نتیجہ اور فائدہ | سیاسی اعتبار سے اس مہم کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قیصر روم پر جو اس وقت حملہ میں تھا اس قدر اثر ہوا کہ اس نے ملک کے بطارقہ (بشپ پادری) کو جمع کیا اور کہا ”دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کرتا تھا لیکن تم نہیں مانتے تھے تم ان عربوں کی ہمت و جرأت دیکھتے ہو! ایک مہینہ کی مسافت پر اگر تم پر چھاپہ مارتے ہیں اور صحیح سلامت اسی وقت واپس بھی چلے جاتے ہیں لے اس کے علاوہ عرب و شام کی حدود پر جو قبائل آباد تھے اور جو آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سن کر ہی علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ تھے ان کو یقین ہو گیا کہ اگر مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت بڑی مضبوط نہ ہوتی تو ان حالات میں یہ لشکر ہرگز مدینہ نہ پہنچتا اور دراز مسافت پر نہیں بھیجا جاسکتا تھا اس خیال نے ان کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت کی دھماک بٹھا دی اور وہ مرعوب ہو گئے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقابلہ نگار ڈبلیو ڈی منگمری لکھتا ہے کہ۔ پیغمبر اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف ہمیں روانہ نہیں کیا جائے گی عرب قبائل پر امن نہیں رہ سکتے۔ ابوبکر اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے۔ اسی وجہ سے باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انہوں نے اسامہ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا“ لے

ایک بحث | عام طور پر مورخین لکھتے ہیں کہ اس مہم کی تکمیل میں چالیس دن صرف ہوئے

لے جزئی طور پر یہ واقعہ تمام تاریخوں میں مذکور ہے لیکن یہ تمام تفصیلات تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۳ لے ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۴ لے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جدید ڈیشن ج ۱ ص ۱۱۰

بلکہ ابن عساکر نے تو ۳۵ دن کی بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں تاریخوں غلط ہیں اور اس کے وجہ حسب ذیل ہیں۔
۱) حضرت اسامہ جو کاروائی کی اس کا دائرہ بلقا تک جو شام کے جنوب غرب میں واقع ہے وسیع تھا اور مدینہ سے یہاں تک کی مسافت کسی حالت میں چھ سو ساڑھے پانچ سو میل سے کم نہیں ہے۔

(۲) جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ ہر قل نے اس مہم کی خبر سن کر بطارقہ سے کہا کہ دیکھو یہ لوگ (عرب) ایک مہینہ کی مسافت پر اگر چھاپہ مار گئے۔ ہر قل کے اس قول کے بموجب آنے جانے میں کم از کم دو ماہ لگنے چاہئیں۔

(۳) یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر نے یہ مہم ماہ ربیع الاول ۳ھ کے آخر میں روانہ کی تھی (۴) پھر یہ بھی ثابت ہے کہ طلحہ کے اکسانے پر چند قبائل نے جن کا ذکر آگے آئے گاندینہ کا جو محاصرہ کیا اور وہاں لوٹ مار مچائی تھی۔ یہ واقعہ ماہ جمادی الاخریٰ میں پیش آیا تھا۔ اور اس وقت تک حضرت اسامہ یقیناً واپس نہیں آئے تھے۔ کیونکہ ان قبیلوں کا یہ حوصلہ ہوا ہی اس لئے تھا کہ ان کے وفد نے مدینہ سے واپس ہو کر ان کو اطلاع دی تھی کہ مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں کم اور ان کی دفاعی طاقت کمزور ہے اس کے علاوہ حافظہ عبداللہ بن ابی کثیر نے تصریح بھی کی ہے کہ حضرت اسامہ اس واقعہ کے بعد آئے تھے۔

ثو قدّم اسامہ بن زید بعد
ذالک بديال لے
اس واقعہ (اعراب) کے چند روز بعد اسامہ
واپس آئے۔

ماہ جمادی الاخریٰ جو البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے اس سے اگر شروع
ماہ بھی مانا جائے تو ربیع الثانی اور جمادی الاول پورے دو مہینے پھر بھی ہو جاتے
ہیں۔

لے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۰۵ لے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۱۴

لے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۰۴

ابن کثیر نے چالیس دن کی روایت نقل کر کے ایک قول ستر (۷۰) کا بھی نقل کیا ہے لہ ہمارے نزدیک یہ ہی قول زیادہ صحیح اقبال قبول ہے۔ اس کی تائید طبری کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

وکان فراغہ فی اربعین اور اسامہ کی فراغت چالیس دن میں ہوئی
یوماً سوی مقامہ و تھی اور یہ دن اُن کے قیام اور واپسی کے دنوں
منقلبہ راجعاً لہ کے علاوہ ہیں۔

چنانچہ اسلامیات کے فاضل اور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس لشکر کی مدت واپسی ستر دن ہی لکھی ہے۔

ارتداد و بغاوت اور اسکے اسباب

آنحضرتؐ کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ باشندائے مکہ و مدینہ پورے عرب میں یکایک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور شور سے اٹھا کہ اسلام کی عمارت کے در و دیوار ہل گئے اور صحابہ کرام اس میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ایک راوی کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی اس وقت حالت اس بکری جیسی تھی جو کہ موسم سرما کی بارش والی رات میں کھڑی ہو لے بعض یورپین مصنفین نے عرب قبائل کی اس شورش و بغاوت سے یہ ثابت کرتا چاہا ہے کہ اسلام بزرگ و شمشیر اور زخمیر پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے عہد اسلام کی طاقت میں کچھ ضعف پیدا ہوا تھا کہ عرب نے علم بغاوت بلند کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے پھر ان کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کر لیا۔ لہ اس اعتراض سے قطع نظر تاریخ کے ایک طالب علم کو یہ خیال ضرور ہو سکتا ہے کہ آخر اسلام جو ایک دین حق اور مذہب فطرت ہے اس کا یہ نشہ کیسا تھا کہ چڑھا اور فوراً ہی اتر گیا۔ اس خیال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مؤرخ اس فتنہ کو عام طور پر فتنہ ارتداد کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم نے ان کی پیروی میں ”ارتداد“ کا ہی لفظ لکھا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ارتداد نہیں تھا۔ اور جو لوگ مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے وہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اگرچہ اسلام کو رسمی طریقہ پر کسی لالچ یا دباؤ سے قبول کر لیا تھا مگر قرآن کے لفظوں میں اسلام اُن کے حلق سے نیچے نہیں اتر ا تھا۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین تو ان لوگوں

کو سرے سے مسلمان ہی نہیں مانتے اور ان کی بغاوت کو سیاسی بغاوت کہتے ہیں
مستشرقین کی رائے پر و فیئر فلیپ مٹی لکھتے ہیں۔

”حقیقت یہ ہے کہ وسائل آمد و رفت کی کمی مبلغین کی باقاعدہ تنظیم کا
فقدان اور قلت وقت آنحضرتؐ اور صحابہؓ سے تک غزوات اور اپنی
اندرونی تنظیم میں ہی مصروف رہے۔ مبلغین کو بیرون مدینہ بھیجنے کا
وقت کم ملا یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے پیغمبر اسلام کی زندگی میں
جزیرہ نمائے عرب کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی مسلمان نہیں ہو سکی تھی
خود حجاز جو پیغمبر اسلام کی سرگرمیوں کا اصل میدان تھا اس کا حال یہ تھا
کہ آپ کی وفات سے ایک یا دو سال پہلے مکمل طور پر مسلمان ہوا تھا
جو وفد پیغمبر اسلام کی خدمت میں آتے تھے ظاہر ہے ان کو پورے عرب کا
ترجمان نہیں کہا جاسکتا۔ اور کسی وفد کے مسلمان ہو جانے کی حقیقت
اس سے زیادہ نہیں تھی کہ ایک قبیلہ کے سرداروں نے اسلام قبول
کر لیا تھا۔“

یورپین مصنفین میں سے مسطح جے ولہاؤسن (J. WELLHAUSEN) اور پروفسر کیتانی
(Z. CAETANI) کی رائے یہ ہے کہ کچھ کچھ ہوا سر تا سر سیاسی بغاوت تھی اور
مذہب کے ساتھ اس کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

وفات نبوی کے وقت اصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت راسخ العقیدہ
عرب قبائل میں دو گروہ مسلمانوں کے علاوہ جو حجاز اور طائف میں آباد تھے

لے ہٹری آف دی اریس ص ۱۴۱ لے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جدید ادب طبعی ج ۱ ص ۱۱۰ لے مکہ مدینہ
اور طائف کے جو قبیلے اس کے علاوہ قریش کے اسلام پر ثابت قدم رہے ان کے نام یہ ہیں۔ مرنہ غفار، حمیرہ
بنی، اشجع، آلم اور خزاعہ طائف کا قبیلہ ثقیف بھی متروک ہو گیا تھا۔ لیکن وہاں آنحضرتؐ کے مقررہ کردہ
عالی عثمان بن العاص تھے۔ انہوں نے بڑی تدبیر کام لیا۔ اور ان لوگوں کے ہمارے اولاد ثقیف تم سے آخر میں مسلمان ہوئے۔
باقی صفحہ ۱۵۷

عرب قبائل دو قسم کے تھے جن کے تفصیلی حالات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔
اعراب ایک قسم تو ان قبیلوں کی تھی جو مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں آباد تھے مثلاً غلبہ
ذبیان، بنو کنانہ، عطفان اور فزارہ۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام کا پیغام پہنچا
تھا لیکن چونکہ آنحضرتؐ نے بیرون حجاز میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے تمام
فرائض و واجبات کی تعلیم کا باقاعدہ پروگرام وفات سے صرف ڈیڑھ دو برس پہلے
ہی شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے معلمین و مبلغین کا تقرر عمل میں آیا تھا اس
بنا پر مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل نے اس پیغام کو سنا اور اسے قبول
بھی کیا۔ لیکن چونکہ ان کو براہ راست آنحضرتؐ کی صحبت و خدمت میں رہنے کا زیادہ
موقع نہیں ملا اس لئے اسلام کی اصل روح سے وہ آشنا نہیں ہو سکے تھے۔ اور
ان کا ایمان پختہ نہیں تھا۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کو اعراب کہا گیا ہے اور جگہ جگہ ان کو متنبہ کیا گیا ہے
کہ ان کا ایمان پختہ نہیں ہے۔ سورہ الحجرات میں ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّوِ
تَوَفَّنَا بِاللَّيْلِ قَوْلُكُمْ
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ
وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا
يَلْبِسْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ
اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔
محمدؐ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو
لیکن ہاں کہو کہ ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے
در انجا لیکہ ایمان تمہارے دلوں میں نہیں
داخل ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول
کی اطاعت کرو تو تمہارے عملوں میں سے اللہ

کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شبہ اللہ غفور درحیم ہے۔
ان اعراب میں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں میں کیا فرق تھا؟ قرآن
نے اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ کسی شخص کو اعراب کے
(باقی صفحہ ۱۵۷)
اس لئے اب سب سے پہلے مرتد بنو عثمان بن العاص کا یہ فقرہ کام کر گیا اور یہ لوگ ارتداد
سے باز آ گئے۔
(الصدیق ابو جبرائیل محمد حسین ہیکل ص ۸۲ مطبوعہ مصر)

سمجھنے اور پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو۔ فوراً ہی ارشاد ہوا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثَمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهَدُوا أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ ۝

مومن تو صرف وہ ہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس
کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں پھر وہ شک بھی
نہیں کرتے اور اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان
کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں اور بس وہی لوگ
سچے ہیں۔

یہ اعراب وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر مانعینِ زکوٰۃ بنے اس چیز کو ذہن میں رکھو
اور دیکھو کہ قرآن کس بلاغت سے اعراب اور مومنوں میں فرق بتاتے ہوئے خبردار کر
رہا ہے کہ۔

۱، ان اعراب نے اسلام کی ظاہری شوکت و سطوت اور اس کے سیاسی اقتدار و استیلا کو
دیکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن درحقیقت ایمان اب تک ان کے
دلوں میں اترا نہیں ہے اور ان پر جو کچھ یہ بھی تک مومن نہیں ہوئے ہیں۔ اس بنا پر ان کو اب تک
شکوک و شبہات ہیں اور یہ اللہ کے راستے میں جان و مال خرچ کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہیں۔
چنانچہ اعراب کی اس شرگرگی کو ایک اور آیت میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ
الْأَعْرَابُ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا
وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ
بِالْغَنَمِ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ط
قُلْ مَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ
أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ اللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

جو اعراب بچھڑ گئے ہیں وہ آپ سے کہیں گے
کہ ہم کو تمہارے مال اور متعلقین نے مشغول
کر لیا۔ اب آپ ہمارے لئے مغفرت طلب
کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے ایسی بات کہتے
ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔ اسے محمد آپ ان
کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تم کو نقصان پہنچائے یا نفع
تو اللہ کے اس ارادہ کو تمہارے لیے ہر کون روک
سکتا ہے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس
سے باخبر ہے۔

(الفتح)

پھر اس کو قرآن کے اعجاز کے علاوہ اور تم کیا کہہ سکتے ہو کہ اس نے ان اعراب کی
ایمانی کمزوریوں کی ہی پردہ دری نہیں کی ہے۔ بلکہ اس بات کی بھی پیش گوئی کر دی
کہ حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں یہ اعراب بچے مسلمان ہو جائیں گے اور پھر ان کو فاک
در دم جیسی طاقتور قوموں کے مقابلہ میں جنگ کرنے کیلئے بھیجا جائیگا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ
سُدُّ عَفْوَكَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ لِّقَاتِلُوا فِي اللَّهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ
فَإِنْ تَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ فَجَزَاءٌ
حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ
مِّن قَبْلُ مَعِدَةٌ بِكُمْ عَذَابٌ
الْإِيمَانِ (الفتح)

آپ بچھڑنے والے اعراب سے کہہ دیجئے کہ تم سخت
رجب و داب والی ایک قوم کی طرف بلائے جاؤ گے
تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے پس
اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر
عطا فرمائے گا۔ اور اگر تم نے ایسی ہی روگردانی کی
جیسی کہ تم نے پہلے کی تھی تو اللہ تم کو سخت عذاب
دے گا۔

ہم نے اوپر بتایا ہے کہ مدینہ کے قرب و جوار میں جو قبائل آباد تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں
جن کو قرآن نے اعراب کہا ہے۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَن
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ (التوبہ)

اہل مدینہ اور وہ اعراب جو ان کے ارد گرد
یعنی اطراف و کثافات میں رہتے ہیں ان کیلئے
مناسب نہیں کہ وہ رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں۔

یہ وہی لوگ تھے جن کی خاطر خواہ تہذیب نفس اور تنظیم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور
اسلام کی پوری حقیقت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی تھی اور اہل بدو ات ہونیکے قریب
سے ان کا ذہن امر حق کو فوراً گما نبغی قبول کرنے کی استعداد سے بے بہرہ تھا۔ اس
بنا پر خود ان اعراب میں بھی دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو دل و جان سے مومن ہو چکے
تھے اور دوسرے وہ جو عصبیتِ جاہلیہ اور اسلام کے درمیان کش مکش سے دوچار
تھے اور ابھی تک اپنے لیے کوئی قطعی راہ عمل متعین نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن نے اعراب
کی ان دونوں قسموں کو بھی الگ الگ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

الاعراب اشد کفراً ونفاقاً
اجدر الا يعلموا حد و دماً
انزل الله على رسوله طواله
عليه حكيمة ومن الاعراب من
يتخذ ما ينفق مغرمًا و يترقب
بكم الدوائر عليهم دائرة
السوء طواله والله سميع عليم
(التوبة)

اعراب کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور
اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام
اتارے ہیں ان کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ
علیم و حکیم ہے۔ اور اعراب میں بعض وہ ہیں جن
کا حال یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو ایک ٹکڑے
سمجھتے ہیں اور (سے مسلمان) اس کا انتظار کرتے
رہتے ہیں کہ تم کو چشم زخم پہونچے۔ یہ وبال انہی پر
پڑیگا اور البتہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

ان کے مقابلہ میں دوسری قسم کے اعراب ہیں جن کا ذکر اس طرح کیا گیا۔

ومن الاعراب من يؤمن بالله واليوم
الآخر ويتخذ ما ينفق قرباً عند الله
وصلوات الرسول طالها قرباً
لهم ط سيد ظلمهم الله في رحمة ط
ان الله عفون رحيم ط
(التوبة)

اور اعراب میں بعض وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر
ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو
اللہ سے تقرب کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ
سمجھتے ہیں ہاں بیشک وہ ان کیلئے تقرب الہی کا
ذریعہ ہے۔ اللہ عنقریب ان کو رحمت میں داخل کرے
گا۔ بیشک اللہ عفور و رحیم ہے۔

غور کرو پہلی قسم کے اعراب کی خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے
ہیں اس کو طراپ سمجھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ طبعاً بخیل اور کنجوس تھے یا کم از کم
اتفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو مسلمان
کہتے بھی تھے ان کے نزدیک اسلام صرف نماز اور روزہ کا نام ہوگا۔ ان کا اصول
زندگی ”گزر طلبی سخن دریں است“ تھا لے

لے اسی قسم کا ایک اعرابی تھا جو ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اسلام پر بیعت کی اس کے
بعد اسے بخار آگیا۔ تو اب اس نے حضورؐ سے کہا کہ ”میری بیعت کو منسوخ کر دیجئے“ آپ نے
ایسا کد سے انکار فرمایا۔ اعرابی پھر آیا۔ اور وہی درخواست کی۔ آپ نے پھر انکار فرمایا (باقی صفحہ
آئندہ)

اس کے بعد ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا باقاعدہ حکم فتح مکہ کے بعد ۸ھ
کے آخر میں نازل ہوا ہے اور آنحضرتؐ نے ۹ھ کے شروع میں اس حکم کی تبلیغ
و اشاعت اور زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے اپنے عمال و سفراء اطراف و جوانب میں روانہ
کئے ہیں اس بنا پر ان خاص اعراب کا ذہن زکوٰۃ کے بارہ میں صاف نہیں تھا۔ اسمیں
شک نہیں کہ ان میں شرارت پسند بھی تھے۔ لیکن یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ انہیں اکثر وہ
بیشتر ایسے بھی تھے جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ سمجھ بیٹھے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم
صرف آنحضرتؐ کی زندگی تک کیلئے تھا۔ یا اگر اب بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی
زکوٰۃ مدینہ ہی بھیجیں۔ اپنے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ہم خود اپنے فقرا
پر بھی خرچ کر سکتے ہیں اپنی زکوٰۃ جمع کر کے مدینہ بھیجے کو وہ لوگ ایک طرح کی زبردستی
سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ عمان سے واپس ہوتے ہوئے بنو عامر کے
علاقوں سے گزر رہے تھے کہ درمیان میں قرۃ بن ہبیرہ کے پاس قیام کیا۔ قرہ نے
خوب خاطر مدارات اور تواضع کی جب عمرو بن العاصؓ رخصت ہونے لگے تو قرہ ان
کو تنہائی میں لے گیا۔ اور بولا کہ اگر آپ لوگ (یعنی مدینہ واسطے) ہم سے مال لینا چھوڑ
دیں تو ہم سب عرب آپ کے مطیع و فرمان بردار رہیں گے۔ ورنہ ہم اس تادان کو قبول
نہیں کر سکتے اور آپ کے ساتھ متفق نہیں ہوں گے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ قریش
کے نامور ارباب سیاست میں سے تھے قرۃ کی اس دھمکی کے جواب میں بولے ”کیا تو
کافر ہو گیا ہے اور تو ہم کو عرب کی دھمکی دیتا ہے۔ میں تم لوگوں کو گھوڑوں سے
پامال کر دوں گا۔“ یہ کہا اور روانہ ہو گئے لے

ان لوگوں کے اس خیال کو تقویت اس سے بھی ہوئی ہوگی کہ جو قبائل عرب
مسلمان ہوتے جاتے تھے آنحضرتؐ ان کی آزادی اور اعلیٰ خالص مالی خود مختاری قائم
رکھتے تھے۔ بازان یا بدھان (علی اختلاف الروایات) جو حکومت فارس کی طرف سے
بقیہ گشت اب اعرابی اسی حالت میں مدینہ چھوڑ کر چلا گیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”مدینہ ایک بھیڑ کی مانند ہے
جو کھڑے کھڑے لوگ کر دیتی ہے۔“ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰ باب بیعتہ الاعراب طبری ج ۲ ص ۲۸

یمن کا گورنر تھا مسلمان ہوا تو آنحضرتؐ نے اُسکی سیادت کو جوں کا توں برقرار رکھا بحرین اور حضرت موت کے امر نے اسلام قبول کیا تو آپؐ نے اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا اور حکم دیا ان علاقوں کے مالداروں سے جو زکوٰۃ وصول کی جائے وہ انہیں کے فقرو، غریبوں پر خرچ کی جائے لے ان وجوہ کی بنا پر حبیب تک آنحضرتؐ اس عالم ناسوت میں تشریف فرما رہے یہ لوگ مطیع اور فرماں بردار رہے لیکن آپ کی وفات کے بعد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ اب مدینہ کی اسٹیٹ کو زکوٰۃ دینا گویا اس کا باج گزرا ہوا ہے اور اپنی قبائلی عصبیت کی وجہ سے وہ اس ننگ کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔

قبائل عرب میں اعراب کا یہ ہی وہ طبقہ ہے جن کو ہمارے مؤرخین مرتد لکھتے ہیں لیکن درحقیقت یہ مرتد نہیں تھے۔ بلکہ مسلمان تھے۔ البتہ مختلف اسباب کی بنا پر جن کا ذکر ابھی ہوا۔ اپنی زکوٰۃ مدینہ اسٹیٹ کو نہیں دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ اپنے موقع پر ہم بیان کریں گے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرام ان لوگوں سے جہاد و قتال کرنے کے حق میں نہیں تھے۔

سرکش و باغی قبائل (۲) ان اعراب کے علاوہ دوسرے قبائل وہ تھے جو مدینہ سے دور دراز اس کے جنوب میں یمن اور اس کے گرد و نواح میں شمال مشرق کی جانب عرب و شام کی سرحدوں پر آباد تھے۔ مؤرخین ان کو مرتد کہتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ایک عام غلط فہمی ہے آنحضرتؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ طبری نے سدی کے واسطے سے روایت کی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ کی طرف سے اعلانِ برأت کے بعد کفار عام طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ اس بنا پر اب بغاوت و سرکشی کا طوفان اٹھا تو اس کو ارتداد کے سوا اور کیا کہیں؟

لے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آنحضرتؐ نے جب اسلام کی دعوت اور اسکی تبلیغ و اشاعت کیلئے یمن بھیجا تو جہاں اور ہدایات کیں آپؐ نے معاذ بن جبل کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اخبرہم ان الله قد فرحن علیکم صدقة تو خدمن اغنیائکم فلو دعی فخرکم۔ باب بعث ابی موسیٰ و معاذ بن جبل

لیکن حق یہ ہے کہ یہ قبائل سر سے سے اسلام کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوئے تھے فتح مکہ کی بعد جب قریش بھی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور اسلام کی ایک زبردست اسٹیٹ مدینہ میں قائم ہو گئی تو عرب کے ان قبائل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اس کثرتِ وفد بھیجے شروع کئے کہ ۹ھ کا نام ہی عالم الوفود ہو گیا لیکن ان وفود نے آنحضرتؐ سے جس طرح اگر گفتگو کی ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ ہر قبیلہ کے دو چار آدمیوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول کر لیا تھا لیکن قبائل کا عام انداز یہ تھا کہ گویا وہ ایک سیاسی طاقت کے سامنے سرخم کر رہے ہیں اور ایک فاتح سے اپنے معاملات طے کر کے اپنے قبیلہ کیلئے معاشی اور سیاسی مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں دین اور روحانیت کا ان کی گفتگو میں بہت کم شائبہ تھا۔ اس بنا پر اگرچہ ان قبائل نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کر لیا لیکن یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ کب ان کو موقع ملے اور یہ اسلام کے بالفاظِ صمیم تر مدینہ کی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی ان کو موقع ملا اور وہ جھٹ اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

ہم اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے ذیل میں ان قبائل کے وفود کی آنحضرتؐ کے ساتھ گفتگو کی مختصر روئیداد لکھتے ہیں کہ قارئین کو اندازہ ہو سکے۔ کہ جن لوگوں کا آنحضرتؐ کیسی تھیں طرز گفتگو سو کیا ان کو بیچ بیچ مسلمان کہا جاسکتا ہے؟ اور جب یہ مسلمان ہی نہیں تو پھر ارتداد کا کیا ذکر؟

بنو تمیم | اس شورش و بغاوت میں جن قبیلوں نے حصہ لیا ان میں پیش پیش بنو تمیم اور بنو حنیفہ تھے۔ ۹ھ میں بنو تمیم کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا آنحضرتؐ نے ان کو جنت کی بشارت کی پیش کش کی۔ لیکن یہ لوگ اسکی قدر دانی نہیں کر سکے تھے۔ بولے ”قد بئرتنا فاعطنا“ آپؐ نے ہم کو خوش خبری دی ہے تو کچھ دیجئے بھی“ آنحضرتؐ کو اس جواب سے بڑا صدمہ ہوا۔ یہاں تک کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا اس کے بعد یمن کا ایک وفد آیا تو آپؐ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا بنو تمیم نے تو اس پیشکش

کو قبول نہیں کیا۔ تم کہہ لو تو ان لوگوں نے کہا ”قبلنا یا رسول اللہ“
 بنو حنیفہ اس قبیلہ کو شروع سے ہی اسلام اور آنحضرتؐ کے ساتھ رہا تھا چنانچہ ہجرت
 سے قبل ایک مرتبہ عکاظ کے میدان کے موقع پر اور قبیلوں کے علاوہ اس قبیلہ بنو حنیفہ
 کے لوگوں کے پاس بھی آنحضرتؐ تشریف لے گئے تو یہ لوگ نہایت بد ہنسی اور تلخ کلامی
 سے پیش آئے تھے لہٰذا کہہ کر ان کے درمیان ایک مقام لیا کہ ہے یہ قبیلہ ہمیں کا
 رہنے والا تھا۔ مسلمانوں کو اب اس قبیلہ کا ایک فرد تھا جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا
 اسی قبیلہ کا ایک وفد بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا اگر محمدؐ
 مجھ سے یہ وعدہ کر لیں کہ ان کے بعد میں سردار ہوں گا۔ تو میں ان کی تابعداری قبول کر لوں گا
 آنحضرتؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اسے لئے ہوئے مسلمانوں اور اس کے ساتھیوں
 کے پاس گئے اور فرمایا کہ اگر تو مجھ سے یہ شاخ بھی مانگے گا تو نہیں دوں گا۔ لہٰذا

اس قبیلہ کا ایک سردار تمامہ بن اثال تھا۔ اگرچہ اس نے بھی ہجرت سے قبل
 مکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ نہایت شہوخ چٹمی کا معاملہ کیا تھا لہٰذا اور پھر مکہ
 میں اسی کے علاقہ میں عامر بن الطفیل نے مسلمان مبلغوں اور مہمانوں کو دھوکہ
 سے قتل کر دیا تھا۔ لیکن سہ ماہ میں یہ گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو آنحضرتؐ نے اس کو
 معاف کر دیا اور یہ مسلمان ہو گیا۔ بنو حنیفہ کے کسی شخص نے مذہب بدل دینے پر
 طعنہ دیا۔ لیکن یہ آخر وقت تک اسلام پر قائم رہے اور نامور صحابی ہوئے۔
 مضر امین کا مشہور قبیلہ ہے۔ یہ لوگ کفر میں اس قدر شدید تھے کہ جو لوگ آنحضرتؐ
 کی خدمت میں آنا چاہتے تھے ان کی راہ میں بھی رکاوٹیں ڈالتے تھے اسی سال
 قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد خدمت گرامی میں آیا تو عرض کیا ”ہم لوگ قبیلہ ربیعہ

لے بخاری ج ۲ ص ۶۲۶ باب وفد بنی تمیم لے سیرت ابن ہشام لے صبیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۸ لے
 اصابتہ تذکرہ تمامہ لے بخاری ج ۲ ص ۶۲۸ لے اگرچہ طبری نے واقعی کے حوالہ سے تمامہ بن اثال کا نام
 بھی مزین کی فہرست میں لکھا ہے۔ (دیکھو طبری ج ۲ ص ۴۲۲) لیکن ظاہر ہے ہم بخاری کے مقابلہ و اقتدی کیا کہ صبیح
 تسلیم نہیں کرتے

سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے آپ کے درمیان مضر کے کفار حائل ہیں۔ ان لوگوں
 کے اس تشدد طبع کی وجہ سے ہی ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ان کے حق میں بددعا بھی کی تھی
 دوسرا یہ قبیلہ بھی مین کا ہے۔ سہ ماہ میں طفیل بن عمرو والد دوسی خدمت سامی میں حاضر
 ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس کے لوگ آپ کی اطاعت قبول کرتے نہیں اور سرکشی
 پرستے ہوئے ہیں آپ ان کے حق میں بددعا کر دیجئے۔ لیکن رحمت عالم نے دعا کی تو یہ
 کہ ”لے اللہ تو دوس کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان بنادے لے“

اہل بخران بخران مین کا مشہور شہر ہے جو مکہ سے سات دن کی مسافت پر ہے عیسائیوں
 کا بڑا مرکز تھا۔ اس شہر کے دوسرا راقب اور سید بھی اسی سال بارگاہ رسالت میں
 حضورؐ سے مباہلہ کرنے آئے تھے لیکن بعد میں ان کی ہلے بدل گئی اور آخرتہ اسلام
 لائے اور نہ مباہلہ کیا۔ یوں ہی واپس لوٹ گئے۔ لے

اہل حضرت موت۔ اس شورش و بغاوت میں اہل حضرت موت نے بھی کافی حصہ لیا تھا اسلام
 سے قطع نظر۔ ان بد بختوں کو خود آقاؐ نے دو جہاں کی ذات والاصفات کے ساتھ
 اس روجہ شدید دشمنی تھی کہ جب بنو عامر بن عوف کے ایک شخص کے ذریعہ یہاں آنحضرتؐ
 کی خبر وفات پہنچی تو یہاں کی عورتوں نے جن میں شریف و وضع دونوں قسم کی عورتیں
 تھیں باقاعدہ جنتی مسرت منایا۔ انہوں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی اور دف بجائے
 یہ عورتیں پہلے سے آنحضرتؐ کی موت کی دعائیں مانگتی تھیں۔ ابو جعفر محمد بن حبیب المتوفی
 ۲۵۵ھ نے ان عورتوں کی تعداد تیس کے لگ بھگ بتائی ہے اور ان میں سے
 خاص خاص عورتوں کے نام اور ان کے نسب بھی لکھے ہیں۔ موصوف کے بیان کے مطابق
 یہ عورتیں حضرت موت کے مختلف علاقوں مثلاً تبریم۔ مشطہ۔ النجیر اور تنعم وغیرہ میں پھیلی
 ہوئی تھیں یعنی وہ ان علاقوں کی نمائندگی کر رہی تھیں لہٰذا پس جب عورتوں کی آنحضرتؐ
 کے ساتھ دشمنی کا یہ عالم تھا تو اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان کا جن قبیلوں

لے بخاری ج ۲ ص ۲۲۴ لے العقد الفرید ج ۲ ص ۶۶۶ جدید ایڈیشن لے بخاری ج ۲ ص ۶۳۰ لے
 خلاصہ ج ۲ ص ۶۲۹ لے کتاب الجبر ص ۱۸۳-۱۸۵ مطبوعہ دائرة المعارف حیدرآباد دکن

سے تعلق تھا وہاں کی عام فضا کیا ہوگی؟
 بنو عامر | پھر معاملہ صرف یہیں تک محدود نہیں تھا بلکہ بعض قبیلوں نے آنحضرتؐ کو دھوکہ سے قتل تک کر دینے کی سازش کی تھی چنانچہ سلمہ میں عامر بن الطفیل اربہ بن قیس اور جبار بن سلمیٰ کی سرکردگی میں بنو عامر کا ایک وفد خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اسی ناپاک منصوبہ کو لے کر آیا تھا۔ عامر بن الطفیل اور اربہ دونوں میں قرارداد ہوئی تھی کہ عامر بن الطفیل حضورؐ کو باتوں میں لگا کر اپنے ساتھ مشغول کر لیا گا اور اربہ اربہ موقع پا کر آپؐ پر تلوار کا وار کر دے گا۔ لیکن یہاں پہونچکر اربہ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ عامر کے اشارہ کرنے کے باوجود ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکا۔ اور آخر دونوں واپس چلے گئے۔^۱

یہی عامر بن الطفیل ہے کہ جب اس کو بعض لوگوں نے اسلام کی دعوت دی تو اس نے پھر کرجواب دیا تھا۔ "میں نے تو قسم کھالی ہے کہ میں اس وقت تک جہنم نہیں لوں گا جب تک سارے عرب میرا مطیع نہیں ہو جائیگا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں قریش کے ایک حوصلہ مند شخص کی پیروی کروں۔" ^۲

یہ وفد بنو عامر جب واپس لوٹ رہا تھا۔ تو عامر بن الطفیل کو ایک مقام پر پلٹون ہوا اور قبیلہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں مر گیا۔ اربہ اپنے قبیلہ میں واپس پہونچا تو لوگوں نے حالات پوچھے۔ اس شخص نے نہایت حقارت آمیز الفاظ میں آنحضرتؐ کا تذکرہ کیا اور بولا "کچھ نہیں۔ یہ شخص (آنحضرتؐ) کس شئی کی عبادت کی ہم کو دعوت دیتا ہے۔ اگر یہ یہاں میرے پاس ہو تو میں اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا دوں۔" قدرت نے اس بد زبان اور گستاخی کا انتقام اس سے اس طرح لیا کہ اس واقعہ کے ایک یا دو دن بعد وہ اپنا اونٹ لے لے اسے فرخت کرنے جا رہا تھا کہ درمیان راہ میں اچانک اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گری اور دونوں وہیں جل کر بھسم ہو گئے۔ ^۳

۱۔ ابن جریر طبری ج ۲ ص ۳۹۸ لے ایضاً ۲۔ طبری ج ۲ ص ۳۹۹ لے ایضاً

یہ جو کچھ تم نے پڑھا جنوبی عرب کا حال تھا۔ شمال مشرق میں عرب دشام کی سرحد پر عساکر قضاہ وغیرہ جو قبائل آباد تھے ان کی فتنہ انگیزی اور شورش پسندی کی کیفیت تم غزوہ موتہ کے ذکر میں پڑھا آئے ہو۔ انہیں کی سرزنش اور تادیب کیلئے آنحضرتؐ نے حضرت اسامہ کی زیر سرکردگی ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ لیکن ابھی یہ مقام جرف سے آگے بھی نہیں بڑھا تھا کہ خود حضورؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یعنی آنحضرتؐ کی وفات تک یہ قبائل بھی بحیثیت مجموعی اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہے۔
 سطور بالا میں ہم نے قبائل کی ایک عام کیفیت و حالت پر روشنی ڈالی ہے جس سے اندازہ ہو گا کہ ان قبائل کو من حیث المجموع کینہ کر مسلمان کہا جاسکتا ہے اور جب یہ مسلمان ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ خلافت صدیقی میں یہ مرتد ہو گئے تھے۔ کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

اب ہم بعض خاص اشخاص کی نسبت گفتگو کریں گے جن کے متعلق ادلاغزوات نبویؐ میں شریک ہونا اور پھر باغیوں کی قیادت کرنا ثابت ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی مرتد نہیں عیینہ بن حصن الفزاری | حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ شخص فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے علاوہ غزوہ حنین و محاصرہ طائف میں شریک ہوا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے اس کو بنو النضر پر جو بنی تمیم کی ایک شاخ ہے چھاپا مارنے کے لئے بھیجا تھا لیکن ابوجبر کے عہد میں مرتد ہو گیا۔ ^۱

حافظ ابن حجر نے اس کو مسلمان ماننے کے بعد مرتد کہا تھا لیکن تحقیق سے ثابت ہوتا ہے یہ شخص آنحضرتؐ کے زمانہ تک مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔
 اصل یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو "مؤلفۃ القلوب" کہلاتے تھے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کو مال غنیمت میں سے حصہ دلاتے تھے اور ان کے ساتھ دوسری رعایتیں بھی کرتے تھے اور یہ سب کچھ تالیفِ قلب کی غرض سے ہوتا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص یا تو خود سچا اور لپکا مسلمان ہو جائے اور یا اگر

۱۔ الاصابہ تذکرہ عیینہ ابن حصن ج ۲ ص ۵۵

وہ اپنے قبیہ کا کوئی با اثر آدمی ہے تو مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں مولفۃ
القلوب کی بس صرف یہی حیثیت تھی۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مولفۃ القلوب بیخ مسلمان بھی ہو۔ یہ لوگ
غزوات تک میں شریک ہوتے تھے لیکن صرف مالی منفعت اور غنیمت میں حصہ دار
ہونے کے لئے اسلام یا جذبہ اقامت دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔
اُن کے ساتھ رہنے سے بہر حال مسلمان کی تعداد زیادہ نظر آتی ہے اور پھر مال غنیمت
میں اپنا حصہ حلال کرنے کی غرض سے یہ لوگ کچھ نہ کچھ کرتے بھی ہوں گے اس بنا پر
آنحضرتؐ انکو اپنے ساتھ لگائے رکھتے تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ سیاسی اعتبار سے
تدبیر و دراندیشی کا مقصد بھی یہی تھا۔ لے

عینۃ بن حصن اپنی قوم کا سردار تھا لے اور مولفۃ القلوب میں سے تھا لے
غزوہ حنین کے موقع پر آنحضرتؐ نے جن مولفۃ القلوب کو بہت کچھ دیا تھا۔
طبری نے اُن کی فہرست دی ہے اور اس فہرست میں عینۃ کا نام بھی ہے۔

لے طبری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ ۲۔ ابرسعیان بن حرب۔ اُن کے بیٹے امیر معاویہ و حکیم بن حزام
کو بحیثیت مولفۃ القلوب کچھ زیادہ حصہ دیا کرتے تھے۔ یہ حضرات مسلمان تھے اور اسلام پر قائم رہے
اس سے معلوم ہوا کہ مولفۃ القلوب مسلمان بھی ہوتے تھے اور تالیف قلب کا فائدہ صرف سیاسی نہیں
دینی بھی ہو سکتا تھا۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بعض غزوات میں شرکت کی بنا پر کسی شخص کے اسلام کا حکم
نہیں لگایا جاسکتا تھا اس کیلئے اسکی زندگی کے عام حالات دیکھے ہوں گے کیونکہ ممکن ہے وہ مولفۃ القلوب
میں سے ہو اور تالیف قلب نے بھی اس کو نہ بدلہ ہو یا منافق ہو لے چنانچہ حافظ نے اس کا ایک دل چسپ
واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا اس وقت حضرت عائشہؓ آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں
عینۃ نے حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ”یہ کون عورت ہے“ آپ نے جواب دیا ”عائشہؓ اب
عینۃ بولا“ آپ میری بیوی ام المومنین کو قبول کر لیجئے نا جو عائشہؓ سے زیادہ بہتر ہے حضرت عائشہؓ کو یہ
سن کر غصہ آگیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا ”یہ شخص احمق ہے مگر اپنی قوم کا سردار مطاع“ لے سگھ

عبداللہ بن ابی بکر کا بیان ہے کہ یہ سب لوگ اشراف میں سے تھے اور آنحضرتؐ نے ان
لوگوں کو سواونٹ فی کس کے حساب سے دئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود عینۃ کا
کیا حال تھا اور اگر وہ مسلمان تھا تو اس کا اسلام کس قسم کا تھا اس کا اندازہ واقعات
ذیل سے ہوگا۔ ا

کسی شخص نے آنحضرتؐ سے کہا ”یا رسول اللہ! آپ نے عینۃ اور اقرع بن حابس کو
سواونٹ دئے ہیں لیکن جعیل بن سراقہ کو چھوڑ دیا۔“ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

اما والذی نفسی بیدۃ لجعیل
بن سراقۃ الضمری خیر من
طلاع الارض کلہم مثل عینۃ
بن حصن والاقرع بن حابس
لکنی تألفتهما لیسلموا وکلت
جعیل بن سراقۃ الی اسلامہ
جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسکی قسم! اس میں
شک نہیں کہ جعیل۔ عینۃ اور اقرع جیسے تمام دنیا
بھر کے چھاپہ ماروں سے زیادہ بہتر ہے۔ لیکن میں
ان دونوں (عینۃ اور اقرع) کی دل جوئی کرتا ہوں
تاکہ یہ مسلمان ہو جائیں اور رہا جعیل تو اس کو میں نے
اس کے اسلام کے حوالہ کر دیا ہے۔

غور کرو! آنحضرتؐ کا ”لیسما“ فرمانا صاف بتاتا ہے کہ اس وقت تک یہ دونوں
آپ کے نزدیک مسلمان نہیں تھے۔ اس طرح ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ
میں چند انصاریوں کی نسبت آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس بات کے شاکی ہیں کہ
آپ مولفۃ القلوب کو تو کافی دے رہے ہیں۔ لیکن انصار کو نظر انداز کر رہے ہیں تو آپ
نے فوراً تمام انصار کو جمع کیا اور ایک نہایت مؤثر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تألفت بها قوماً لیسلموا
ووکلتکوا الی الاسلام لے
میں ان عطیات کے ذریعہ ایک گروہ کی دل جوئی کرتا ہوں
تاکہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور تم کو اے انصار اسلام کے
حوالہ کر دیا ہے۔

لیکن عینۃ کی فطرت احسان ناشناس تھی۔ آنحضرتؐ کی اس غیر معمولی داد و بخشش

کے باوجود وہ آپ کے صرف انہیں احکام کی تعمیل کرتا تھا جو اس کے ذاتی مفاد سے نہیں ٹکراتے تھے۔ غزوہ حنین میں اگرچہ اس کو سوانٹ مل چکے تھے لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے فریق مخالف کی ایک بڑھیا کو جو گرفتار ہو کر آئی تھی۔ باندی بنانے سے منع کیا تھا۔ عیینہ نہ مانا اور نہ فدیہ کے لانچ میں اسے بھی اپنے قبضہ میں کر لیا اور آنحضرتؐ کے حکم کے باوجود اسے واپس کر دینے سے انکار کر دیا لے

علاوہ بریں اس نے جاہلیت کے عادات و رسوم کو بھی ترک نہیں کیا تھا اور اس بنا پر آنحضرتؐ کے ساتھ کبھی بڑی بے ادبی اور گستاخی سے پیش آتا تھا طبری نے ۹ ص ۹۷ کے واقعات میں عبداللہ بن ابی بکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا۔ عیینہ بن حصن الفزاری اور اقرع بن حابس یہ دونوں بھی ساتھ تھے آنحضرتؐ ان کا مکانہ میں تشریف رکھتے تھے، ان لوگوں نے بڑی بے ادبی سے چمچ کر حضورؐ کو آواز دی اور باہر آئے کیلئے کہا۔ آپ باہر تشریف لائے تو ان لوگوں نے کہا۔ ہم آپ سے حسب و نسب میں مفاخرت کرنے کی غرض سے آئے ہیں آنحضرتؐ نے انکا چیلنج قبول کر لیا اور ان کے خطیب کے مقابلہ میں اپنے خطیب ثابت بن قیس اور ان کے شاعر زید قان بن بدر کے بالمقابل اپنے شاعر حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ انکے مہفوب کا جواب دیں طبری نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور جانبین کے خطبے اور اشار نقل کئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض غزوات میں شریک ہونے کے باوجود عیینہ اور اس کے دوسرے ساتھی۔ اقرع بن حابس۔ عطار بن حاجب بدستور عہد جاہلیت کے رسوم و افکار پر قائم تھے اور اسلام کی کسی تعلیم کا ان لوگوں کی زندگی پر کوئی اثر نہیں تھا لے

اسی کا یہ اثر تھا کہ جب طلحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو عیینہ جھٹ اس کا دست راست بن گیا اور اب وہ کہا کرتا تھا ”خدا کی قسم دو مہلکوں میں سے کسی ایک نبی کا ہم اتباع کریں

یہ ہمارے لئے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک قریشی نبی کی پیروی کریں لے عیینہ کا اقرار کہ وہ مسلمان نہیں تھا بہر حال اس لحاظ سے ہم کو عیینہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے اپنے اسلام قبل از ارتداد کے بارے میں ہم کو کسی مغالطہ میں نہیں چھوڑا جب یہ گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا ہے تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ اسکی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ مدینہ کے لڑکے کھجور کی ایک شاخ سے اس کو نکالتے پھرتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اود دشمن خدا! تجھ کو آخر یہ کیا سوچھی تھی کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا۔ عیینہ اس کے جواب میں کہتا تھا ”قسم خدا کی میں تو کبھی ایمان لایا ہی نہیں تھا لے

اس سلسلہ میں ایک خاص اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کا خون معاف کر دیا اور درگزر فرمایا لے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عیینہ حضرت ابو بکر کی رائے میں مرتد نہیں بلکہ باغی تھا۔ دوسرے لوگ عیینہ پر اس قسم کے دوسرے لوگوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے عباس بن مرداس السلمی اور اقرع بن حابس یہ بھی مولفۃ القلوب میں سے تھے اور اس حیثیت سے غزوات تک میں شریک ہوتے تھے لیکن عالم یہ تھا کہ غزوہ حنین میں عباس بن مرداس کو دوسرے مولفۃ القلوب سے حصہ کم ملا تھا تو یہ شخص بگڑ گیا اور چند اشعار بڑھے جن میں یہ دو شعر حافظ ابن حجر نے نقل کئے ہیں۔

اتجعل نفی و تخب العبید بین عیینة والاقرع
وما کان حصن ولا حابس یفوقان مرداس فی مجرم

ترجمہ۔ اے محمد! کیا آپ میرا دیر گھوڑے عبید کا ٹوٹا ہوا مال عیینہ اور اقرع کے درمیان تقسیم کرتے ہیں حالانکہ حصن اور حابس یہ دونوں بھی کسی مجمع میں مرداس پر نائن نہیں ہو سکتے تھے

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۹ محاصرہ طائف کے موقع پر عیینہ بھی اسلامی لشکر کے ساتھ تھا یہاں کسی شخص نے عیینہ کو مشرکین کی تعریف کرتے سنا تو اس سے کہا ”عیینہ خدا تجھ کو غارت کرے۔ تو آیا ہے محمد رسول اللہ کی مدد کرنے لیکن تعریف کر رہا ہے مشرکین کی“ عیینہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں تو تم مسلمانوں کے ساتھ (باقی اٹھ)

آنحضرتؐ نے یہ سنا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور حکم دیا کہ ”اسکی زبان کاٹ لو“ صحابہ کرام نے اس کی تعمیل اس طرح کی کہ اسکو کچھ اور دیگر اسکی زبان بند کر دی گئی۔ اقرع بن حابس کا حال تم ابھی پڑھ ہی چکے ہو کہ سلسلہ میں بنو تمیم کا جو وفد آنحضرتؐ کے ساتھ مفاخرت کرنے آیا تھا اُس وفد کا ایک رکن یہ بھی تھا۔ پھر انصار کے شکوہ کرنے پر آنحضرتؐ نے جن دو مؤلفہ القلوب کو زیادہ حصہ دینے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا تھا: ”لیسما“ ان میں سے ایک یہ اقرع بھی تھا۔ اسکے علاوہ عہد صدیق میں ایک مرتبہ عینۃ اور اقرع خلیفہ رسول کے پاس آئے اور کہا کہ آنحضرتؐ مؤلفہ القلوب کی حیثیت سے ہم پر داد و دہش کرتے تھے آپ بھی ایسا کیجئے اور اس کے بعد ایک زمین کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکر جو آنحضرتؐ کے قدم بقدم چلتے تھے انہوں نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ لیکن جب پروانہ خلافت کی تصدیق کے لئے یہ دونوں حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے شدید مخالفت کی اور فرمایا ”اسلام جب کمزور تھا۔ آنحضرتؐ تم لوگوں کی تالیف قلب کرتے تھے لیکن اب اسلام مضبوط اور قوی ہو گیا ہے اور ہم کو تم لوگوں کی پرواہ نہیں ہے تم اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنی جیسی جو کوشش بھی کر سکتے ہو مگر گزرو۔“

عذر کرو! ارتداد سے تائب ہونے کے بعد بھی ان لوگوں کی حیثیت حضرت عمر کے نزدیک کیا تھی؟ مذکورہ بالا اقتباس کے آخری فقرہ سے صاف ظاہر ہے۔
قبیلہ بنو سلیم کا ایاس بن عبداللہ بن عبدیالیل جو الفجاءہ کے لقب سے مشہور ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ثقیف سے جنگ کرنے آیا ہی نہیں ہوں۔ بلکہ میری غرض تو صرف یہ ہے کہ محمدؐ نے اگر طائف فتح کر لیا۔ تو مجھ کو ثقیف کی ایک لڑکی ملے گی جس سے میں لطف اندوز ہوں گا اور اس سے میری اولاد ہوگی (طبری ج ۲ ص ۲۵۵) لے طبری ج ۲ ص ۲۸۹ لے الامامہ ج ۲ ص ۲۹۳ (حاشیہ صفحہ ۱۸۱) لے طبری ج ۲ ص ۲۵۹ لے الامامہ ج ۲ ص ۵۹۔ اسی واقعہ پر طبری نے بھی لکھا ہے (ج ۲ ص ۵۰۶) لیکن الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں۔

مرتدین کے ایک گروہ کا غم نہ تھا لہٰذا لیکن ارتداد سے تائب ہونیکے بعد بھی اس کے اسلام کا کیا حال تھا؟ اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں مسلمان ہوں اور جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں ان سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اُس کو ہتھیار اور سنا و سامان سے لیس کر دیا لیکن یہ بد بخت ان ہتھیاروں سے خود مسلمانوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع ہوئی تو گرفتاری کے احکام جاری کئے جب گرفتار ہو کر آیا تو حضرت ابو بکرؓ نے شدید غداری اور بے وفائی کی وجہ سے اس کو بڑی سخت سزا دی اور آگ میں ڈلو کر زندہ جلا دیا۔

بہر حال اس بحث سے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن لوگوں کو مرتد کہا جاتا ہے ان کے اسلام قبل از ارتداد کی کیا حقیقت تھی؟ حد یہ ہے کہ مسلمانہ و طلیحہ جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا ان تک کی نسبت مؤرخین لکھتے ہیں کہ انہوں نے شروع میں اسلام قبول کر لیا تھا؟ لیکن اگر اسلام یہی ہے تو کفر کس چیز کا نام ہے؟ اصل بات یہی ہے کہ اول تو یہ ارتداد تھا ہی نہیں اور اگر تھا تو بجائے دینی اور مذہبی ارتداد کے سیاسی ارتداد تھا۔ یعنی ان لوگوں نے مصلحت و وقت کے پیش نظر آنحضرتؐ کی طرف سیاسی اطمینان قبول کی تھی۔ اور وہ بھی محض منافقانہ طور پر۔ چنانچہ اس کے بعد بھی ریشہ وانیوں میں لگے رہے اور جب فتنہ ساز گار ہوتی نظر آئی تو کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔

وجہ و اسباب

یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد قدرتی طور پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس صورت حال کے اسباب کیا تھے؟ اور وہ کیا وجوہ تھے جن کے باعث یہ لوگ دین حق کو اس تک قبول نہیں کر سکے تھے؟

لے البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۲۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اسکا نام انس لکھا ہے لیکن صحیح ایاس ہے طبری ج ۲ ص ۲۹۳۔

اصل یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے تیرہ سال تو مکہ مکرمہ میں بسر ہو گئے تھے یہاں اگرچہ حج کے موقع پر عرب کے مختلف قبائل کے لوگ آتے تھے اور آنحضرتؐ ان کو اپنا پیغام پہنچاتے تھے۔ لیکن اذل تو یہ پیغام ظاہر ہے کہ چند آدمیوں تک ہی پہنچا تھا اور پھر جو لوگ اسکو سنتے تھے وہ بھی مختلف طبیعت اور مختلف استعداد کے تھے۔ ان میں کچھ صدق دل سے اسکو سنتے تھے اور کچھ مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو تھوڑا بہت اثر قبول کرتے تھے لیکن قبیلہ میں پہنچنے کے بعد وہ اثر زائل ہو جاتا تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے دل سر سے لپیٹے ہی نہیں تھے، اس کے علاوہ چونکہ قریش کی سخت ترین عداوت کے باعث خود آنحضرتؐ اور آپ کے جان نثاروں کو سخت ترین مشکلات اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا اس لئے تبلیغ اسلام کا ایک ہمہ گیر نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر جب آپ مدینہ ہجرت کر گئے تو مدنی زندگی کے آٹھ سال غزوات و سرایا میں صرف ہو گئے اور اس کا اثر اگرچہ یہ ضرور ہوا کہ حجاز کی بڑی آبادی مسلمان ہو گئی لیکن یہاں بھی منافقین کا ایک مستقل گروہ موجود تھا۔ پھر یہود و نصاریٰ بھی تھے جو یقیناً اسلام کے اس عروج پر خوش نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ تو خود حجاز کا عالم تھا۔ رہ گئے وہ قبائل جو مدینہ سے دور دراز کے فاصلوں پر آباد تھے۔ تو اگرچہ آنحضرتؐ نے آخر عہد نبوت میں ان میں تبلیغ اسلام کے لئے مبلغین اسلام کے وفود روانہ کئے لیکن چند در چند وجوہ کی بنا پر یہ سب قبائل اس قدر جلد اسلام کی دعوت کو لبیک کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکے اور وہ وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) عرب عار ہوا و متعرب یعنی جنوبی عرب اور شمالی عرب کے قبائل میں دیرینہ عداوتیں تھیں یہاں تک کہ شمالی عرب کے لوگ خدا کو اللہ کہتے تھے تو جنوبی عرب کے قبائل رحل کہتے تھے۔ مسلمہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو بعض اس کے ساتھ صاف کہتے تھے کہ ہم جانتے ہیں کہ سلیم جھوٹا ہے اور محمدؐ سچے ہیں لیکن بایں ہمہ کذاب ربیعہ احب الیہ من صادق مضر، قبیلہ ربیعہ کا جھوٹا مضر کے سچے سے ہم کو زیادہ محبوب ہے۔

(۲) یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس اور منافقین۔ یہ لوگ اسلام کے دشمن اور موقع کے منتظر تھے ہی۔ اب انہوں نے قبائل عرب میں بے چینی دیکھی تو انہیں شہ دیکر اور آمادہ بفساد کر دیا چنانچہ سجاح بنت الحارث جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھیوں میں ایک بڑی تعداد بنو تغلب کے عیسائیوں کی تھی۔ لے

اسی طرح بحرین میں حطم کی زیر قیادت مجوسیوں نے بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ (۳) پھر سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں میں مدت سے چھٹلش چلی آرہی تھی اور عرب کے خانہ بدوش قبائل ان دونوں حکومتوں کے علاقوں پر گئے دن چھاپے مارتے تھے اس بنا پر دونوں نے اپنی اپنی سرحدوں پر ان عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر دی تھیں جنکو آج کل کی اصطلاح میں درمیانی مملکتیں (BUFFER STATES) کہا جاتا ہے۔ ایرانیوں نے جبرہ (حال کوفہ) میں ایک عربی ریاست اور رومیوں نے اسی طرح کی ایک عربی ریاست دمشق میں قائم کی۔ ایرانیوں اور رومیوں میں جھگڑا ہوتا تھی تو جبرہ اور دمشق کے عرب اپنی اپنی حامی مملکتوں کا ساتھ دیتے اور اس طرح خود اپنی ہی برادرانہ کوٹوں کے خلاف صف آرا ہوتے تھے۔ ایرانی اور رومی حکومتوں کی داد و دہش اور عرب نوازی کا اثر صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی بھی تھا۔ چنانچہ قبیلہ غسان جو سد آرب کے ٹوٹنے کے باعث شام کی سرحد پر آباد ہو گیا تھا اس نے عیسائی مذہب ہی قبول کر لیا تھا۔ اسی طرح بحرین میں باغیوں نے جب حضرت ابو بکر صدیق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ایران کی ساسانی حکومت نے ان کی پوری پشت پناہی کی اور ملک بھیج کر ان کی مدد کی لے

ابن عبد ربہ نے ”وفود العرب علی کسری“ کے زیر عنوان بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ عرب کے وفود کس طرح شاہ ایران کے دربار میں جاتے تھے اور وہاں سے بڑے عطیات و صلوات حاصل کر کے آتے تھے لے اسی طرح قیصر روم کی طرف سے ان عربوں کو بڑی بڑی رقمیں سالانہ عطیہ کے طور پر ملتی تھیں۔

ان حکومتوں کا عربوں پر اثر کس قدر عمیق تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے

لے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۱۱ لے نتوح اعظم الکونی۔ لے دیکھو العقد الفرید جلد اول

ہو سکتا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ حج کے موقع پر آنحضرتؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ قبیلہ بنو ذیل بن شیبان کے پاس تشریف لیگئے اور قلُّ لَعَالُوا اَنْلُ مَا حَدَّثَكُمْ رَبُّكُمُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَشْرِكُوْا بِهِ (الایہ) چند آیتیں پڑھ کر ان کو اسلام کی دعوت دی تو قبیلہ کے سردار مفروق مثنیٰ اور ہانی بن ربیعہ ان آیتوں سے بڑے متاثر ہوئے لیکن ساتھ ہی بولے کہ اذل تو بدعتوں کا خاندانی دین اچانک ترک کر دینا زود اعتقاد ہی ہے اور پھر ہم لوگ کسراہی کے زیر اثر ہیں اور ہم دونوں میں باہمی معاہدہ ہو چکا ہے کہ کسی اور کے اثر میں نہ جائیں گے لے

اسلام کا جب غلغلہ بلند ہوا اور پیہم فتوحات کے باعث اس کے قدم حجاز میں مضبوطی کے ساتھ جم گئے اور مدینہ میں ایک نہایت با اقتدار اسلام کی پہلی ریاست قائم ہو گئی تو اب ایران اور روم دونوں کی مملکتوں کو اپنی فکر ہوئی اور انہوں نے ان عرب قبائل کو جو ان کے احساندہ اور دست نگر تھے۔ اسلام کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور آخر کار انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے غزوہ موتہ کا اہتمام انہیں لوگوں کی کے لئے کیا تھا۔ لیکن ابھی اس مہم کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کی ہی وفات ہو گئی۔ اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا جو مواد اندر ہی اندر پک رہا تھا بغاوت کے کوہِ آتش نشان کی شکل میں اچانک پھٹ پڑا۔

مدعیان نبوت

ظاہر ہے اتنی بڑی اور وسیع تحریک بغاوت کسی لیڈر کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ان میں الاسود العنسی اس تحریک کا قائد تھا اور یمامہ میں بنو حنیفہ میں مسلمہ قبیلہ اسد اور عطفان میں طلحہ اور قبیلہ بنو تمیم میں سجاح اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ دراصل یہ تحریک ایک خالص سیاسی قسم کی تھی اور مذہب سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن چونکہ یہ لوگ لے روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت لے کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۵ مطبوعہ لندن۔

جانتے تھے کہ اس تحریک کو مذہبی رنگ دئے بغیر کامیاب نہیں بنایا جاسکتا اور پھر آنحضرتؐ کی مثال ان کے سامنے تھی اس بنا پر ان لوگوں نے مذہب کا نام دیکر یہ تحریک شروع کی اور خود اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اب ہم ان مدعیان نبوت کا حال الگ الگ لکھتے ہیں۔

الاسود العنسی | مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا شخص جو مرتد ہوا وہ الاسود العنسی ہے لے۔ اس کا نام عجلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ کہانت اور شعبہ بازی میں اسکو بڑی دسترس تھی اسکا ایک گدھا تھا جس کو اس نے سکھا پڑھا رکھا تھا۔ گدھے سے کہتا کہ کیا تو اپنے رب کے سامنے سجدہ نہیں کریگا اور اسکے بعد وہ گدھے سے گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہتا اور گدھا فوراً اس کی تعمیل کرتا تھا اس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالحیا پڑ گیا تھا۔ یہ بلاذری کا بیان ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ذوالحیا انہیں بلکہ ذوالخمار ہے۔ خمار وہ پتہ یا اوڑھنی کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ ہر وقت عمامہ باندھے رہتا اور چادر اوڑھے رہتا تھا۔ اسلئے اس کو ذوالخمار کہتے تھے۔ لے

العنسی کے ارتداد کے | یمن سیاسی اعتبار سے شاہ ایران کے ماتحت تھا۔ اور جب آنحضرتؐ وقت یمن کی حالت | نے اور سلاطین و امراء کیساتھ شاہ ایران کو بھی دعوت اسلام کا خط لکھا

ہے تو اس وقت بازان یا بدھان علی اختلاف الروایہ حکومت ایران کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ کسراہی (شاہ ایران) نامہ نبویؐ دیکھ کر چراغ پا ہوا اور اس نے بازان

کو لکھا کہ حجاز کے اس شخص (آنحضرتؐ) کا سراگے پاس بھیجے لیکن بازان کا قلب اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا اس لئے کسراہی کے حکم کی تعمیل کر نیکی بجائے اس نے کیا یہ کہ جب اسے آنحضرتؐ کی طرف سے اسلام کی دعوت پہنچی تو اس نے فوراً اس کو لبیک کہا اور اسلام قبول کر لیا اس سے پہلے اسلام کی دعوت یمن میں پھیل ہی چکی تھی اور بہت سے لوگ یہاں مسلمان ہو چکے تھے۔ اب آنحضرتؐ نے بازان

لے کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۵ مطبوعہ لندن لے فتوح البلدان ص ۱۱۱ تاریخ الکامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۲

کو اپنی طرف سے پورے یمن کا گورنر مقرر فرمایا لیکن کچھ دنوں بعد جب باذان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے یمن کی عملداری کو مختلف عمال میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ عمرو بن قمر کو بخران کا، خالد بن سعید بن العاص کو بخران و زبید کے درمیانی علاقہ کا، عامر بن شہر کو ہمدان کا، شہر بن باذان کو صنعا کا، عک اور اشعرین کا طاہر بن ابی مالک کو، مارب کا ابو موسیٰ اور جبذہ یعلیٰ بن امیہ کو عامل مقرر فرما دیا۔ ان عمال کے علاوہ اپنے چند معلمین بھی بھیجے تھے جو مختلف قبیلوں میں رہ کر ان کو اسلامی احکام و مسائل کی تعلیم دیتے تھے۔ معاذ بن جبل ان کے صدر تھے جن کیلئے کوئی علاقہ مخصوص نہیں تھا اور وہ قبیلہ قبیلہ تعلیم و تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت موت کے علاقوں پر زیاد بن لبید، سکا سک اور سکون پر عکاشہ بن ثور اور بنو معاویہ بن کنده پر عبد اللہ یا مہاجر عامل مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن مہاجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے باعث روانہ نہ ہو سکے تھے۔ آخر جب آپ کا حال ہو گیا تو حضرت ابو بکر نے ان کو روانہ کیا۔

اسود عسی کا دعویٰ حجتہ الوداع سے تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج گرامی نبوت اور خرد و جہت کا دیکھنا ساز ہو گیا تھا اسود عسی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کا ہوش بڑھا اور اس نے خود نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ جیسا کہ گز چکا ہے یہ شعبہ باز تو تھا ہی قبیلہ مدح اس کا ہم نوا ہو گیا۔ اسود نے سب سے پہلے بخران پر حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جگہ جو عامل اور مبلغ مقرر تھے۔ یعنی عمرو بن حزم اور خالد بن سعید ان کو یہاں سے نکال دیا اب وہ صنعا کی طرف بڑھا۔ ادھر سے باذان کا بیٹا شہر مقابلہ کیلئے نکلا۔ لیکن شہر بن باذان نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ اسود عسی کے خرد و جہت کے پچیس دن کے بعد پیش آیا (شہر صنعا کی حیثیت جو محرم گزری تھی اس لیے اسکے سقوط کے ساتھ ہی مسلمان عمال میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ فضا کو ناسازگار پاکر منتشر ہو گئے۔ بقول مؤرخ ابن اثیر کے اسود عسی کی شہرت آگ کی طرح پھیل گئی اور چند روز میں ہی یہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ شہر بن باذان کی شہادت کے بعد اس نے اسکی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا تھا جس کا نام آزاد تھا، قدرت نے اسی بیوہ کے

ہاتھوں اسکی ہلاکت مقدر کی تھی۔

اس واقعہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے یہاں جو لوگ اسود عسی کا خاتمہ اپنے اسلام پر ثابت قدم تھے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ صاف طور پر کھلم کھلا یا چالاک کیسا تھ جس طرح بھی ممکن ہو اسود عسی کا مقابلہ کریں لے ادھر ایران کے شاہی خاندان کے افراد اور اعیان و امرا جو یمن میں آباد تھے اسود عسی نے ان کیساتھ انتہائی تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ یوں بھی اس شخص سے نالاں اور پریشان تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پہنچا جس کو بوہ بن یحسں لازدی لیکر گئے تھے اور ادھر اپنے قیس بن ہبیرہ بن مکشوح کو بھی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اسود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا تو ان لوگوں نے ایرانی امرا فیروز اور داذ ویدا و شہر بن باذان کی بیوہ آزادہ کو اسود کی بیوی تھی ان سب کے ساتھ ملکر اسود کو دھوکہ سے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد کی رہنمائی میں ایک شب یہ سب لوگ اسود عسی کے مکان میں ایک پوشیدہ راستہ سے داخل ہو کر چھپ کر بیٹھ گئے اور آخر صبح کے وقت جبکہ اسود نشہ کی حالت میں پڑا سو رہا تھا فیروز نے آگے بڑھ کر اس زمرہ کا وار کیا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور مذہور و بیل کی طرح ڈھار میں مارنے لگا۔ اسود کے مکان کے پہرہ دار جو ادھر ادھر تھے یہ چیخ سن کر دوڑ پڑے اور پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو آزاد نے مذاق میں کہا کہ تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اتنے میں داذ ویدا و قیس اور چند اور مسلمان جو چھپے بیٹھے تھے آگئے اور قیس نے اسود کی گردن اسکے تن سے جدا کر دی۔ اسکے بعد شہر کی چہار دیواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اسود عسی جھوٹا اور کاذب تھا۔ اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے جو بھاگ سکتے تھے بھاگ گئے جنہوں نے کچھ مقادمت کی ان کا کام تمام کر دیا گیا لے

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا تھا اور آپ نے اپنی لے یہاں تک تفصیلات کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۵-۲۵۶ سے ماخوذ ہیں لے ابن اثیر فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳

زبان وحی ترجمان سے اسکا اظہار بھی فرمادیا تھا۔ لیکن اسکی اطلاع مدینہ میں پہنچی وفات کے دس دن بعد پہنچی تھی۔ چونکہ خلافت صدیقی کے عہد کی یہ پہلی خوشخبری تھی اسلئے حضرت ابوبکر کو قدرتی طور پر اسکی بڑی مسرت ہوئی۔ اسود غسانی کے قتل کے بارہ میں موحنین میں بڑا اختلاف ہے کہ وفات نبوی سے قبل ہوا ہے یا بعد میں لیکن سطور بالا میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے دونوں کے بیانات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

طلیحہ الاسدی طلیحہ کے باپ کا نام خویہ تھا اور قبیلہ بنی اسد کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے اسدی کہلاتا تھا، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ آنحضرتؐ کے عہد میں کیا تھا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو اپنے ضرار بن الازور کو نبو اسد کا عامل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں انکی سرزنش کجائے ضرار مسلمانوں کے ساتھ مقام واردات میں مقیم تھے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی ان کے برخلاف طلیحہ اپنے آدمیوں کیساتھ سمیرا میں فروکش تھا لیکن اسکے ساتھیوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ آخر ضرار کے کسی ساتھی نے طلیحہ کو پکڑ کر اس پر تلوار ماری لیکن اتفاق سے یہ پکڑ بھاگ نکلا۔ اب اسکو پریگنڈہ کا اچھا موقع مل گیا کہ تلوار اس پر اثر ہی نہیں کرتی ہے۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایک وسیع حلقہ اسکے گرد جمع ہو گیا۔ اتنے میں آنحضرتؐ کی وفات ہو گئی، طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ اسکے پاس جبریل آتے ہیں اور مسیح عبارتیں گھر گھر کر یہ طور وحی سناتا تھا۔ اور کہتا ہے کہ نماز میں کوع و سجود کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہاری کمر جھکے اور تمہاری پیشانیاں گرد آلود ہوں۔ آنحضرتؐ کی وفات کو بھی پریگنڈہ کا ذریعہ بنایا گیا لہٰذا چنانچہ عیینہ بن حصن الفراری جو طلیحہ کا دست راست تھا۔ جہاں عصیت کے نام پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔ یہ بھی کہتا تھا کہ دیکھو محمدؐ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن ہمارے پیغمبر زندہ ہے لہٰذا بہر حال اسد غطفان اور طے کے قبائل میں اس کو بڑا نفوذ و اثر حاصل ہو گیا۔ طلیحہ نے ان سب لوگوں کو دوحصوں میں تقسیم کر کے ایک کو مقام ابرق میں ٹھہرا دیا اور دوسرے فریق کو مقام ذوالقصہ کی طرف بھیجا جو مدینہ طیبہ سے بخد کے راستہ پر قریب ہی واقع ہے۔

لہٰذا ذی ص ۱۱۳ لہٰذا ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵۸۔ لہٰذا ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۱ لہٰذا طبری ج ۲ ص ۲۸۷

سبحان بنت امارت اس وقت نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی ہوا کچھ ایسی چل رہی تھی کہ مرد و عورتیں بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کیلئے اتر پڑیں۔ چنانچہ سبحان نے جو بنو تغلب سے تعلق رکھتی تھی۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو تغلب اور بنو نمیم میں کچھ لوگ اسکے پیرو ہو گئے۔ انکے علاوہ قبیلہ ہذیل جو عیسائی تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا اور مسیحیت کو ترک کر دیا۔ مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دست راست تھا لیکن سبحان اور مسلمہ جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔ دونوں میں ازدواجی تعلق ہو گیا لہٰذا اور اس طرح اسکی نبوت مسلمہ کی نبوت میں مدغم ہو گئی۔ **مسلمہ الکذاب** مسلمہ کے باپ کا نام حبیب تھا اور کنیت ابو ثمامہ یا ابو ثمالہ تھی لہٰذا بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ بنو حنیفہ کا جو وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں رسالہ میں آیا تھا۔ اسکا ایک رکن یہ بھی تھا ادا اس نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام بنانے کا آپ وعدہ کریں تو میں آپ سے بیعت کر لوں گا۔ لیکن آپ نے کھجور کی ایک شاخ جو آپ کے پاس تھی اس کی طرف اشارہ کر کے صاف جواب دیدیا کہ اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو میں نہیں دوں گا۔ لہٰذا اسی قبیلہ کے ایک اور شخص ھوزہ بن علی نے بھی آنحضرتؐ کو اسی طرح کی بات لکھی تھی۔ لیکن آپ نے اس کو بھی یہی جواب دیا اور ساتھ ہی دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو مجھ کو اسکے شر سے بچاؤ چنانچہ چند روز کے بعد ہی یہ مر گیا۔ (لہٰذا ص ۱۱۳) مسلمہ وفد بنو حنیفہ کے ساتھ اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اسکے ساتھیوں نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد رسول اللہؐ نے مسلمہ کو اپنا شریک کا تسلیم کر لیا ہے۔ بنو حنیفہ اور جو لوگ ان کے حلیف تھے سب مسلمہ کے ساتھی ہو گئے۔ اب مسلمہ کو حرات یہاں تک ہو گئی کہ اس نے آنحضرتؐ کو ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ عبارت تھی۔

لہٰذا اس تعلق کی ابتداء کیوں کر ہوئی اور یہ کس نوعیت کا تعلق تھا۔ ابن جریر نے اس کی تفصیل جو کہ نہایت مختص ہے۔ ج ۲ ص ۲۶۱ پر لکھی ہے لہٰذا فتوح البلدان ص ۹۰ بلاذری نے حلیہ یہ لکھا ہے کہ پست قامت زرد رُو آمد چپٹی ناک والا تھا۔ بلاذری بیان کے مطابق حبیب مسلمہ کے باپ کا نہیں دادا کا نام تھا۔ اور باپ کا نام کبیر تھا لیکن طبری وغیرہ مسلمہ بن حبیب لکھتے ہیں لہٰذا صحیح بخاری ص ۱۱۳

کا نام کبیر تھا لیکن طبری وغیرہ مسلمہ بن حبیب لکھتے ہیں لہٰذا صحیح بخاری ص ۱۱۳

”من مسیلمة رسول الله الى محمد رسول الله“ اور اس کے بعد لکھا تھا۔
 آدمی زمین میری ہے اور آدمی زمین قریش کے لئے ہے لیکن قریش انصاف نہیں کریں گے۔“
 یہ خط عمرو بن العاص نے مسیلمہ کی طرف سے لکھا تھا۔ اس کا جواب نبی صادق مصدوق
 نے ابی بن کعب سے جو لکھوایا اسکے شروع میں یہ الفاظ تھے ”محمد بنی الی مسیلمة الکذاب“
 اور پھر لکھا تھا کہ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

مسیلمہ کے ساتھیوں میں کثرت سے ایسے لوگ تھے جو مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے تھے اور اسکی
 بد اخلاقی و بد عملی کے باعث اسکو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن صرف قبائلی عصبیت کے باعث اس
 کے ساتھ لگے ہوئے تھے چنانچہ خود مسیلمہ کا مؤذن جس کا نام حجر تھا وہ جب اذان دیتا تھا
 تو بر ملا کہتا تھا۔ اشہد ان مسیلمة یزعم انہ رسول الله، یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا
 ہوں کہ مسیلمہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور لطف یہ ہے کہ مسیلمہ بھی یہ سن کر کہتا تھا
 افسح جیدولہ، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسیلمہ خود بھی اپنے متعلق کسی غلط فہمی میں
 مبتلا نہیں تھا لیکن صرف اپنا کام نکالنے کیلئے چہرہ پر نبوت کا نقاب ڈال لیا تھا۔

یوں تو مدعیان نبوت کے سلسلہ میں اور بھی دو تین نام ملتے ہیں لیکن انکو فروغ نہیں ہوا
 اور وہ جلد ہی گم نامی کی موت مر گئے۔ ارتداد و بغاوت کا عرب میں ایک بیک جو طوفان اٹھا
 تھا اسکی رہبری اور قیادت بھی مذکورہ بالا چار شخص تین مرد اور ایک عورت کر رہے تھے۔ ان
 کے علاوہ عیینہ بن حصن الفزاری اور مالک بن نویرہ وغیرہ ہما قسم کے لوگ انہیں میں سے کسی
 نہ کسی کے اعوان و انصار تھے۔ ان چار میں سے ایک شخص یعنی اسود غسانی تو آنحضرتؐ کی ہی
 حیات میں یا آپؐ کی وفات کے فوراً بعد (علی اختلاف الروایات) مارا گیا تھا اور اس کے
 ساتھیوں میں سے جو چند آدمی زندہ و سلامت بچ رہے تھے انہوں نے مسلمانوں کی
 اطاعت قبول کر لی تھی لہٰذا اب فتنہ کے سرخیل و سرغنہ طلحہ و سجاح اور مسیلمہ باقی رہ گئے تھے

لہٰذا فتوح البدان بلاذری ص ۹۷ لکھ خود فیروز دیں جنہوں نے اسود غسانی کو قتل کیا تھا اور جبر آنحضرتؐ
 نے انکے متعلق یہ الفاظ فرمائے تھے قتله رجل مبارک من اهل بیت مبادکین (ایران عرب کی طرف
 اشارہ ہے) انکا بیان ہے کہ اسود کی قتل کے بعد صنعا میں ہمارا دہی اتر قائم ہو گیا جو پہلے تھا اور معاذ بن جبل کو غازی
 پھاتے تھے (انباریۃ النہایہ ج ۲ ص ۲۱۱)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کا خاتمہ کس طرح کیا اور اس طوفان پر کیونکر قابو پایا۔ ائمہ
 باب میں اس کی تفصیل پڑھو۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے جنگی اقدامات

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں لشکر حدود شام کی
 طرف روانہ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو انصار اور کبار مہاجرین کی رائے عرب کی عام بغاوت و فتنہ
 انگریزی کے باعث اس کی خلاف تھی۔ ان حضرات کو اندیشہ تھا کہ مدینہ کو اسلامی فوج سے خالی
 دیکھ کر باغی مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور پھر ان عہدہ برہنہ ہونا مشکل ہو جائیگا۔ لیکن خلیفہ رسول
 نے اس مشورہ کو محض اسلئے قبول نہیں کیا تھا کہ آپؐ کے نزدیک سب سے مقدم اور ضروری
 آنحضرتؐ کے ادھورے چھوڑے کام کو پورا کر دینا تھا چنانچہ اپنے ایسا ہی کیا۔

مانعین زکوٰۃ اعراب کا دندہ قبائل عیس و ذبیان بنو کنانہ عطفان اور بنو فزارہ جو حوالی مدینہ
 میں آباد تھے یہ لوگ وہ تھے جو اس کا اقرار کرتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں
 دیں گے۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ تھے بعض تو وہ تھے جو برائے بخل سرے سے ادا زکوٰۃ
 کے ہی منکر تھے اور بعض کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے لیکن اسکو مدینہ نہیں بھیجیں گے، ان
 لوگوں کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں آنحضرتؐ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔

خدمن اموالہم صدقۃً تطہرہم
 و تزکیہم بہا و صل علیہم ان صلاتکم
 سکین لہم۔

یہ کہتے تھے کہ اب حضورؐ کی وفات کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جسکی صلوٰۃ ہمارے
 لئے سکون ہو۔ اس لئے اب ہم کسی کو زکوٰۃ نہیں دیں گے اس کے علاوہ ان کا ایک استدلال
 یہ بھی تھا کہ آنحضرتؐ کا زکوٰۃ کے بارہ ایسے ارشاد ہے۔

توخذ من اغنیاہم و ترد الی زکوٰۃ ہر مجاہد کے مال داروں سے لیجائے اور

فَقَرَّ آلُ هَبْرَ - انہیں لوگوں کے فقروں پر تقسیم کر دی جائے۔
اس بنا پر یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے تو اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے بلکہ خود اپنے قبیلہ کے فقرا پر ہی تقسیم کر دیں گے۔ اب ان لوگوں نے سلسلہ جنائی اس طرح کی کہ پہلے اپنے وفد گفتگو کے لئے مدینہ بھیجنے شروع کئے۔

ان وفد نے پہلے مدینہ کے دوسرے ذمہ دار حضرات سے گفتگو کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں حضرت ابوبکر سے ان کی سفارش کر دیں۔

صحابہ کرام اور حضرت اس وقت عرب کی جو عام حالت تھی کچھ اس کا احساس اور پھر ان وفد ابوبکر میں گفتگو کا استدلال بھی کچھ دل لگتا سا تھا۔ صحابہ کرام ان لوگوں کی گفتگو سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے صدیق اکبر سے کہا کہ ان اعراب کو جو زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے اور ان سے مزید کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ان اعراب کا ایمان ابھی نیا ہے۔ مکمل طور پر جب دل نشین اور راسخ ہو جائے گا تو پھر یہ لوگ خود زکوٰۃ دیں گے لے لیکن حضرت ابوبکر نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ”خدا کی قسم اگر یہ لوگ ادب کی ایک رسی سے بھی جس کو وہ آنحضرتؐ کے عہد میں ادا کرتے تھے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا ”زکوٰۃ مال کا حق (یعنی عبادت) ہے۔ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے ان سے قتال کروں گا۔“

حضرت عمر جو اپنی رائے کے اظہار میں زیادہ جری اور بیباک تھے انہوں نے کہا ”آپ ان لوگوں سے قتال کس بنیاد پر کریں گے؟“ آنحضرتؐ نے تو فرمایا ہے ”مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتل کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہؐ“

لے البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۱ علامہ ابن حزم نے اسی بنا پر ان لوگوں کی نسبت لکھا ہے وطائفة بعیت علی الاسلام ایضاً الا انہم قالو ”نقیم الصلوة“ وشرائع الاسلام ”الا اننا لا نؤدی الزکوٰۃ الی ابی بکر رضی اللہ عنہ ولا نعطي طاعة لاحد بعد رسول اللہؐ (المس والتمل ج ۲ ص ۶۱) لے بعض ٹیپوں میں قتال کا لفظ ہے جس کا معنی ہے کہ میں اور بعض میں عناق کا لفظ ہے اس کے معنی ایک برس سے کم عمر کی بیڑیں

نہ کہیں۔ لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے مگر ہاں جب ان پر کسی کا کوئی حق ہو لیکن حضرت ابوبکر کا استدلال یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ میں باعتبار فرضیت کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہی ہے اس کے علاوہ قرآن میں ہے۔

فَانْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلَوْا سَبِيلَهُمْ - پس اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان سے کچھ نہ کہو۔

پھر یہ معلوم ہے کہ بنو تقیف کا ایک وفد جو آنحضرتؐ کی خدمت میں طائف سے حاضر ہوا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ہم اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن نماز سے پہلو مستثنیٰ کر دیجئے تو آپ نے بڑی سختی کے ساتھ انکی یہ درخواست رد کر دی تھی اور فرمایا تھا ”بھلا وہ دین ہی کیا ہے جس میں نماز نہ ہو“ انہ لآخر فی دین لا صلوة فیہ“ پس جس طرح دین نماز کے بغیر کچھ نہیں ہے زکوٰۃ کے بغیر بھی وہ دین باقی نہیں رہتا ہے۔ حضرت ابوبکر کا فیصلہ جو حکم بالکل حق تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اسی ایک فیصلہ نے دین کی اصل عظمت اور اس کی اصلیت کو قائم رکھ لیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ بھی قائل ہو گئے خود فرماتے ہیں۔

فما هو الا ان رأیت اللہ قد شرح صدر ابی بکر - تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میں نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ابوبکر کا سینہ کھول دیا تھا۔

وفد کی ناکام واپسی اور بارگاہ خلافت سے مایوس ہو کر یہ ارکان وفد اپنے اپنے قبیلوں مدینہ کی حفاظت کے انتظامات کی طرف واپس ہوئے یہاں مدینہ میں دیکھ ہی گئے تھے کہ

صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد حضرت اسامہ کے ساتھ جا چکی تھی اور یہاں تھوڑے سے صحابہ کرام رہ گئے تھے ان لوگوں نے اپنے قبیلوں کو آمادہ کیا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر حملہ کر دیا جائے ادھر یہ لوگ یہ منصوبہ باندھ رہے تھے اور اٹھ

حضرت ابوبکرؓ نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے مدینہ کی حفاظت و نگرانی کا بندوبست شروع کر دیا۔ آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبار صحابہ یعنی حضرت علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیر بن عوامؓ

عبداللہ بن مسعود اور طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کر دیئے اور جو اہل مدینہ تھے ان پر مسجد میں حاضر ہونا لازمی کر دیا تاکہ اگر کوئی تنگانی صورت اچانک پیدا ہو جائے تو ان کو فوراً اطلاع ہو سکے اور سب کو خبردار کر دیا کہ اے مسلمانو! یہ وفد تمہاری قلت تعداد کو دیکھ کر گیا ہے۔ اس لئے تم نہیں جانتے کہ یہ صبح کو حملہ کر دیں گے یا شب میں، یہ لوگ مسافت کے اعتبار سے تو آخر تم سے قریب ہیں یہی یہ لوگ ہم سے معاملہ طے کرنے اور بہت کچھ توقعات لیکر آئے تھے لیکن ہم نے ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے اس لئے تم تیار ہو جاؤ اور ہوشیار رہو۔

مدینہ پر شب خون | حضرت ابوبکر کا جواندیشہ تھا وہ آخر صحیح ثابت ہوا۔ وفد کو ناکام گئے ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ان قبیلوں نے جو طلحہ اسدی کے زیر اثر تھے اپنے آپ کے دو حصوں میں برابر تقسیم کیا۔ ایک حصہ مقام ذوحسی میں چھوڑا جو مدینہ کے قریب نجد کے راستہ پر واقع ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ ملک کا کام دے۔ رہا دوسرا حصہ تو اس نے مدینہ پر غارت گری کے ارادہ سے چڑھائی کر دی۔ مدینہ کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا اس نے حضرت ابوبکر کو اطلاع پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنی جگہوں پر رہو اور ادھر سے آپ خود مسلمانوں کو ادنیٰ نیوں پر لیکر روانہ ہوئے باغی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ پڑے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ باغی مقام ذوحسی پہنچے تو جو لوگ یہاں پہلے سے موجود تھے وہ بھی اب ان کے ساتھ مل گئے مسلمان ادنیوں پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے آہی رہے تھے کہ ذوحسی والوں نے کیا حرکت کی چڑھ کے پھیلے جو ان کے ساتھ تھے ان میں پھونک بھری، غبارہ کی شکل بنا کر ان میں رسیاں باندھیں اور انکو ادنیوں کی طرف پھینک مارا۔ مسلمانوں کے یہ ادنیوں جنگ کی فریب کاریوں کے عادی نہ تھے۔ ایسے بھاگ پڑے اور سیدھے مدینہ میں گر پڑے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں | قبیلہ عبس و ذبیان بنو مرہ اور بنو کنانہ وغیرہم جو ان کے حلیف تھے سمجھے کہ مسلمان پس پا ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ اس لیے اب ان کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے

لے البدیۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۱۱-۳۱۲ لے کامل بن اثیر ج ۲ ص ۲۹۱ و طبری ج ۲ ص ۴۴۲ و البدیۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۳۱۱

مدینہ پر باقاعدہ حملہ کے ارادہ سے ذوالقصد (یہ مقام بھی مدینہ سے قریب نجد کے راستہ پر ہے) والوں کو بھی پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ طلحہ کا بھائی (حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بتایا لکھا ہے) حبال ان کی قیادت کر رہا تھا۔ ادھر یہ لوگ مدینہ پر حملہ کا جواب دیکھ رہے تھے اور ادھر حضرت ابوبکر نے مدینہ واپس پہنچ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا آتے ہی جنگ کی تیاریوں میں مہر و فہر ہو گئے۔ باقاعدہ فوج کی تربیت کی۔ فوج کے دائیں بازو پر نعمان بن مقرن کو، بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا اور پچھلا حصہ ان کے بھائی سدید کے سپرد کیا۔ ابھی ایک پہر شب باقی تھی کہ روانہ ہو گئے۔ صبح کی پوکھی طی بھی نہیں تھی کہ دشمن پر جا پہنچے یہ لوگ بے خبر آرام سے سو رہے تھے۔ مسلمانوں نے تلوار چلائی شروع کر دی یہ لوگ بدحواس ہو کر بھاگے تو ذوالقصد میں دم لیا خلیفہ رسول نے ذوالقصد تک ان کا تعاقب کیا لیکن اب ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لیے حضرت نعمان بن مقرن کو ان کے دستہ کے ساتھ ذوالقصد میں چھوڑ کر خود مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کی اس کامیابی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ حاصل ہوئی تھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پھر اس پر مزید یہ ہوا کہ مختلف قبائل کے جو سردار مسلمان تھے وہ اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچ گئے اس سے جہاں مالی اعتبار سے تقویت ہوئی اور مسلمانوں کو امداد پہنچی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باغیوں اور مرتدوں کی کثرت کے باوجود متعدد بیرونی قبائل کے رؤسا یکے اور سچے مسلمان تھے اس احساس نے خوشی دوچند کر دی۔

جو حضرات مدینہ کا پہرہ دے رہے تھے ان میں سے ایک ایک صاحب زکوٰۃ رئیس کو لیکر مدینہ میں آتا تھا تو مسلمان ان کو دیکھ کر کہتے "لہذا نذیر" حضرت ابوبکر فوراً فرماتے کہ نہیں بلکہ وہ بشیر ہیں۔ اور اسلام کے حامی ہیں۔ سست نہیں ہیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں

لے طبری ج ۲ ص ۴۲۸ چونکہ یہ حضرات مدینہ کے پہرہ دار تھے اس لئے ان کا آنا یہ ظاہر اس بات کی علامت تھی کہ مدینہ کو کوئی خطرہ پیش آگیا ہے احد یہ اسکی اطلاع لیکر آئے ہیں مسلمان فرط مسرت سے مذاق میں ان کو ہذا نذیر اسی مناسب ہے کہتے تھے جو حضرت صدقات لیکر آئے تھے تاریخوں میں ان سب کے نام بھی محفوظ ہیں

بل ہو بشیر۔" وہو حام و لیس یوان،" لوگ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر سے کہتے "طالما بشرت بالخیر" آپ تو ہمیشہ ہی خیر کی بشارت دیتے رہے ہیں۔

عبس و ذبیان کی غداری | حضرت ابوبکر کی ذوالقصر سے واپسی کے بعد قبیلہ عبس و ذبیان کا اور کوئی بس نہ چلا تو یہاں تھوڑے بہت جو مسلمان تھے ان کو دھوکہ سے قتل کر ڈالا۔ صدیق اکبر کو اس کی اطلاع ہوئی تو قسم کھائی کہ جب تک وہ ان قبیلوں سے مسلمانوں کے خون ناحق کا بدلہ نہیں لے لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اسی اثنا میں حضرت اسامہ اپنی ہم سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ گئے تھے اب حضرت ابوبکر کو اور زیادہ اطمینان ہوا، اپنے حضرت اسامہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا ارجو واستویحو! تم لوگ اب آرام کرو۔

ذوالقصر کو روانگی | اس انتظام سے فارغ ہو کر آپ نے بنفس نفیس ایک فوج لیکر ذوالقصر کی روانگی کا ارادہ کیا تاکہ غدار قبیلوں کو انکی غداری کی سزا دیکر مسلمانوں کا انتقام لیں صحابہ کرام نے ہر چند منت و سماجت کی اور کہا اے خلیفہ رسول! ہم آپ کو قسم دیتے ہیں آپ نہ جائیے اگر خدا خواستہ آپ کو چشم زخم پہنچا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہیں رہے گا۔ اور آپ کا یہاں رہنا دشمن کیلئے سخت مرعوب کن ہو گا آپ اپنے بھائی کسی دوسرے کو بھیج دیجئے گا وہ اگر کام آئے تو آپ انکی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر سکتے ہیں لے لیکن حضرت ابوبکر نہ مانے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں "جب میرے باپ سواری پر بیٹھے اور تلوار میان سے باہر نکلے ذوالقصر کیلئے روانہ ہوتے لگے تو حضرت علی ابن ابی طالب ان کی سواری کی باگ روک کر کھڑے ہو گئے اور بولے "اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہوں گا جو آنحضرتؐ نے غزوہ احد کے موقع پر آپ سے کہا تھا یعنی یہ کہ آپ اپنی تلوار میان میں کیچھے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دردمند نہ کیجئے،" لے

لے طبری ج ۲ ص ۴۹۹ لے البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۱۵ لیکن اسکے بعد حافظ صاحب فرماتے (بقیہ صفحہ آئندہ)

مانعین زکوة کی مکمل برکوبی | لیکن حضرت ابوبکر نے ان سب کے جواب میں فرمایا "اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور میں اپنے نفس کے ساتھ تمہاری غمخواری قبول نہیں کر سکتا، چنانچہ آپ اپنا لشکر لیکر ذی حسی اور ذوالقصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام ابرق میں اہل ربذہ پر حملہ کیا۔ حارث اور عوف یہاں کے لیڈر تھے، ان کو شکست دی بنو عبس اور بنو بکر خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ حضرت ابوبکر ابرق میں چند روز قیام فرمانے کے بعد آگے بڑھے اور بنو ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور آخر اس طرح عبس و ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا ان کا انتقام لیکر فتح و کلامانی کا پرچم اڑاتے ہوئے مدینہ واپس آ گئے۔ لے

بنو ذبیان - عبس - غطفان - بنو بکر اور ان کے علاوہ دوسرے قبیلے جو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے اور جو اعراب مدینہ کہلاتے تھے حضرت ابوبکر کی ان کے ساتھ یہ آخری کامیاب جنگ تھی، ان کو چاہئے تھا کہ اب وہ حضرت ابوبکر کی اطاعت قبول کر لیتے اور زکوة کی فرضیت کے بھی قائل ہو کر مسلمان اور یکے مومن بن جاتے۔ لیکن ان بہیم شکستوں نے ان کو بوجھلا دیا تھا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک اسلام کی جو مصروفیت نقاب انہوں نے اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی اسے بھی نوح کر پھینک دیا اور جو کھلم کھلا باغی اور کافر تھے ان کی صفوں میں جا کر مل گئے۔ اس لئے حروب ارتداد کا اب ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

لے طبری ج ۲ ص ۴۹۹ - (بقیہ صفحہ گزشتہ) ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضرت علی کی درخواست قبول کر لی اور وہ خود واپس ہو گئے اور لشکر روانہ کر دیا حالانکہ طبری وغیرہ میں ہے کہ آپ نے یہ مشورہ منظور نہیں فرمایا اور بنفس نفیس تشریف لے گئے۔

مدعیان نبوت اور مرتدین عام جنگ

اس وقت تک حضرت اُسامہ اور ان کے رفقاء کچھ دنوں آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو چکے تھے اس لئے اب موقع تھا کہ مدعیان نبوت کے برخلاف نہایت شدید اور ہم گیر مہم کا آغاز کیا جائے اور اس کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ بنو عبس و ذبیان اور بنو بکر وغیرہم ریدہ میں شکست فاش کھانے کے باوجود راہِ راست پر آنیکے بجائے طلیمہ کے نزدیک امن پناہ گیر ہو گئے تھے وہاں طے غطفان اور سلیم دوسرے قبیلے پہلے سے تھے ہی اسلئے اب طلیمہ کی طاقت دو چند ہو گئی تھی اور وہ اس وقت اسلام کے لئے بڑا خطرہ بنا ہوا تھا یہ حال تو مدینہ کے مشرق اور شمال مشرق کا تھا۔ اس کے علاوہ جنوب میں جوہگ لگی ہوئی تھی اس کا مختصر ذکر آہی چکا ہے۔

اسلامی فوج کے ان سب امور کے پیش نظر حضرت ابوبکر ذوالقصرہ میں دوبارہ گیارہ دستے تشریف لائے اور یہاں پوری اسلامی فوج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ کا الگ الگ سردار جو صاحبِ علم ہوتا تھا مقرر فرمایا۔ اسکی تفصیل حسب ذیل نقشہ سے معلوم ہوگی۔

(نقشہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

ان قبیلوں یا اشخاص کے نام جن سے جنگ کرنے کیلئے ان سردار ان فوج کا تقرر ہوا تھا۔	مقام جنگ	سردار فوج کا نام
طلیحہ اور مالک بن نویرہ	بزاختہ اور بطاح	۱ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ
مسلمہ کذاب اور بنو حنیفہ	یمامہ	۲ عکرمہ ابن ابی جہل
پیردان اسود عسلی اور قیس بن املہ	یمین و حضرت موت	۳ مہاجر ابن ابی امیہ
قضاۃ و دلیعہ اور حارث	عرب و شام کی سرحد	۴ عمر بن العاص
یہاں جو قبائل آباد تھے بڑے کرکش تھے	الحققان (حد و شام میں)	۵ خالد بن سعید بن العاص
الحکم بن صبیحہ	بحرین	۶ علاء بن الحفصی
	یمین کا نشیبی علاقہ	۷ سوید بن المقرن
	مہرہ	۸ عرفجہ بن ہرثمہ
لقیط بن مالک الازدی	عمان	۹ حذیفہ بن محسن
بنو سیم و ہوازن	عرب کا شمالی حصہ	۱۰ طریفہ بن حاجز السلی
مسلمہ و بنو حنیفہ لے	یمامہ (حضرت عکرمہ کیساتھ)	۱۱ شرییل بن حسنہ

وقت اور سیاست کا تقاضہ تھا کہ حضرت ابوبکر خود مدینہ میں قیام فرمائیں چنانچہ آپ فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے دار الخلافہ میں مقیم رہے اور یہیں سے فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی اور اس کیلئے احکام و ہدایات جاری کرتے رہے۔

اتمامِ حجت کے لئے حضرت ابوبکر نے فوج کو روانہ کرتے وقت ایک اعلانِ عام لکھوا کر ہر دستہ فوج کو الگ الگ دیا تاکہ جنگ سے پہلے باغیوں اور دشمنوں کو سنا دیا جائے۔ اسکو سنکر اگر یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اسلام کی اطاعت قبول کر لیں تو ان سے درگزر کیا جائے ورنہ پھر جنگ فیصلہ کرے گی۔ چونکہ حضرت ابوبکر کی یہ تحریر نہایت

لے طبری نے (ج ۲ ص ۸۰) ان کا نام طریفہ لکھا ہے لیکن ابن اثیر اور دوسری تاریخوں میں من بن حاجز ہے دیکھو کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۳ لے طبری وابن اثیر

اہم ہے جس سے آپ کی سیاسی بصیرت عزم و ہمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اور ساتھ ہی محترم اسلام کی اصل روح اس میں سمود گئی ہے اس لیے ہم ذیل میں طوالت کے باوجود اس کا پورا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

خليفة رسول کا اعلان عام | ابو جبر خلیفہ رسول اللہ کی طرف سے ان تمام عام و خاص لوگوں کے نام جن کے پاس میری یہ تحریر پہنچے اور جو اسلام پر قائم ہوں یا اس سے روگرداں ہو گئے ہوں۔ سلام ان پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور ایک مرتبہ اسکو قبول کر لیا بعد اس سے گمراہی ادا نہ دے پن کی طرف نہیں لوٹے میں تم سب لوگوں کے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، ہم ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو آپ لکھ کر آئے اور جو شخص اس کا منکر ہے ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اے اس جہاد کرنے والے! اللہ تعالیٰ نے محمد کو اپنی طرف سے حق کیساتھ اپنی مخلوق کی طرف بشیر و نذیر اور حق کا داعی بنا کر اور چراغ فروزاں بنا کر بھیجا۔ تاکہ جو لوگ زندہ ہیں آپ انکو ڈرائیں اور کافروں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ اللہ نے جس کو توفیق دی اس نے یہ امر حق بخوشی قبول کر لیا۔ اور جس نے اس سے پشت پھیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ حکم اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ بھی طوعاً یا کرہاً اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے اٹھالیا۔ آپ اللہ کے امر کو نافذ کر چکے تھے اور آپ پر جو کچھ فرض تھا اس کو پورا کر چکے تھے اللہ اس بات (وفات نبوی) کو اپنی کتاب کے ذریعہ محمد رسول اللہ

لے حضرت ابو بکر نے اس موقع پر آنحضرت کی وفات کا ذکر زیادہ قوت کیساتھ اس لیے لیا کہ عینیت بن حسن وغیرہ جیسے مفسد قبائل میں یہی کہہ کہہ کر پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ محمد کی وفات ہو گئی اور طلحہ ابیک زندہ ہے اور زندہ رہے گا اس سے معلوم ہوا کہ اصل پیغمبر طلحہ ہی ہے۔ بخور کرد حضرت ابو بکر کے یہ ارشاد دل منسوب بہت اور مقام رسالت سے متعلق اسلام کے اصل نقطہ نظر کی کتنی اعلیٰ قسم کی توضیح ہے جیسے بعثت اسلام دوسرے اہم اہل تہذیب و تمدن میں ہو جاتا ہے۔

اور تمام اہل اسلام کو صاف طور پر بیان کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔
إِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ ہ
بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور دوسرے بھی مرنے والے ہیں
اور اس نے کہا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ
أَفَاِنْ مِتَّ فَهُوَ الْخَالِدُ فِي الدُّنْيَا ہ
اور آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو بھی دہائی
زندگی نہیں بخشی تو کیا جب آپ مر جائیں گے تو یہ
لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیتوں میں تو خطاب خاص آنحضرت سے تھا۔ ان کے علاوہ عام
مؤمنوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

وما محمد الا رسول قد خلت من
قبله الرسل فان مات او قتل انقلبتم
على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه
فلن ليعزر الله شيا و سيجزا الله
الشاکرین ہ
اور محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول، ان سے پہلے بھی
رسول گذر چکے ہیں تو اگر یہ مرجائیں یا قتل کر دیے
جائیں تو کیا تم روگردانی اختیار کر لو گے اور جو روگردانی
اختیار کر لیا۔ تو وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں
پہنچا سکتا ہے اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

پس جو شخص محمد کی پوجا کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد مر گئے۔ لیکن ہاں جو
شخص صرف اللہ کو پوجتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے تو اللہ اسکی نگرانی کر فرماتا ہے
وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئیگی، اس کو نہ
غموں کی آتی ہے اور نہ نیند۔ وہ اپنے امر کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اپنے دشمن سے
بدلہ لینے والا ہے اور وہ اس کو اس دشمنی کی سزا دے گا اور میں تم لوگوں کو وصیت کرتا
ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اس سے اور جو چیز تمہارے نبی الائے ہیں اس سے اپنا حصہ لو
آنحضرت کے اسوہ کا اتباع کرو۔ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ کیونکہ جس
شخص کو اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ ہے اور جس کو اللہ معاف نہیں کرتا وہ مہاب
میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ
نے ہدایت دی وہ راہ راست پر آیا۔ اور جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا وہ گمراہ رہے گا۔

راہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْسِدًا۔ اور پھر اس کا دنیا میں کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا۔ جو اس کو اللہ سے قریب کر دے۔ اور آخرت میں نہ کوئی فدیہ قبول کیا جاتا ہے اور نہ اس کے برابر کوئی چیز۔

تم میں سے جو لوگ اسلام کا اقرار کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اپنے دین سے پھر گئے ہیں مجھ کو ان کی اطلاع پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ وہ اللہ کے متعلق غلط فہمی میں ہیں۔ اس کے امر سے جاہل ہیں اور انہوں نے شیطان کی آواز پر لبیک کہا ہے۔

اب میں انصار و مہاجرین اور تابعین باحسان کے لشکر کا فلاں فلاں کو سردار بنا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میں نے ان کو حکم کیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے نہ قتال کریں اور نہ قتل کریں جب تک کہ اللہ کی طرف اس کو دعوت نہ دیں۔ اس دعوت کو جو شخص لبیک کہے گا۔ اقرار کر لے گا۔ اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آ جائیگا۔ اور نیک عمل کرے گا۔ یہ میرا نمائندہ اس کو قبول کر لے گا۔ اور اس کی مدد کرے گا۔ لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کرے گا تو میں حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔ پھر جب یہ دشمن ہاتھ لگ جائے تو ان کو آگ میں جلائے۔ ان کو قتال کر کے ختم کر دے اور ان کی عورتوں اور اولاد کو گرفتار کر لے۔ اور اب سوائے اسلام کے ان سے کوئی چیز قبول نہیں کی جائیگی۔ پس جو لوگ ان میرے نمائندوں کا اتباع کریں گے تو وہ ان کیلئے بہتر ہوگا۔ اور جو ان کی پرواہ نہیں کرے گا وہ اللہ کو ذرا عاجز نہیں کر سکتا۔

میں نے اپنے نامہ بردوں کو حکم دیا ہے کہ میری یہ تحریر تم لوگوں کے ہر مجمع میں پڑھ کر سنائی جائے۔

عہد نامہ لشکر روانہ ہوئے تو ان کے آگے آگے یہ نامہ برچل رہے تھے جو اس تحریر کو لے

ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان تو مرتدین کے نام تھا جن سے قتال کرنے کے لئے یہ لشکر روانہ ہو رہے تھے اس کے علاوہ خاص امراء فوج کے نام اپنے ایک عہد نامہ الگ تحریر فرمایا تھا جس میں ان کے فرائض و حاجات بتائے گئے تھے۔ اور جنگ کے سلسلہ میں ان کو خاص خاص ہدایات اور احکام دئے گئے تھے اس میں بھی یہ بات بالکل صاف صاف کہی گئی تھی کہ ان مرتدین سے اسلام کے سوا کوئی اور دوسری چیز مقبول نہیں ہوگی اور خود مسلمانوں کے ساتھ نرمی و ملاحظت کا برتاؤ کرنے کی تاکید کی تھی۔ لے

جنگِ بزاخہ

عبس اور ذبیان کی شکست کے وقت طلحہ سمیرا۔ ایک مقام میں مقیم تھا اب وہ بزاخہ میں آ گیا تھا۔ اور ادھر ادھر کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت خالد بن الولید اسی کے مقابلہ پر مامور کئے گئے تھے۔ حضرت خالد کو ہدایات حضرت خالد جیب اپنی مہم پر روانہ ہوئے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو چند ہدایات دیں جن سے خلیفہ رسول کی فوجی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے اپنے فرمایا۔

”تم پیش قدمی اس طرح کرنا کہ قبیلہ بنو طے سے آغاز کرو لے پھر بزاخہ کا رخ کرنا اور جیب یہاں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر بطاح کی طرف پیش قدمی کرنا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ جب تم ایک مہم سے فارغ جاؤ تو میں اسی جگہ اس وقت تک رہنا جب تک کہ میرا حکم نہ پہنچ جائے ساتھ ہی حضرت ابو بکر نے بطور ایک تدبیر کے

لے طبری ج ۲ ص ۴۸۲ لے صدیق اکبر کو معلوم تھا کہ اگرچہ اس وقت بنو طے بھی طلحہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں لیکن وہ ایسے زیادہ سرکش نہیں ہیں معمولی گفتگو اور کسی قدر تحریف و تہدید سے رام ہو جائیں گے۔ اسی بنا پر آپ نے بنو طے کے متعلق یہ مشورہ دیا۔

دشمن کو مرعوب کرنے کی غرض سے خود اپنے متعلق یہ مشہور کر دیا کہ میں ایک فوج لے کر خیر جبار ہوں اور وہاں خالد کی فوج کے ساتھ ملکر اسکی مدد کروں گا۔

بنو نضہ مسلمان ہوتے ہیں | قبیلہ بنو نضہ کا مقام اجا تھا۔ خلیفہ رسول کی ہدایت کے مطابق حضرت خالد نے پہلے اس کا رخ کیا۔ حضرت عدی بن حاتم جو اس قبیلہ کے معزز شخص تھے اور اپنے اسلام پر قائم تھے حضرت ابوبکر کے حکم سے بنو نضہ کے پاس آئے اور کہا کہ دیکھو خالد ایک لشکر جبار لیکر تم لوگوں کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اور ادھر خود ابوبکر بھی ایک لشکر کیساتھ خیر جبار ہے تھے۔ اس لئے تم لوگوں کیلئے بہتر یہی ہے کہ اسلام قبول کر دو اور طلیمہ کا ساتھ چھوڑ دو ورنہ اسلامی فوج تمکو تباہ و برباد کر دیگی۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت عدی کی بات کا مذاق اڑایا اور حضرت ابوبکر کیلئے بطور استخفاف و تمسخر ابو الفضل کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن جب حضرت عدی نے پھر دوبارہ قوت کے ساتھ کہا کہ تم کس خواب مڑکوش میں ہو۔ جو فوج تمہاری طرف بڑھ کر آ رہی ہے اس کا قائد کسی پھڑے کا باپ (ابو الفضل) نہیں بلکہ محل اکر (ایک بڑا سانپ) ہے اب تم جبار اور تمہارا کام۔ اب یہ لوگ نرم ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اچھا! آپ جا کر ذرا اس لشکر کو ہم سے دور رکھئے ہماری وہ بھائی بند جو طلیمہ کے پاس بزاخہ چلے گئے ہیں ہم انکو حسن تدبیر سے واپس بلا لیں ورنہ طلیمہ ان سب کو قتل کر دیگا۔ عدی نے یہ بات مان لی۔ حضرت خالد اس وقت مقام سحیح میں فروکش تھے۔ عدی یہاں آئے اور کہا ”آپ ذرا تین دن کا توقف کیجئے اس درمیان میں پانچ سو بڑے بڑے جنگ جو سپاہی آپ سے آکر مل جائیں گے جن سے آپ کو بڑی تقویت ہوگی۔“ حضرت خالد نے یہ درخواست منظور کر لی۔ آخر حضرت عدی نے جو کہا تھا وہی ہوا۔ بزاخہ سے قبیلہ بنو نضہ کے لوگ جو وہاں چلے گئے تھے جب واپس آ گئے تو حضرت عدی نے کو لیگر حضرت خالد کی خدمت میں آئے اور انہوں نے اسلام کی اطاعت قبول کی لے۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس طرح حضرت خالد کی فوج میں ایک ہزار شہسواروں کا اضافہ ہوا۔

لے تین دن کی مہلت کا ذکر طبری نے کیا ہے۔ ج ۲ ص ۸۳۳ لیکن کامل ابن اثیر (ج ۲ ص ۲۶۳) میں دونوں کی کوئی تجدید نہیں ہے۔ اور غالباً صحیح بھی یہی ہے۔ کیونکہ لفظ ہر تین دن میں ان تمام معاملہ کا انشاء مشکل تھا۔

بنو جدیلہ مسلمان ہوتے ہیں | اب حضرت خالد مقام انسر کی طرف بڑھے جو جدیلہ کی قیام گاہ تھا۔ حضرت عدی نے پھر مدخلت کی اور فرمایا کہ قبیلہ طے ایک پزندہ کی طرح ہے اور جدیلہ اس پزندہ کا ایک پر ہے۔ اس پزندہ کا ایک پر یعنی طے تو دوست ہو گیا۔ اب مجھ کو ذرا موقع دیجئے کہ میں دوسرے پر (جدیلہ) کو بھی درست کر دوں۔ حضرت خالد نے یہ نہایت بھی منظور کر لی۔ عدی ان لوگوں کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی بات کہی جو طے تھی اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے دعوت فوراً قبول کر لی اور حضرت عدی کے ساتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اب بنو جدیلہ کے مسلمان ہو جانے سے حضرت خالد کی فوج میں مزید ایک ہزار سواروں کا اضافہ ہو گیا لے

حضرت عدی بن حاتم کا یہ کارنامہ اتنا شاندار اور مبارک ہے کہ مورخین لکھتے ہیں ”عدی بہترین شخص تھے ان سب لوگوں میں جو طے میں پیدا ہوئے تھے“

ایسی حالت میں جبکہ تمام عرب میں اسلام کی مخالفت کی آگ لگی ہوئی تھی اچانک بلا کسی جنگ و جدال کے محض ایک شخص کی تبلیغ و فہمائش پر دو قبیلوں کا مسلمان ہو جانا اور ان کے دو ہزار سپاہیوں کا اسلامی فوج میں آشریک ہونا جہاں اسلام کا ایک معجزہ ہے حضرت ابوبکر صدیق کے حسن تدبیر و سیاست کا بھی بڑا ثبوت ہے۔

اب حضرت خالد اپنی اصل منزل مقصود یعنی بزاخہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقدمۃ الجیش کے طور پر حضرت عکاشہ بن محسن اور ثابت بن اقرم انصاری کو پہلے سے روانہ کر دیا تھا۔ اسے میں کہیں ان دونوں کو طلیمہ کا بھائی حبال مل گیا۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ طلیمہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے بھائی سلمہ کو لیکر نکلا اور طلیمہ نے حضرت عکاشہ کو اور حضرت ثابت کو سلمہ نے قتل کر دیا اور اس کے بعد یہ دونوں واپس لوٹ آئے۔ اب حضرت خالد اپنے لشکر کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو حضرت عکاشہ اور حضرت ثابت کو مقتول دیکھ کر آپکو اور مسلمانوں کو سخت رنج ہوا۔ بہر حال اب بزاخہ کا میدان جنگ سامنے تھا۔ طلیمہ کیساتھ اس وقت عینیتہ بن حصن انصاری اپنے قبیلہ کے سات سو بہادروں کیساتھ تھا۔ ان کے علاوہ قبیلہ قیس اور بنو آ

بھی اسکے جانثاروں میں تھے جو نوح بنو اسد اور بنو طے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تھے ایسے طے کے جو سپاہی حضرت خالد کی فوج میں شامل تھے انہوں نے ہمارے قبیلہ قیس سے جنگ کریں گے حضرت عدی بن حاتم اس پر کہاں چپ رہ سکتے تھے۔ فوراً بولے! خدا کی قسم میرے خاندان کا زیادہ سے زیادہ عزیز و قریب بھی اس دین کو ترک کر لگا تو میں اس سے بھی قتال کروں گا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ چونکہ بنو اسد اور بنو طے آپس میں ایک دوسرے کے حلیف ہیں اسلئے بنو طے بنو اسد سے جنگ نہیں کریں گے! حضرت خالد نے فرمایا: ”یہ قیس بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اگر بنو طے انہیں سے لڑنا چاہتے ہیں تو انہوں کو ایسا کہہ دو اور انکی مخالفت نہ کرو۔“

طلیحہ سے جنگ! اب مسلمان فوج اس طرح بڑھی کہ بہادران طے قیس کے بالمقابل صف آرا تھے اور باقی مجاہدین دوسرے قبیلوں کے سامنے صفیں جمائے کھڑے تھے جنگ شروع ہوئی تو نہایت گھمسان کارن پڑا عینیتہ کو اپنے بہادروں پر بڑا ناز تھا لیکن اسلامی فوج نے اس کو مدد دیا اور اس کو دیا طلحہ ایک چادر میں لپیٹا ہوا بالوں کے ایک خیمہ میں مقیم تھا عینیتہ کو اپنی فوج کے پاؤں اکھڑتے نظر آئے تو گھبرا گیا اور طلحہ کے خیمہ میں پہنچ کر پوچھتا تھا کہ کوئی وحی آئی لیکن طلحہ ہر مرتبہ جواب نفی میں دیتا ہے آخر جب تیسری بار عینیتہ آیا اور یہی سوال کیا تو طلحہ نے کہا ہاں وحی آئی ہے اور یہ ہے ان لک رحا کر جاؤ و حدیثا لا تنسوا عینیتہ حقہ کے مارے بے قابو ہو گیا اور بولا ”اللہ جانتا ہے کہ تجھ کو ایسا واقعہ پیش آئے گا کہ تو اسکو نہیں بھولے گا۔“ طلحہ سے یہ کہہ کر اس نے بنو فزارہ سے کہا کہ لوگو! یہ شخص جھوٹا ہے اس لئے اب تم جنگ سے ہٹ جاؤ۔ طلحہ کی سب سے بڑی طاقت یہی بنو فزارہ تھے اس لئے میدان جنگ سے ان الگ ہونا تھا کہ طلحہ کی فوج کو شکست ہو گئی طلحہ نے اپنے لئے ایک گھوڑا اور اپنی بیوی نوار کے لئے ایک سواری کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔ میاں بیوی دونوں اپنی اپنی سواری پہ بیٹھ میدان جنگ سے بھاگ نکلے طلحہ نے بھاگتے بھاگتے کہا کہ لے بنو فزارہ تم میں سے جو شخص بھی اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ بھاگ سکتا ہوا سے چلے ہے کہ اپنی جان لے کر بھاگ جائے۔

طلحہ کی شکست اور اس کا طلحہ یہاں سے فرار ہو کر سیدھا شام پہنچا۔ کچھ دنوں بعد جب اسکو معلوم ہوا کہ قبیلہ اسد و عطفان دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو بنو کلب میں آکر خود بھی مسلمان ہو گیا۔ ایک مرتبہ عمرہ کے ارادے سے مکہ جاتے ہوئے مدینہ کے قریب دھوار سے گزر رہا تھا کہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر کو اطلاع دی آپ نے فرمایا ”اب میں کیا کروں؟“ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابوبکر کی وفات تک وہ بنو کلب ہی میں رہا۔ جب حضرت عمر فاروق سے بیعت خلافت کر نیکی غرض سے وہ خلیفہ دوم کے سامنے آیا تو حضرت عمر نے پوچھا ”کیا تو وہی ہے جس نے عکاشہ اور ثابت کو قتل کیا تھا؟“ واللہ میں تجھ کو کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ طلحہ نے جواب دیا امیر المؤمنین! اسلام تو پرانی چیزوں کو ہم کر دیتا ہے۔ اب ان باتوں کا کیا ذکر۔ اس کے علاوہ آپ کو ایسے دو شخصوں کی کیا فکر ہے جن کو اللہ نے میرے ذریعہ عزت بخشی (یعنی شہادت پائی) اور ان دونوں کے ہاتھوں نے مجھ کو ذلیل نہیں کیا۔ یہ شکر حضرت عمر نے طلحہ کو بیعت کر لیا۔

جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرق کے جو مرتد قبائل تھے حضرت خالد کی ان کے ساتھ تھیں آخری جنگ تھی۔ یہ شکست خوردہ قبائل بنو اسد اور قیس اور بنو فزارہ اپنے متعلقین کو میدان جنگ میں نہیں لائے تھے اور خود انہوں نے شکست کے بعد فوراً اسلام قبول کر لیا اسلئے ان میں سے کسی کو غلام باندی نہیں بنایا گیا اور حضرت خالد نے ان کو امن دیدیا۔

بنو عامر کا اسلام! بنو عامر نہ ادھر تھے اور نہ اُدھر۔ متردّد تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ اب حضرت خالد کو فتح ہوئی اور بنو طے جدیدہ۔ اسد۔ قیس اور عطفان یہ سب قبائل مسلمان ہو گئے تو اب ان میں سرکشی اور بغاوت کی جرأت نہیں رہی۔ حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں اور اب نماز بھی پڑھیں گے اور زکوٰۃ بھی ادا کریں گے حضرت خالد نے ان سے بیعت لی اور انکو امن دیا ظالموں کو سخت سزائیں! مذکورہ بالا جو قبائل مسلمان ہو گئے تھے انکے خاص خاص خبیث الفطرت سرداروں اور امیروں نے ان مسلمانوں پر اپنے ارتداد کے زمانہ میں بہت شدید مظالم کئے تھے جو ان میں گھر کر رہ گئے تھے اس لئے ان مسلمانوں کا انتقام لینا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت خالد نے ان تمام قبائل مجبور کیا کہ وہ اپنے اس قسم کے لوگوں کو پیش کریں۔ یہ لوگ آئے تو ان میں سے چند ایک کو تو آپ نے گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ انہیں میں عینیتہ بن جھن الفزازی قرۃ بن حبیرہ۔ الفجاءۃ السملی اور علقمہ بن علاشہ تھے ان کے علاوہ باقی تمام کو خود بہت سخت اور عبرت ناک سزائیں دیں بعد میں حضرت ابوبکر کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بھی حضرت خالد کو

تقویٰ اور پرہیزگاری اور لوگوں کیساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی تاکید فرمائی اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا ان سے انتقام لینے کی بھی توثیق فرمائی لہ

ام زل کی فتنہ انگیزی اس مہم سے فارغ ہو نیکے بعد بھی حضرت خالد بن زبیر میں ایک مہینہ مقیم اور اس کا استیصال رہے۔ کیونکہ اب بھی کچھ ایسے شریر اور سرکش لوگ باقی تھے جو شکست کھا جا

اور قبائل کے مسلمان ہو جانیکے باوجود فتنہ انگیزی پر تلے ہوئے تھے چنانچہ اسی قماش کے کچھ لوگ ام زل نامی ایک عورت کے پاس جمع ہو گئے۔ ام زل، ام قرقہ کی بیٹی تھی۔ بنو قرقہ

کی طرف آنحضرتؐ نے حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں جو سر یہ بھیجا تھا اس کے ہاتھوں ام قرقہ گرفتار ہوئی تھی اور چونکہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ انتہائی عداوت اور دشمنی کا

مظاہرہ کیا تھا اس لئے قتل کر دی گئی تھی، ام زل کے دل میں وہی بخار بھرا ہوا تھا حالانکہ خود اس کے ساتھ معاملہ یہ کیا گیا تھا کہ جب یہ گرفتار ہو کر آئی تو حضرت عائشہ کے حصّہ میں پڑی

لیکن حضرت عائشہ نے چند روز کے بعد اس کو آزاد کر دیا اور یہ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی۔ حضرت عائشہ کے اس احسان کے باوجود یہ اپنی ماں کے خون کو فراموش نہیں کر سکی تھی

اب عطفان - طے۔ سلیم اور ہوازن کے بچے کچھ باغی اور سرکش لوگ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ام زل کے ارد گرد جمع ہوئے تو عورت کی بات اس نے ان سب لوگوں کو

پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا اور باغیوں کے اس گروہ کے ساتھ خود ایک اونٹ پر بیٹھ کر جو اسکی ماں کا تھا بڑے کروفر اور شان و شوکت کیساتھ نکلی حضرت خالد کو ان واقعات کا علم

ہوا تو خود اسکے مقابلہ کو بڑھے مسلمان مجاہدین نے ام زل کے اونٹ کا محاصرہ کر لیا پہلے اونٹ کی کونچیں قطع کیں اور پھر ام زل کو قتل کر دیا۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس اونٹ کے

ارد گرد ایک سو باغی شہسوار کام آئے اور اس فتح کا مژدہ فوراً حضرت ابو بکر کو پہنچا دیا حضرت خالد نے اسکے علاوہ بھی دو تین شورشوں کا جو بزائے کے قریب وجوار میں

برپا ہو رہی تھیں خاتمہ کیا اور آخر یہاں کے ایک ماہ قیام کی مدت میں شمال مشرق کے محاذ کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

قیدیوں کے ساتھ جن سوک اس جنگ میں جو بڑے بڑے سردار کھٹ گئے تھے حضرت خالد نے ان کو مدینہ بھیج دیا تھا حضرت ابو بکر نے ان کیساتھ جس ملاحظت اور نرمی کا معاملہ کیا اس

کا اندازہ اس سے ہو گا کہ یہ سب آگ طلیم کی ہی لگائی ہوئی تھی لیکن اسکے باوجود جب اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو حضرت ابو بکر نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ پھر طلیم کی جو

کچھ بھی طاقت تھی عینیت کے دم سے تھی۔ لیکن اس نے جب اسلام کے قبول کر لینے کا اعلان کیا تو اسکی بھی جان بخشی کر دی گئی اور قید سے رہا کر دیا گیا۔ قرۃ بن ہبیرہ جو بنو عامر کا سردار تھا مدینہ

میں قیدی بنا کر لایا گیا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں کبھی بھی مرتد نہیں ہوا۔ البتہ میری قوم زکوٰۃ کو تاوان سمجھتی تھی اس لئے اس سے اپنا اشتنا چاہتی تھی حضرت ابو بکر نے پوچھا تیرے

اس ایمان کا کوئی گواہ ہے؟ قرۃ نے حضرت عمر بن العاص کو گواہی میں پیش کیا جو عمان میں جیفر کے پاس سے مدینہ جاتے ہوئے بنو عامر کے قبیلہ میں ایک شب کیلئے قرۃ بن ہبیرہ کے ہمان

رہے تھے اور اس وقت قرۃ میں اور حضرت عمر بن العاص میں زکوٰۃ کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی تھی۔ اب اس وقت عمر بن العاص نے گواہی میں وہی گفتگو نقل کر دی اور اس سے ثابت

ہو گیا کہ قرۃ واقعی مرتد نہیں ہوا تھا تو حضرت ابو بکر نے اس کو بھی رہا کر دیا البتہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے صرف ایک الفجاءۃ السملی ہے جس کو اس کی حد درجہ غداری اور سفاکی کی وجہ

سے حضرت ابو بکر نے بڑی سختی اور بے رحمی کے ساتھ قتل کرایا ہے۔

سجاح اور مالک بن نویرہ

بنو تمیم کی اہمیت قبیلہ بنو تمیم کے مکانات جنوب کی جانب بنو عامر سے ذرا فاصلہ پر اور مدینہ کے مشرق میں واقع تھے جو خلیج فارس تک چلے گئے شمال مشرق کی جانب میں دریائے

فرات کے دہانے سے ملے ہوئے تھے۔ عہد جاہلیت میں اور اس کے بعد آنحضرتؐ کے عہد میں بھی یہ قبیلہ بڑا معزز سمجھا جاتا تھا اور شجاعت و سخاوت کے اوصاف میں ممتاز تھا

اس قبیلہ میں نامور شہداء و بہادور فیاض طبع لوگ پیدا ہوئے اس قبیلہ کی شاخیں بنو

دارم۔ بنو مالک۔ بنو ربیع وہ ہیں جن کے کارناموں سے عربی ادب و تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

چونکہ یہ قبائل خلیج فارس اور فرات کے دہانے سے قریب تھے اس بنا پر ارض عراق اور جزیرہ نمائے عرب دونوں کیساتھ ان کے تعلقات تھے اور ادھر ایران میں بھی ان کی آمد و رفت تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر لوگ نصرانیت کے زیر اثر آ گئے۔ یہ سب اسباب تھے جن کے باعث عرب میں جب بغاوت و ارتداد کا طوفان اٹھا تو بنو تمیم نے بھی اسمیں نمایاں حصہ لیا۔

مالک بن نویرہ کی بغاوت آنحضرتؐ کی جانب سے ہوئی تو اس وقت آپؐ چند عمال بنو تمیم میں موجود جو زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے انہیں میں مالک بن نویرہ تھا جو قبیلہ بنو ربیع کا سردار تھا۔ آنحضرتؐ کی خبر و وفات سننے پر ان عالموں میں اختلاف ہوا کہ جو زکوٰۃ اور صدقات ان لوگوں نے جمع کر لئے تھے ان کا کیا کریں؟ ان کو حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیجیں یا وہیں لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ مالک بن نویرہ اس گروہ میں شامل تھا جو زکوٰۃ کو مدینہ بھیجنے کا مخالف تھا اس طرح اب وہ اسلام سے منحرف ہو کر اس کے مخالفوں کی صف میں شریک ہو گیا اور مسلمانوں کا کھلم کھلا دشمن بن گیا۔

سجاح کی آمد یہ عمال آپس میں اختلاف کرتے رہے تھے کہ اتنے میں سجاح بنت الحارث الجزیریہ سے جو عراق میں ہے اس شان سے یہاں پہنچ گئی کہ اس کے قبیلہ بنو تغلب کے لوگ اس کو گھیرے ہوئے تھے اور وہ ایک عظیم لشکر کی قیادت کر رہی تھی جس میں قبیلہ ربیعہ، نمر، آیاد اور شیبیان کے آزمودہ کار لوگ شریک تھے۔ سجاح بنو تمیم کی شاخ بنو ربیع سے تعلق رکھتی تھی اور عراق کے بنو تغلب سے جنہوں نے مسیحیت کو اختیار کر لیا تھا اسکے تنہا لی تعلقات تھے اس بنا پر ابتداً یہ خود بھی مسیحی تھی اور اسلام کے ساتھ جو دشمنی یہود اور اہل طبری نے ان تمام عمال کے نام اور جن جن قبیلوں پر یہ مقرر کئے گئے تھے ان کے نام ذکر کئے ہیں یہ عمال آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تین حصوں میں بٹ گئے تھے ایک وہ جو اسلام کے سچے اور پکے حامی تھے اور انہوں نے اپنی جمع کردہ زکوٰۃ مدینہ بھیجی جیسے صفوان بن صفوان۔ دوسرے وہ جو مرتد تھے جیسے براق بن بدر تیسرے وہ جو کھلم کھلا مخالف ہو گئے۔ مثلاً مالک بن نویرہ (ج ۲ ص ۴۹۵)

نصاری گو تھی سجاح بھی اسلام کیساتھ وہی عداوت رکھتی تھی۔ یہ کاہنہ تھی اور اسکی قابلیت۔ ذہانت اور ہوشیاری کی دلیل بھی کیا کم ہے کہ اس زمانہ میں عورت ہو کر عرب کے نامور قبیلوں کی قیادت کر رہی تھی۔

اسلام کیساتھ دشمنی کے باعث یہ موقع کی تلاش میں تو تھی ہی۔ آنحضرتؐ کی خبر و وفات سننے ہی ایک لشکر لے مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے چل پڑی۔ بعض مورخین کا خیال ہے اور غالباً صحیح ہے کہ سجاح کا یہ اقدام حکومت ایران اور عراق میں اس کے جو عمال تھے ان کے بھڑکانے اور جوش دلانے کا نتیجہ تھا۔ ورنہ خود اس کو اپنے بل بوتہ پر مدینہ پر حملہ کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ سجاح کی قبائل سے جنگ [سجاح شمال عراق سے اتر کر جب جزیرہ نمائے عرب میں داخل ہوئی تو طبی طور پر اس کو سب سے پہلے خود اپنے قبیلہ بنو تمیم کے پاس آنا چاہئے تھا۔ یہاں پہنچی تو دیکھا کہ آنحضرتؐ کے عمال صدقات میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے، اب اسے موقع اچھا مل گیا۔ اس نے مالک بن نویرہ کو جلد ہی اپنا ہم نوا بنا لیا۔ لیکن مالک بن نویرہ نے سجاح کو مشورہ دیا کہ وہ ابھی مدینہ پر حملہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ بنو تمیم کے جو بعض قبیلے اب تک اسکی (سجاح کی) پیغمبری کا اقرار نہیں کر سکے ہیں اور اس کے مخالف ہیں۔ پہلے ان سے جنگ کی جائے۔ سجاح نے اس مشورہ کو فوراً قبول کر لیا۔ اس کے اصل قوت بازو وہ بھی شخص تھے۔ ایک مالک بن نویرہ اور دوسرا دیکھ جو تمیم کی ایک شاخ بنو حنظلہ کا سردار تھا۔ ان دونوں کے مشورے سے اب سجاح نے بنو تمیم کی مختلف شاخوں پر حملہ شروع کر دیئے جن میں قتل قتال ہوا۔ دونوں طرف کے آدمی گرفتار ہوئے اور غلام بنائے گئے لیکن آخر میں صلح ہو گئی اور قیدیوں کا تبادلہ کر لیا گیا۔

یمامہ پر حملہ کا ارادہ [یہاں سے فارغ ہو کر سجاح کے دل میں پھر مدینہ پر حملہ کرنے کا دلولہ اٹھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مالک بن نویرہ اور دیکھ دونوں اپنے اپنے قبیلوں کو زبان دے چکے تھے کہ سجاح مدینہ جانے کے لئے ان قبیلوں سے نہیں گزرے گی اس لئے جب اہل جزیرہ کے سرداران فوج نے اس سے آکر کہا کہ اب ہم کیا کریں۔ مالک اور دیکھ تو لے ان قبیلوں کو مدینہ یا حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ (باقی اگلے صفحہ)

سہارے کوئی مدد نہیں کریں گے اور ہم ان کے علاقوں میں گزر بھی نہیں سکتے ہیں تو اس پر سب سے بڑا نشان میں جواب دیا کہ ”یہ معاملہ کا رخ کرو۔ ان لوگوں نے کہا ”یہ معاملہ تو بڑا مشکل ہے وہاں مسلمان کی طاقت بڑی مضبوط ہے۔ لیکن سجاح بولی ”کوئی پرواہ کی بات نہیں ہے۔ یہ معاملہ پر حملہ لازمی طور پر کرنا ہے۔“

مسلمان اور سجاح کا نکاح | اب ادھر مسلمان کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا۔ اسکو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر وہ سجاح سے جنگ کرنے میں مشغول ہو گیا تو مسلمانوں کا لشکر جو ثمانہ بن اثمال یا شرجیل بن حسنہ کی سرکردگی میں چلا آ رہا تھا اس کو غلبہ حاصل ہو جائیگا یا جو قبائل اسکے اطراف و اکناف میں آباد تھے ان کو سر اٹھانیکا موقع مل جائیگا۔ اس بنا پر اس نے یہ چال چلی کہ اس نے سجاح کے پاس ایک ہدیہ بھیجا اور اپنی جان کی امان طلب کر کے اس سے ملنے کی درخواست کی۔ سجاح نے درخواست منظور کر لی تو مسلمان بنو حنیفہ کے چالیس آدمیوں کو ہمراہ لیکر سجاح کے جائے قیام پر پہنچا۔ یہاں دونوں میں خلوت میں گفتگو ہوئی۔ دونوں ہی کاہن تھے اور پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے دونوں پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن مسلمان بہر حال مرد تھا آخر وہ اس فتنہ کی پرمی کو شیشے میں اتار لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میناں بیوی بن گئے۔

نکاح کے بعد مسلمان سجاح کو اپنی جائے قیام پر لے آیا۔ سجاح تین دن یہاں ہی پھر اپنی قوم میں واپس چلی گئی۔ مسلمان اور سجاح کے درمیان جو معاملات طے ہوئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہاں کی پیداوار سے جو کچھ آمدنی ہوگی اس کا نصف حصہ سجاح کو دیا جائیگا (بقیہ صفحہ گزشتہ) چونکہ سجاح کے ساتھ الجزیرہ اور عراق کے لوگ تھے اسلئے ان قبیلوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر سجاح ان لوگوں کو لے کر ان قبائل میں سے گزرے گی تو اس سے ان کی آزادی اور خود مختاری خطرہ میں پڑ جائیگی لہذا سجاح نے اس وقت پیغمبر لڑا نہ از میں گویا کہ ابھی اس پر وحی نازل ہوئی ہے جو الفاظ کہے وہ یہ تھے علیکم بالیامۃ ودفوا ذیف الحمۃ۔ فالہذا غزوۃ صرامۃ لا یلحقکم بعدھا قتال۔ لہذا طرہ سے اس موقع کے جو واردات آمد مسلمان و سجاح کی جو باہمی گفتگو لکھی ہے اگرچہ عربی ادب و تاریخ کے ایک محقق کو اس کا اعتبار کرنا بہت مشکل ہے نہایت غش اور گندی ہے۔

سجاح ان معاملات کے انصرام و تعمیل کی غرض سے اپنے کارکن ہذیل عقبہ اور زیادہ کو پہلے چھوڑ کر الجزیرہ واپس لوٹ گئی۔ جہاں تک خلافت صدیقی کا تعلق ہے سجاح کے ڈرامہ کا یہ آخری سین ہے کیونکہ پھر وہ عراق سے باہر نہیں نکلی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کے عہد حکومت میں مسلمان ہو گئی تھی لہذا

بطاح میں حضرت خالد کا نزول

سجاح کے جزیرہ لوٹ جانے کے بعد بنو تمیم کے بعض امرا مثلاً وکیع اور سماعہ اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور جب حضرت خالد حضرت ابوبکر کے حکم کے مطابق بڑا ختم کی مہم سے فارغ ہوئے بعد بطاح پہنچے تو وکیع بن مالک سماعہ اور زبیر بن ابی بنی زکوة لے کر حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا ان کے برخلاف مالک بن نویرہ اب تک متروک تھا۔ لیکن چونکہ اس کو حضرت خالد کے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی اس بنا پر اس نے اپنے تمام ساتھیوں اور قبیلہ والوں کو منتشر کر کے ان کے گھروں کو واپس کر دیا۔ حضرت خالد یہاں پہنچے تو مطلع صاف تھا۔ اپنے مسلمانوں کی چند ٹولیاں (سرپات) ادھر ادھر روانہ کیں اور تاکید کی کہ تم اسلام پیش کرو اور اذان دو جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں اور اذان دیں نماز پڑھیں اور زکوة ادا کرنے کا بھی عہد کریں ان سے کچھ نہ کہو لیکن جو ایسا نہ کریں ان کو سزا دی جائے۔

مالک بن نویرہ کا قتل | ایک ٹولی واپس ہوئی تو اپنے ساتھ مالک بن نویرہ اور چند اور لوگوں کو گرفتار کر کے لائی۔ یہ لوگ جو گرفتار کر کے لائے گئے تھے ان میں ابو قتادہ بھی تھے انہوں نے شہادت دی کہ قیدیوں نے اذان دی تھی اور نماز پڑھی تھی۔ لیکن بعض اور ارکان سریہ نے اس کی مخالفت کی حضرت خالد نے اس اختلاف کے باعث قیدیوں کے متعلق اس وقت فیصلہ کرنا ملتوی کر دیا اور ان کو کسی جگہ محبوس کرنے کا حکم دیا لیکن رات ہی رات میں مالک بن نویرہ اور اسکے ساتھی قتل کر دیئے گئے اور حضرت خالد بن ولید نے

مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم سے نکاح کر لیا۔ ابوقتاہہ انصاری کو اس پر سخت برہمی ہوئی اور وہیں حضرت خالد سے تیز کلامی کی لیکن انہوں نے اس پر پیس نہیں کی بلکہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اور مالک بن نویرہ کے بھائی متم بن نویرہ نے ادلا حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر سے خالد بن الولید کی شکایت کی اور پورا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت ابوبکر کو سن کر صدمہ تو ہوا لیکن مصلحت وقت کے پیش نظر چپ ہو گئے۔ فاروق اعظم کو شدید غصہ تھا انکی رائے ہوئی کہ خالد کو فوراً معزول کر دیا جائے۔ اور چونکہ ایک مسلمان کو عداقت قتل کر کے اس کی بیوی سے عدت وفات کے انقضاء سے قبل انہوں نے شادی کی ہے۔ اس لیے انہیں رجم کر دیا جائے۔ حضرت عمر کا اس پر جب اصرار زیادہ ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے آخر حضرت خالد کو مدینہ طلب کیا اور ان سے گفتگو کے بعد آپ کو جب یقین ہو گیا کہ اگر مالک بن نویرہ کا قتل بحالت اسلام ہوا بھی ہے تو ہر حال وہ قتل عمد نہیں۔ قتل خطا ہے تو آپ نے حضرت خالد کی طرف سے مالک کا خون بہا دیکھا اور چونکہ مقام جنگ (بلاط) سے حضرت خالد کی غیر حاضری کے باعث حالات زیادہ بگڑ گئے تھے اس بنا پر فوراً ان کو واپس روانہ کر دیا۔

مالک بن نویرہ کے واقعہ قتل پر ایک نظر

ارتداد سے تائب ہونیکے باوجود مالک بن نویرہ کا قتل اور پھر اس کے بعد ہی نوراً اس کی بیوی سے نکاح ان دونوں چیزوں نے جہاں خالد کی سیرت سے متعلق ایک پیچیدہ بحث پیدا کر دی ہے اس سے بظاہر حضرت ابوبکر پر بھی مہانت اور جرم سے چشم پوشی کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

واقعہ کی مختلف صورتیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی؟

(۱) اس سلسلہ میں ایک روایت جو طبری نے نقل کی ہے یہ ہے کہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے اسلام سے متعلق جب ارکان سر یہ میں اختلاف ہو گیا تو حضرت خالد بن الولید نے خیال کیا کہ دوسرے دن فیصلہ کریں گے اور قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو بند کر کے رکھا جائے۔ اتفاق سے اس رات سردی بہت زیادہ تھی۔

اسی لئے حضرت خالد کو قیدیوں کا خیال آیا تو آپ نے محافلین کو حکم دیا۔ "ادفوا اسراکم" عام لغت کے مطابق اس فقرہ سے حضرت خالد کی مراد یہ تھی کہ اپنے قیدیوں کو کچھ اڑھا دو تاکہ سردی سے ان کی حفاظت ہو جائے لیکن جو لوگ میرہ دے رہے تھے وہ ادفا کے اس معنی سے بے خبر تھے اس لئے انہوں نے بولکانہ کے لغت کے مطابق ادفا کے معنی قتل کے سمجھے اور اس بنا پر سب قیدیوں کو قتل کر دیا۔ اب چیخ و پکار کا شور بلند ہوا تو حضرت خالد نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" اور جب معلوم ہوا کہ قیدی قتل کر دئے گئے ہیں تو انہیں افسوس تو ہوا لیکن فرمایا "جو چیز مقدر ہوتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے" لے

(۲) طبری کی ہی ایک اور روایت یہ ہے کہ حضرت خالد نے یہ معلوم کر نیکی غرض سے کہ کوئی شہادت سچی ہے۔ مالک بن نویرہ کے اسلام کی یا اسکے اصرار علی الارتداد کی خود مالک بن نویرہ کو بلایا اور گفتگو شروع کر دی۔ اثنائے گفتگو میں ایک مرتبہ مالک نے کہا "میرا خیال تو یہ ہی ہے کہ تمہارے ساتھی (صاحبکم) یہ کہا کرتے تھے "تمہارے ساتھی" کے لفظ آنحضرت کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت خالد نے کہا "کیا تو ان کو (آنحضرت کو) اپنا صاحب نہیں سمجھا؟" یہ کہا اور اس کی اور ان کے ساتھیوں کی گردنیں اڑا دیں لے

(۳) تیسری روایت ابن خلکان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد اور مالک بن نویرہ میں خوب گفتگو ہوئی اس کے سلسلہ میں مالک نے کہا "میں نماز پڑھتا ہوں۔ لیکن زکوٰۃ نہیں دیتا" حضرت خالد نے کہا "کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی فرض ہیں اور ایک بغیر دوسرے کے مقبول نہیں ہے؟" اس پر مالک بن نویرہ نے آنحضرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "قد کان صاحبک یقول ذالک" آپ کے صاحب تو چین و چینال کہتے تھے۔ حضرت خالد کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص ابھی تک مسلمان نہیں

لے طبری ج ۲ ص ۵۰۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۰۳ لے کسی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ مراد یہ ہے کہ نماز ہو یا زکوٰۃ دونوں ہی فرض ہیں اور جب تک کوئی شخص ان دونوں کی حرصیت کا قائل نہ ہو اس کی کوئی ایک عبادت خواہ وہ فقط نماز ہو یا فقط زکوٰۃ مقبول نہیں ہوگی۔

ہوا ہے چنانچہ انہوں نے کہا ”او ماتراہ لک صاحباً“ کیا تو ان کو آنحضرتؐ کو اپنا صاحب نہیں سمجھا۔ اس کے بعد فرمایا ”میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس پر دونوں میں مزید سخت کلائی ہوئی۔ مالک بن نویرہ ”صاحبک“ کا لفظ بار بار دہرائے جاتا تھا۔ آخر حضرت خالد نے حکم دیا۔ اور مالک بن نویرہ قتل کر دیا گیا۔

(۴) چوتھی روایت یعقوبی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کو لکھا کہ مالک بن نویرہ کا رخ کریں۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے۔ مالک بن نویرہ، حضرت خالد کے بلائے پر آیا تو اس کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ خالد پر اس کی بیوی کا کچھ اثر ہوا اور انہوں نے کہا۔

واللہ لانت ما فی مشابک
جو تیرا ٹھکانہ ہے تو اس وقت تک نہیں پائیگا۔

حتیٰ ا قتلت
جب تک میں تجھ کو قتل نہیں کر دوں گا۔

اس کے بعد مالک بن نویرہ سے مناظرہ کیا لے اور اس کی گردن اڑادی اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کیا لے

(۵) پانچویں روایت یا قوت حموی کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد کا دستہ جو ضرار بن الازور کی سرکردگی میں تھا اس کا مقابلہ مالک بن نویرہ کے دستہ سے ہوا۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور ضرار نے مالک کو قتل کر دیا لے

اگرچہ کتاب الاغانی لابی الفرج الاصفہانی اور بعض دوسری ادبی کتابوں میں یہ واقعہ ایک افسانہ حسن و عشق بنا کر لکھا گیا ہے اور اس میں کافی رنگ آمیزی کی گئی ہے لیکن وہ سراسر بیہودہ اور لغو ہے تاریخی حیثیت سے واقعہ کی جو صورت بھی ہو مذکورہ بالا چار صورتوں میں محدود ہے۔

واقعہ کی اصل صورت البیہقی بتانا چاہیے کہ قرآن اور قیاس کی روشنی میں واقعہ کی اصل صورت کیا تھی لے ابن خلکان ج ۵ ص ۶۶ مطبوعہ مہریدادیش لے اصل کتاب میں نظر مالکا چھپا ہوا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ تصحیف ہے اصل لفظ فطر ہوگا۔ اس کی تائید طبری وغیرہ کی روایات سے بھی ہوتی ہے لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸ لے معجم البلدان ج ۱ ص ۶۶۱ مطبوعہ لیبیرنگ۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے وہ کچھ زیادہ قابل اعتبار نظر نہیں آتی وجہ یہ ہے کہ اذاف کے عام معنی ڈکھانے چھپانے اور گرمی بیونچانا ہی ہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے قتل کرنے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال یا قتل سے اس کا کنایہ ہونا دور کا احتمال ہے۔ اس بنا پر جب قیدیوں کے محافظین کو اس لفظ کی حقیقی مراد میں شبہ ہوا تھا تو انکو حضرت خالد سے پوچھنا چاہئے تھا محض ایک دور کے احتمال و اہام پر قتل کر دینا اور وہ بھی کسی معمولی شخص کو نہیں بلکہ مالک بن نویرہ ایسے اہم شخص کو اور پھر وہ بھی ایک جماعت کیساتھ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا۔ اور اچھا اگر ان لوگوں سے یہ حرکت غفلت میں ہو بھی گئی تھی تو حضرت خالد کو ان سے باز پرس کرنی چاہئے تھی صرف یہ کہ دنیا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے“ کافی نہیں ہے۔ اگر واقعہ کی دراصل صورت یہ ہی تھی تو حضرت خالد صاف طور پر معذور تھے پھر حضرت عمرؓ کا اس قدر غضب ناک ہونا اور حضرت ابو بکرؓ کا اس کے جواب میں ”فَاَقُولُ فَاَخْطَا“ خالد نے تاویل کا اور ان سے خطا ہو گئی، فرمانا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر ان سب باتوں کی بھی کوئی توجیہ کر لی جلتے تو حضرت خالد نے مالک کی بیوی سے جو فوراً نکاح کیا ہے درانحالیکہ وہ مسلمان تھا اس کی کیا توجیہ ہوگی۔

باقی رہیں اب تین صورتیں تو وہ تقریباً ایک ہی متن کی مختلف شرحیں معلوم ہوتی ہیں لیکن بلا اور اتنی واضح اور صاف نہیں ہیں جتنی کہ لے یعنی ابن خلکان کی روایت ہے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک اسی کو اصل سمجھنا چاہئے۔

مالک بن نویرہ کا مختصر حال واقعہ کی اس صورت کے متعین ہوجانے کے بعد اب یہ سنو کہ مالک بن نویرہ کے حالات کیا ہیں؟

مالک بن نویرہ بنو تمیم کی شاخ بنو ربیع کا سردار تھا کنیت ابو حنظلہ تھی عرب کے مشہور شاعر اور شہسواروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، یہ مسلمان کب ہوا؟ اس کی صحیح تاریخ کا متعین کرنا مشکل ہے۔ غالباً ۸ھ یا ۹ھ ہجری میں ہوا ہوگا۔ جب کہ بنو تمیم کا ایک وفد خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ بہر حال اتنا معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے اسکو اپنی قوم کے صدقات کے جمع کرنے پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پہنچی تو

اس نے زکوٰۃ روک لی اور اس کو مدینہ بھیجنے کے بجائے اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور اس نے یہ شعر پڑھے۔

فقلت خذوا اموالکم غیر خائفٍ ولا ناظرٍ فیما یجئ من العبد
فان قام بالدين المطعوف قائمٌ اطعنا وقلنا الدین دین محمدٍ لہ

اب اس وقت سے لیکر قتل ہونے تک مالک بن نویرہ نے جو کارنامے انجام دیے ہیں جیسا کہ طبری کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱) مالک بن نویرہ نے صرف یہ ہی نہیں کیا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہو بلکہ جب سجاح عراق سے چل کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے یہاں پہونچی تو مالک بن نویرہ نے اس سے ساز باز کر لی اور اس جھوٹی مدعیہ نبوت کا وہ دست راست بن گیا۔
(۲) سجاح کو آمادہ کیا کہ بنو تمیم کی بعض شاخیں جواب تک اپنے اسلام پر قائم تھیں ان پر وہ حملہ کرے۔ چنانچہ سجاح نے ایسا کیا اور مالک بن نویرہ نے اس معاملہ میں اسکی ہر قسم کی مدد کی۔

(۳) سجاح کے عراق چلے جانے کے بعد زبرقان، وکیع بن مالک اور سماعہ جو آنحضرتؐ کی خبر وفات سکر متردد یا مخالف ہو گئے تھے ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ حضرت خالد بن زبیرؓ سے مقام بطاح میں پہونچے تو ان لوگوں نے حضرت خالد کا استقبال کیا اور اپنے جمع کئے ہوئے صدقات ان کے حوالہ کر دیئے لیکن مالک بن نویرہ کو اب بھی ہوش نہیں آیا اور وہ اپنے لوگوں کو لیکر اپنے قبیلہ میں چلا گیا۔
(۴) حضرت خالد نے جو جماعت (سریہ) ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ کی تھی اس سے تاکید کیا تھا کہ اگر یہ لوگ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لئے بھی حامی

لے الاصابہ ج ۳ ص ۳۳۶ اصل کتاب میں المحقق چھپا ہوا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

لے ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ وعرف وکیع وسماعہ قہ ما اتیا فراجعار جو عا حنا
ولم یجیرا و اخرجوا الصدقات فاستقبلا بها خالداً و سار خالد یوید البطاح
وبہا مالک بن نویرہ قد ترد علیہ امّ۔ التاریخ الکامل ج ۲ ص ۲۰۲۔

بھریں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے لے
حضرت خالد کے اس صاف و صریح حکم کے باوجود اس سریہ کا مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے لانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مالک بن نویرہ نے اس جماعت کی سامنے ادائے زکوٰۃ کی حامی نہیں بھری تھی۔

(۵) مالک بن نویرہ کے واقعہ قتل سے متعلق طبری اور ابن خلکان کے حوالہ سے جو دو روایتیں اوپر گزر چکی ہیں ان میں صاف تصریح ہے کہ حضرت خالد اور مالک بن نویرہ میں جو گفتگو ہوئی ہے اس میں مالک بن نویرہ نے ادائے زکوٰۃ کا اقرار نہیں کیا اور وہ اپنے انکار پر برابر مصر رہا۔ اس کے علاوہ اس نے آنحضرتؐ کیلئے صاحبکمر کی ترکیب استعمال کی۔

اب غور کرو مالک بن نویرہ کے اس تجزیہ حالات سے کیا کسی درجہ میں بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارتداد سے تائب ہو کر پھر مسلمان ہو گیا تھا؟

مالک بن نویرہ کے یہ حالات تو خود مالک بن نویرہ کے تھے۔ اب ہم کو اُس شہادت پر بھی اسلام کی شہادت ایک نظر ڈالنی چاہئے جو اس کے اسلام سے متعلق تاریخ سے فراہم ہوئی ہے یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ مالک بن نویرہ کو گرفتار کر کے لانیوالی جماعت میں دو چار نہیں بلکہ کافی تعداد میں مسلمان ہونگے لیکن اس کے باوجود مالک بن نویرہ کے اسلام کی شہادت صرف دو شخصوں سے ہی منقول ہے۔ ایک متم بن نویرہ جو خود مالک بن نویرہ کے حقیقی بھائی تھے اور ان کو اپنے اس بھائی سے کس درجہ محبت تھی وہ ان کے اُن مرائی سے ظاہر ہے جو خنسا کے مرائی کی طرح عرب کی تاریخ مرثیہ گوئی میں شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسرے شخص ابوقتاہہ انصاری ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ مؤخر الذکر ایک جلیل القدر صحابی اور انصاری ہیں اس بنا پر ہم انکی طرف جھوٹ اور دروغ گوئی کی نسبت نہیں کر سکتے لیکن اس سلسلہ میں بہر حال مندرجہ ذیل باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

(۱) حضرت ابوقتاہ نے جو شہادت مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے اسلام کی دی ہے اس میں اداۓ زکوٰۃ کے اقرار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس قدر ہے کہ انھوں اقاموا الصلوٰۃ۔ ان لوگوں نے نماز پڑھی تھی لے

(۲) حافظ ابن حجر نے اقامت صلوٰۃ کے علاوہ اذان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن زکوٰۃ کا وہاں بھی نام نہیں ہے۔ حضرت خالد جب بزاخر کی مہم سے فارغ ہو کر بطاح کے قصد سے روانہ ہونے لگے ہیں تو انصار نے ساتھ جانے سے انکار کیا اور کہا کہ اس بارہ میں خلیفہ کا ہمارے پاس کوئی حکم نہیں ہے۔ ہر چند حضرت خالد نے سمجھایا کہ میرے پاس حکم موجود ہے اور میں امیر بھی ہوں۔ لیکن نہ مانے۔ آخر جب خالد ان کو پیچھے چھوڑ کر کافی دور نکل گئے تو ان کو خیال ہوا کہ اگر اسلامی لشکر کو کامیابی ہوئی تو ہم اس میں حصہ دار بننے سے محروم رہیں گے اور اگر ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کو نقصان پہونچا تو لوگ ہمیں کو برا بھلا کہیں گے اب ان کو مذمت محسوس ہوئی اور وہ حضرت خالد کے لشکر میں جا کر شریک ہوئے۔ لے

اگرچہ اس واقعہ کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ چونکہ حضرت ابوقتاہ بھی انصاری تھے اس بنا پر ان کو پہلے سے ہی حضرت خالد کے ساتھ اختلاف تھا اور وہ یہاں (مقام بطاح) میں آنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے جزئی واقعات کو قانون شہادت کی رو سے کسی واقعہ کی اصل نوعیت کے متعین کرنے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ واقعہ زیر بحث میں اگرچہ حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کا عند قبول فرمایا اور پھر دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی غرض سے ان کو اس عہدہ پر واپس کر دیا لیکن حضرت ابوقتاہ کے دل میں حضرت خالد کی طرف سے جو تکدر پیدا ہو گیا تھا وہ پھر بھی نہ نکلا اور انھوں نے قسم کھالی کہ اب وہ آئندہ کبھی خالد کے جھنڈے کے نیچے نہیں چلیں گے۔ یعنی ان کی سرداری میں کسی جنگ میں شریک نہیں ہوں گے لے

اب نفسیات کے کسی طالب علم سے دریافت کرو حضرت ابوقتاہ کا یہ رویہ کس چیز

کی غمازی کر رہا ہے۔

اد پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اگر واقعی مالک بن نویرہ قتل سے پہلے ارتداد سے تائب ہو کر سچا اور لکا مسلمان بن بھی گیا تھا تو تب آخرت میں اس کا اس کو اجر ملے گا۔ اور یہ معاملہ خود اس کے اور خدا کے درمیان ہے لیکن جہان تک واقعات کی ترتیب اور انکی تحقیق و تنقید کا تعلق ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالد پر ایک مسلمان کے قتل عمد کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت خالد کی رائے اور یقین میں اپنے ارتداد پر بدستور قائم تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا چنانچہ حضرت ابو بکر سے حضرت خالد نے کہا تھا کہ مالک جب اثنائے گفتگو میں رسول اللہؐ کا ذکر کرتا تھا تو آپ کیلئے ”صلحکم“ کی ترکیب استعمال کرتا تھا لے حضرت ابو بکر نے خالد کے اس عذر کو قبول فرمایا تو ایسے مقام معنی یہ ہیں کہ حضرت ابو بکر نے بھی مالک بن نویرہ کے عدم اسلام و قیام علی الارتناد کو تسلیم کر لیا تھا۔ ورنہ جیسا کہ حضرت ابو بکر کے الفاظ تاول فاخطا سے متبادر ہوتا ہے۔ اگر واقعہ یہ ہی ہے کہ حضرت خالد کو غلط فہمی ہوئی تھی اور اس بنا پر انھوں نے ایک مسلمان کو قائم علی الارتناد سمجھ لیا تھا تو اگرچہ حضرت خالد ایک مسلمان کے قتل عمد سے بری ہو جاتے ہیں بہر حال ان کا مالک کی بیوی سے اس کی عدت و فوات کے انقضاء سے قبل نکاح کر لینا تو کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس بنا پر ضروری تھا کہ اول تو حضرت خالد اس عورت سے خود قطع تعلق کر لیتے اور اگر خود نہ کرتے تو کم از کم حضرت ابو بکر کو حکم کرنا چاہئے تھا کہ وہ تعلق منقطع کر دیں کیونکہ سرے سے نکاح ہی فاسد تھا۔

حافظ ابن حجر نے زبیر بن بکار کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر نے خالد بن الولید کو حکم کیا تھا کہ وہ مالک کی بیوی سے مفارقت اختیار کر لیں لے ممکن ہے یہ روایت صحیح ہو اور حضرت ابو بکر نے واقعی حضرت خالد سے ایسا کہا ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالد نے ام کلثوم سے تعلق منقطع نہیں کیا چنانچہ خالد کی بنو حنیفہ کے ساتھ جو جنگ ہوئی ہے اس موقع پر ام کلثوم حضرت خالد کے ساتھ موجود تھیں اور حضرت خالد نے ایک خیمہ میں اسکی

کی حفاظت پر مقرر کر رکھا تھا لہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً حضرت خالد کا نکاح ام تمیم کیساتھ درست تھا۔ اسی بنا پر نہ حضرت خالد نے اس سے از خود مفارقت اختیار کی اور نہ انہوں نے اس بارہ میں حضرت ابو بکر کے حکم یا مشورہ کی پرواہ کی۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی حضرت ابو بکر نے اس بارہ میں حکم دیا تھا۔

ایک اشکال اور اس موقع پر بعض مورخین کو اشکال یہ پیش آیا ہے کہ اچھا اہم نہ مانا کہ اس کا جواب مالک بن نویر نے ازداد سے تو یہ نہیں کی تھی لیکن وجہ کیا ہے کہ جنگ بزاخہ کے موقع پر اپنے اپنے قبیلہ کے بڑے بڑے سردار قرۃ بن سیرہ۔ الفجاءۃ السلی ابو شجرہ اور عینیتہ بن حصن الفزاری جیسے لوگ گرفتار ہوئے تو حضرت خالد نے ان کو سیدھا مدینہ بھیج دیا تھا اور خود ان کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ پھر مالک بن نویر کے بارے میں بھی ایسا کیوں نہیں کیا جب کہ وہ مرتبہ اور حیثیت میں ان لوگوں سے کسی طرح کم اور جرم کے اعتبار سے کسی طرح بڑھا ہوا نہیں تھا لہ

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت ابو بکر اس قسم کے معاملات میں اپنے اعیان شکر اور امرائے فوج پر پورا اعتماد کرتے اور انہیں کو وسیع اختیارات دیتے تھے چنانچہ قعقاع بن عمرو کو ایک جماعت کے ساتھ علقمہ بن علاثہ کو اسکے ازداد و بغاوت کی سزا دینے کیلئے روانہ کیا تو آپ نے فرمایا ”علقمہ تمہارے ہاتھ پر تھا تو تمہیں اختیار ہے اس کو میرے پاس بھیج دو یا تم خود قتل کر دو اسکے بعد اپنے یہ نہایت ہی حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا۔

واعلم ان شفاء النفس الخوض اور یاد رکھو کہ نفس کی شفا کسی کام کو خوب فاسنح ما عندک لہ اچھی طرح کرنے میں ہے۔ اس لئے جو تم کو مناسب معلوم ہو

اس عام پالیسی کے ماتحت اسی طرح کے اختیارات حضرت ابو بکر نے حضرت خالد بن الولید کو بھی دئے تھے کہ جس مجرم کے حق میں وہ جو چاہیں اپنی صواب دید کے مطابق

لہ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۶ اس جنگ کا مفصل تذکرہ آگے آئے گا۔

لہ الصدیق ابو بکر از محمد حسین ہیکل مصر ص ۱۵۶ لہ طبری ج ۲ ص ۴۹۰

حضرت خالد کے نام ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لیزدلہما النعم اللہ بہ علیہ خیرا واتق اللہ فی امرک فان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہو محسنون جد فی امر اللہ ولا تتین ولا تظفرن باحد قتل المسلمین الا قتلته و نکلت بہ غیرہ ومن احببت من حاد اللہ او ضادہ من تری ان فی ذالک صلاحا فاقتلہ لہ

اللہ نے تم کو جو نعمتیں خیر کی دے رکھی ہیں ان میں اور اضافہ ہو تم اپنے معاملات میں اللہ سے برابر ڈرتے رہو۔ کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہوتے ہیں اور جو نیک ہوتے ہیں تم اللہ کے معاملات میں پوری سعی کرو۔ سستی نہ کھاؤ اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا ہے ان میں سے اگر کوئی تمہارے ہاتھ لگا جائے تو اسکو قتل کر دو اور اس طرح دوسروں کو سبق دو۔ اور انکے علاوہ جن لوگوں نے اللہ سے انحراف یا بغاوت کی ہے اگر تمہاری رائے میں انکو قتل کر دینا مناسب ہو تو قتل کر دو۔

بلکہ جہاں تک مالک بن نویرہ کا تعلق ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود حضرت ابو بکر نے حضرت خالد سے قسم کی تھی کہ اگر مالک بن نویرہ ہاتھ پر جائے تو اسکو بلا تاہل قتل کر دیں اصل الفاظ یہ ہیں۔ وعزم علیہ لیقتلن مالکا ان اخذہ لہ

مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ مالک بن نویرہ قتل کے وقت مرتد تھا اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا حضرت خالد نے اسی وجہ سے ان اختیارات کے ماتحت جو حضرت ابو بکر نے ان کو دئے تھے مالک کو قتل کیا اور وہ اس میں حق بجانب تھے، مالک کے بھائی مہتم بن نویرہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضرت عمر کے لئے طبری ج ۲ ص ۴۹۱ لہ ابوریاض احمد بن ابی ہاشم القیس نے خاص حضرت خالد اور مالک بن نویرہ کے واقعہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا۔ شیخ عبد القادر بن عمر البغدادی نے اپنی مشہور کتاب خزائن الادب علی شواہد شرح الکافیہ میں اس رسالہ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ یہ جملہ اسی اقتباس میں ہے دیکھو خزائن الادب ج ۱ ص ۳۷ مطبوعہ میریہ بلق۔

پاس آیا اور اس نے بھائی کا جو مرنیہ لکھا تھا سنایا تو فاروق اعظم پر اس کا بڑا اثر ہوا اور فرمایا کہ اگر میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید کا مرنیہ کہتا۔ متمم بن نویرہ بولالے امیر المؤمنین دونوں برابر نہیں ہیں۔ اگر میرا بھائی بھی اسی طرح قتل ہوتا جیسا کہ آپ کا بھائی ہوا ہے تو میں کبھی اپنے بھائی کا مرنیہ کہتا ہی نہیں حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا جیسی تعزیت آج متمم بن نویرہ نے میری کی ہے ایسی آج تک کسی نے کی ہی نہیں۔

علامہ ابن شاکر المتوفی ۴۴۲ھ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ خود اس کے بھائی متمم کے نزدیک بھی مرتد قتل ہوا تھا اور حضرت عمرؓ سے اس نے جو کچھ کہا اسکا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے بھائی کو اس لئے روتا ہوں کہ وہ اسلام پر نہیں مارا گیا۔ اس انجام خراب ہوا۔ لیکن آپ کے بھائی زید تو اسلام کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں حق کی راہ میں مارے گئے ہیں انکے مراتب اور مدارج تو اللہ کے ہاں بہت بلند ہیں۔ تو پھر ان کے ماتم کی کیا ضرورت ہے لے

ام تمیم سے نکاح | اس واقعہ میں حضرت خالد نے صرف ایک مالک بن نویرہ کو ہی قتل نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جتنے ساتھی تھے وہ بھی قتل کر دئے گئے تھے لیکن اسکے باوجود حضرت خالد کے خلاف جو شورش ہوئی اس کی بنیاد مالک بن نویرہ ہی کا قتل تھا۔ اس سلسلہ میں کسی اور مقتول کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس کی وجہ درحقیقت ایک تو یہ ہے کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کی بیوی ام تمیم بنت منہال سے اسی روز نکاح کر لیا اور اسکی وجہ سے لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ اس نکاح کو قتل مالک کا سبب قرار دیں لے اور دوسری وجہ تو متمم بن نویرہ تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بھی اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی شہادت پر وہی شعر بطور مرنیہ پڑھے ہیں اور صحیح بخاری میں درج ہیں۔

لے فوات الوفيات ج ۲ ص ۲۹۶ مطبوعہ مکتبۃ النهضة المصریہ لے چنانچہ اغانی وغیرہ میں لکھ ہی دیا کہ حضرت خالد تو اس عورت سے زمانہ جاہلیت سے محبت کرتے تھے حالانکہ جو شخص لوگوں کے اخلاق سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ حفصہ بیوی حاصل کرنے کے لئے اسکے شوہر کو قتل کرنا انکے ہاں حد وجہ بزدلانہ اور غیر شریفانہ فعل سمجھا جاتا تھا تو پھر عرب بھی خالد بن ولیدؓ کی شہادت پر اس زردی کا کیونکر مرکب ہو سکتا تھا۔

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے یہ شعر کی کرشمہ سازیاں ہیں جن سے تاریخ ادب کے صفحات بھرے ہوئے ہیں حضرت خالد پر اسکی ذمہ داری کیونکر عائد ہو سکتی ہے یہی پہلی وجہ تو ہمارے خیال میں اصل صورت یہ پیش آتی ہے کہ حضرت خالد نے پہلے ام تمیم کو باندی بنایا ہوگا اور یہ ثابت ہی ہے کہ گرفتار شدہ لوگ ”سبایا“ بنائے گئے تھے جنکو بعد میں متمم بن نویرہ کی درخواست پر حضرت ابو بکر کے حکم سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ لیکن ام تمیم نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا ہوگا تو اب حضرت خالد نے اس سے نکاح کر لیا معترضین کہتے ہیں کہ حضرت خالد اس کو دیکھ کر عاشق ہو گئے تھے اس لئے نکاح کیا۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن جب نکاح شرعاً درست تھا اور مالک بر بنائے ارتداد قتل ہوا تھا تو اس میں شرع یا اخلاق کسی اعتبار سے کیا قباحت ہے یہ تو اس وقت ہے جب کہ معترضین کی بات کو صحیح مان لیا جائے۔ ورنہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ام تمیم چونکہ ایک عالی مرتبت اور معزز شخص کی بیوی تھی اور اب وہ بیوہ ہو گئی اسلئے حضرت خالد نے اس کی تسلی اور دل دہی کیلئے اس سے نکاح کیا تھا۔ رہا قتل کے بعد فوراً نکاح کرنا تو ہمارے خیال میں رادی کو اس میں شبہ ہوا ہے۔ کیونکہ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

وتزوج خالد ام تمیم ابنة المنهل خالد نے ام تمیم سے نکاح کیا اور پھر اسکو چھوڑ دیا وتزکھا لینقضی طهرها (ج ۲ ص ۵۲) تاکہ اسکی مدت طہر پوری ہو جائے۔

غالباً مالک کے قتل کے بعد حضرت خالد ام تمیم کو بطور عسی اپنے خیمہ میں لے گئے ہونگے اور پھر اسکے مسلمان ہو جانے پر کچھ دنوں کے بعد اس سے نکاح کیا ہوگا۔ اسکو رادی نے اس طرح بیان کر دیا یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صرف ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ اسکی ایک اصل بھی موجود ہے ابو زید وحمیہ بن الوشاء المتوفی ۲۲۰ھ تیسری صدی کے ایک بلند پایہ مورخ ہیں انہوں نے حضرت ابو بکر کے عہد میں منقہ ارتداد کا جو طوفان اٹھا تھا خاص اسی موضوع پر ایک مستقل کتاب ”کتاب الردہ“ کے نام سے لکھی تھی۔ یہ کتاب اب ناپید ہے لیکن یہ کس پایہ کی کتاب تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اصابعہ میں جگہ جگہ اسکے حوالے دئے ہیں امد اسکے اقتباسات نقل کئے ہیں چنانچہ اصابعہ کے انہیں

اقتباسات کو ایک جرمن فاضل نے ایک جامع مرتب کر کے کتاب الردہ کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ ابو زید و تميم کاتذکرہ حنیات الاعیان اور فوات الوفيات دونوں میں اسکے علاوہ محمد بن عمر الواقدي نے بھی اسی موضوع پر اور اسی نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا ایک نسخہ ابتدائی اور انکے مطابق اصلاح کرنی ضروری ہے۔ پٹنہ میں موجود ہے اس شاکر نے مہتمم بن نویرہ کے تذکرہ میں تميم اور واقدي ان دونوں کی مذکورہ بالا کتابوں کے حوالہ سے حضرت خالد اور مالک بن نویرہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت خالد اور ام تميم کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قیل انه اشتراها من الفیء کہا جاتا ہے کہ خالد نے ام تميم کو مال غنیمت و تزوج بھاو قیل انها میں سے خرید لیا تھا اور پھر اس کے ساتھ نکاح اعتدت بثلاث حیض لثہ کر لیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ام تميم نے تین خطبہا الی نفسہ حیض کی عدت گزار لی تھی اور اس کے بعد خالد فاجابتہ لہ نے اس کو اپنا بیغام نکاح دیا اور ام تميم نے اس کو قبول کر لیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اچھا جب بات یہی تھی تو پھر حضرت عمر نے حضرت خالد کے رجم کر دینے کا مطالبہ کیوں کیا، تو اس کے جواب میں ہم ایک روایت پیش کرتے ہیں جس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائیگا۔ حافظ ابن حجر نے فرار بن الازد را لاسدی کے تذکرہ میں الاصابہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں حضرت خالد نے فرار بن الازد کے ماتحت بنو اسد کی طرف ایک دستہ (سرب) روانہ کیا۔ اس دستہ نے بنو اسد پر چھاپہ مارا اور ایک عورت گرفتار کر لی۔ ہزار جو دستہ کے امیر تھے وہ مسلمانوں سے اجازت لیکر عورت کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ لیکن بعد میں ان کو نہایت ہولی اور انہوں نے حضرت خالد سے درخواست کی کہ وہ اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر کو کر دیں اور اس کے لئے بارگاہ خلافت سے باقاعدہ منظوری لے لیں حضرت خالد کے نزدیک چونکہ اسکی ضرورت نہیں تھی اس لئے انہوں نے فرار سے کہا کہ اسکی ضرورت لے دیکھو فوات الوفيات ج ۲ صفحہ ۲۲۵ تا صفحہ ۲۲۸

نہیں ہے لیکن وہ نہ مانے۔ آخر حضرت خالد نے فاروق اعظم کو اس کی اطلاع دی تو آپ کو سخت غصہ آیا اور فوراً حضرت خالد کو حکم بھیجا کہ ہزار کو سنگسار کر دیا جائے۔ اتفاق یہ ہوا کہ حکم پہنچنے سے پہلے ہی ہزار کا انتقال ہو گیا۔ اب حضرت خالد کو یہ حکم ملا تو انہوں نے فرمایا ”اللہ ہزار کو رسوا کرنا نہیں چاہتا تھا“

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ابن خطاب خلیفہ کے بغیر مال غنیمت میں تصرف کو ناجائز اور حرام سمجھتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے ام تميم کیساتھ تھوڑی سی کچھ حضرت خالد کو مستحق رجم قرار دیا لیکن اس کے برخلاف حضرت خالد مسلمانوں کی باہمی رضامندی کے بعد مال غنیمت میں تصرف کو جائز قرار دیتے تھے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت خالد نے درپردہ حضرت ابو بکر سے اس طرح کے تصرفات کیلئے اجازت لے رکھی ہو اور اسی بنا پر حضرت ابو بکر نے حضرت خالد کے خلاف اس معاملہ میں کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی۔

چند ضمنی مباحث | تم پڑھ آئے ہو کہ جب ابو قتادہ الفزاری نے مدینہ اگر حضرت خالد کی شکایت صدیق اکبر سے کی تو آپ سکر غضب ناک ہو گئے اور انکی شکایت پر کوئی اعتنا نہیں کیا۔ آخر ابو قتادہ حضرت عمر کے پاس آئے اور پورا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمر فاروق سخت برہم ہوئے اور اسی وقت حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”خالد کی تلوار میں فساد ہے آپ ان کو فوراً معزول کر دیجئے اور میدان جنگ سے واپس بلا لیجئے۔ اسکے علاوہ حضرت خالد کی شان میں کچھ اور سخت الفاظ بھی استعمال کئے۔ حضرت ابو بکر نے انکو ٹوکا اور فرمایا جیسی تلوار کو اللہ نے اپنے دشمنوں پر بے نیام کر دیا ہے میں اس کو نیام کے اندر واپس نہیں کر سکتا (اشارہ تھا حضرت خالد کے سیف اللہ ہونے کی طرف) لیکن حضرت عمر کا اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت خالد کو مدینہ طلب کیا۔ خالد مدینہ پہونچ کر مسجد نبوی میں سے گزر رہے تھے کہ وہاں فاروق اعظم نے انکو دیکھ کر سخت کست کہا لیکن انہوں نے پردہ نہیں کیا۔ وہ سیدھے صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو ہوئی اور اس کے بعد حضرت ابو بکر نے مہتمم بن نویرہ کو اس کے بھائی کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا اور خالد بن ولید کو بطاح واپس کر دیا۔ یہ پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر درج ذیل سوال پیدا ہوگا (۱) اگر حضرت خالد خلیفہ رسول کی رائے میں بے گناہ تھے تو انہوں نے خون بہا کیوں کیا

(۲) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں اس قدر شدید اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

اب ہم ہر ایک سوال کا جواب الگ الگ بالترتیب لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر کا اگرچہ حضرت خالد سے گفتگو کے بعد اور دوسرے ذرائع سے بھی واقعہ دیت ادا کرنا کی اصل نوعیت حضرت ابوبکر پر روشن ہو گئی تھی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت خالد نے عجلت پسندی اور بے احتیاطی سے کام لیا تھا اگر وہ مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کی بجائے مدینہ بھیج دیتے تو جب وہ دیکھتا کہ سب ہی نامور وزعمائے قبائل مسلمان ہوئے جارہے ہیں تو ممکن ہے وہ بھی مسلمان ہو جاتا اسکے علاوہ ام تمیم سے نکاح کیسا ہی جائز نہ تھی۔ بے احتیاطی کا عمل ضرور تھا۔ ان دونوں باتوں کی وجہ سے اول تو خود حضرت ابوبکر کو ناگواری تھی ہی پھر مہم بن نویرہ کی تالیف قلب حضرت عمر فاروق کی تسکین خاطر بھی ضروری تھی، ان مصالحت کے پیش نظر اپنے متمم کو دیت المال سے ادا کی آپ کا یہ عمل محض بر بنائے مصلحت و سیاست تھا۔ اسیلئے نہیں تھا کہ آپ کی رائے میں بھی حضرت خالد ایک مسلمان کے قتل خطلے کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ جیسا آگے آئیں گے عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں مصیغ نامی ایک مقام پر حضرت خالد نے عبدالغری جہکانام بعد میں عبداللہ ہو گیا تھا امد لبید بن جبریر ان دونوں کو جو دشمن کے کیمپ میں تھے قتل کر دیا تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ دونوں مسلمان تھے اور اس بارہ میں ان کے پاس حضرت ابوبکر کی ایک تحریر بھی تھی حضرت ابوبکر کو اسکی اطلاع ہوئی تو اپنے انکی دیت ادا کی لیکن ساتھ ہی حضرت خالد کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ یوں ادا کرنے کو تو میں ادا کر دیتی لیکن یہ دیت مجھ پر واجب نہیں تھی کیونکہ یہ دونوں مقتول اہل حرب کے ہائی مقام اور ان کے ہمراہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اور معاملات کی طرح اس ایک معاملہ میں بھی خلیفہ رسول نے بعینہ ہی

لے حافظ ابن جریر نے زبیر بن بکبار کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب خالد کے پاس اموال غنیمت آتے تھے تو وہ انکو ارباب غنائم میں تقسیم کر دیتے تھے اور ان کا حساب حضرت ابوبکر تک نہیں پہنچاتے تھے وہ بعض اوقات ایسے اقدامات بھی کر جاتے تھے جن کو حضرت ابوبکر اچھا نہیں سمجھتے تھے چنانچہ مالک نویرہ کا قتل ادا کی بیوہ کے ساتھ نکاح حضرت ابوبکر نے ان دونوں باتوں کو مردہ سمجھا۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۴۱۴ تذکرہ خاندانہ لیدرہ (طبرج ج ۲ ص ۵۸۱))

کیا جو اسی قسم کے ایک واقعہ میں جبکہ حضرت خالد کے ہاتھوں نبوخذیمہ کے لوگوں کا قتل عمل میں آیا رسول اللہ نے کیا تھا۔ آپ نے اس واقعہ کو سنکر ایک طرف تو دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا۔

اللہم انی ابرح الیک ممّا لے اللہ جو کچھ خالد نے کیا ہے میں تیری جناب صنع خالد لے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

اور دوسری جانب حضرت علی کو مقتولین بنی جذیمہ میں سے ہر ایک کی نصف دیت (خونہا) ادا کی حضرت نالاستاد مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیری فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ خون بہا محض مصالحت کی غرض سے ادا کیا گیا تھا۔ کیوں کہ مقتولین کے ورثہ نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا لیکن رحمت عالم نے پسند نہیں کیا کہ ان کا خون رائگاں جانے لے لیکن با اس ہمہ آں حضرت نے حضرت خالد کو معزول نہیں کیا۔ اور اس واقعہ کے بعد بھی آنحضرت کی زندگی میں وہ برابر فوجی امارت کے عہدہ پر سرفراز رہے۔

یہیچنین کا اختلاف اب صرف ایک بات باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ آخر حضرت ابوبکر حضرت عمر میں اس درجہ شدید اختلاف کی وجہ کیا تھی؟

ایک وہ شخص جس کی نظر عہد نبوت اور اس کے بعد کی تاریخ پر ہے جانتا ہے کہ خلیفہ اول و دوم کا یہ اختلاف پہلی مرتبہ نہیں تھا، عہد نبوت میں بھی دونوں میں متعدد بار مختلف معاملات و مسائل میں اختلاف ہوا۔ اور اس کے بعد حبش اسامہ کی روانگی کے وقت امد بالغین زکوٰۃ سے جہاد کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہوا تھا۔ لیکن جب کبھی اختلاف ہوا فاروق اعظم کو آخر میں اقرار کرنا پڑا کہ حضرت ابوبکر کی جو رائے تھی وہ صواب تھی چنانچہ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر نے بعد میں فرمایا۔

رحم اللہ ابابکر بھوکان اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ مجھ سے

اعلم منی بالرجال زیادہ مردم شناس واقع ہوئے تھے۔

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۲۲ باب بعث النبیؐ خالد بن ولید الی بنی جذیمہ

لے فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۱۷

حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ متعم بن نویرہ نے حاضر ہو کر حضرت خالد سے قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

لا ادر شئاً صنعہ ابو بکر لہ ابو بکر جو کر گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کروں گا۔

اصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن کی شان میں فرمایا گیا تھا ”اشدھم فی احوال اللہ عمر“ انہوں

نے ابو قتادہ انصاری سے مالک بن نویرہ کا واقعہ سنا تو چونکہ بنو حذیمہ کیساتھ بھی اس قسم

کا واقعہ پیش آچکا تھا اس بنا پر ان کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ حکم حسانت الابرار برسیات المظہرین

وہ ایک صحابی سے اس طرح کے فعل کا صدور اور وہ بھی مکر بہت مستبعد جانتے تھے، اسکے

برخلاف حضرت ابو بکر کا معاملہ یہ تھا کہ ہر بات میں اسوہ رسول کا اتباع انکی فطرت اور

طبیعت بن گئی تھی۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور

دوسری طرف سیاست اور فوجی تدابیر کا جو مقتضا تھا اس سے بھی پورے طور پر آگاہ

تھے۔ حضرت ابو بکر کی رائے میں اگر حضرت خالد سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا بھی تھا تو

بہر حال وہ اتنی بڑی غلطی ہرگز نہیں تھی جس کی پاداشی میں حضرت خالد ایسے مدبر سپہ

سالار اور بہادر جرنیل کی قیادت سے لشکر کو محروم کر کے اسلامی محاذ جنگ کو خطرہ

میں ڈالتے۔ بارگاہ خلافت کی طلب پر حضرت خالد کا مدینہ چلا آنا اور خلیفہ رسول کے

رد و برد معذرت خواہ ہوتا بھی حضرت خالد کے جرم فردگزاشت کی تلانی کیلئے کافی تھا

آج کی مہذب دنیا میں کیا ہوتا ہے؟ کسی ذمہ دار شخصیت سے بڑے سے بڑا جرم سرزد

ہو جاتا ہے لیکن صرف ایک لفظ ”افسوس“ (REGRET) کہہ دینا ہی اسکی مکانات کردیتا

ہے۔ حضرت عمر فاروق کے مزاج میں اولاً تو شدت تھی ہی۔ پھر اس وقت تک حکومت کی

براہ راست ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کاندھوں پر نہیں پڑا تھا۔ لیکن جیسا کہ حضرت

ابو بکر نے وفات کے وقت اپنی جانشینی کیلئے فاروق اعظم کے نام کی سفارش کرتے ہوئے

پیشگوئی کی تھی۔ جب خود حضرت عمر کو حکومت و خلافت کے بارگراں کا متحمل ہونا پڑا

تو ان کے تشدد میں خود بخود اعتدال کا رنگ پیدا ہو گیا۔

مسيلمہ اور اہل تہ کامرہ سے جنگ

یاد ہو گا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے باغی اور مرتد قبائل سے جنگ کرنے کی غرض سے جو گیا

لشکر مختلف اطراف میں روانہ کئے تھے ان میں سے ایک لشکر جو مسيلمہ کہ طریف روانہ کیا گیا تھا

عکرمہ بن جہل کی سرکردگی میں تھا لیکن بعد میں محسوس ہوا کہ یہ لشکر ناکافی ہو گا تو آپ نے

شرحبیل بن حسنہ کے ماتحت ایک لشکر اور بھیجا۔ حضرت عکرمہ نے پیام پہنچتے ہی شرحبیل

کا انتظار کئے بغیر حملہ کر دیا۔ لیکن ان کو لپٹا ہونا پڑا۔ ادھر شرحبیل کو اس کی اطلاع ہوئی تو

وہیں راستہ میں ٹھہر گئے۔ عکرمہ نے حضرت ابو بکر کو اصل واقعہ کی خبر کی تو آپ کو بڑا ملال ہوا اور عکرمہ

کو لکھا کہ اب آئندہ تم میری شکل نہ دیکھنا اور میں تمہاری شکل نہ دیکھوں گا۔ ساتھ ہی حکم

بھیجا کہ وہ حذیفہ اور عرجہ کے پاس پہنچ کر عمان اور مہرہ کے لوگوں کے ساتھ جنگ کریں اور

یہاں سے فارغ ہو کر یمن اور حضرموت کا رخ کریں۔ اب رہے شرحبیل تو ان کو حکم بھیجا

کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں یہاں تک کہ خالد پہنچ جائیں۔

حضرت خالد کی نامزدگی غالباً حضرت ابو بکر صدیق کو مسيلمہ کی طاقت کا شروع میں صحیح

اندازہ نہیں تھا اور اسی وجہ سے حضرت خالد کو ابتداء اس محاذ پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ لیکن

جب عکرمہ کو شکست ہوئی اور ساتھ ہی معلوم ہوا کہ مسيلمہ کے ساتھ چالیس ہزار عرب منتخب

نبرد آزما ہیں تو اب آپ کو موقع کی نزاکت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہوا۔ اب ظاہر ہے اتنے

بڑے معرکہ کو سر کرنے کے لیے سیف اللہ کے سرا اور کس کے نام قرعہ فال نکل

سکتا تھا چنانچہ حضرت خالد دربار خلافت کی طلبی پر بطاح سے مدینہ آئے اور

یہاں مالک بن نویرہ کے واقعہ کی جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی جب حضرت

خالد کا بیان سننے کے بعد حضرت ابو بکر کو اس کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اب

حضرت ابو بکرؓ نے معرکہ یمامہ کو سر کرنے کی پوری ذمہ داری حضرت خالد کے سپرد کی۔

ناموران مہاجرین کا غزوہ بدر کے بعد یمامہ کا معرکہ سب سے بڑا معرکہ تھا جبکہ اسلام انصار کی کثرت کی زندگی اور موت کا قطعی فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ صرف حضرت خالد کے بھیجے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ناموران مہاجرین و انصار جو بدر و حنین کے معرکہ میں چلے گئے اور جن میں بڑے بڑے حفاظ و قرائت تھے ان کو بھی اس جنگ کیلئے نامزد کیا گیا مہاجرین کے دستہ کے سردار حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی زید بن خطابؓ تھے اور انصار کا دستہ ثابت بن قیس بن شماس کی ماتحتی و نگرانی میں غرضیکہ اس شان و شوکت اور اہتمام کیساتھ حضرت خالدؓ مسلمانوں سے جنگ کر نیکی لئے یمامہ روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ کوئی پیچھے سے حملہ نہ کرے حضرت خالد کے عقب میں سلیط کی سرکردگی میں ایک اور دستہ روانہ کیا۔

مجاہد کی گرفتاری حضرت خالدؓ یمامہ سے ابھی ایک شب کی مسافت پر تھے کہ ان کو ایک دستہ ملا جس کا سردار مجاہد بن مرارہ تھا جو بنو حنیفہ کے معزز ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ دستہ بنو تمیم اور بنو عامر پر شب خون مار کر آ رہا تھا۔ حضرت خالد کے حکم سے اس دستہ کے سب آدمی قتل کر دیئے گئے اور مجاہد گرفتار کر لیا گیا۔ اب لشکر آگے بڑھا اور یمامہ کے ایک مقام عقربا پہنچا۔ جہاں مسلمان اپنا لشکر کثیر لے کر آئے تھے جس کی تعداد عام مورخین کے بیان کے مطابق چالیس ہزار اور بعض روایات میں ساٹھ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ لے

لشکر کی ترتیب دوسرے دن صبح کو حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دی کہ دائیں بازو (میں) کے کمانڈر حضرت زید بن خطابؓ تھے اور بائیں بازو (میں) کی قیادت حضرت اسامہ بن زیدؓ کے سپرد تھی۔ اور خود ایک دستہ لئے ہوئے وسط لشکر لئے صحابہ بدر میں کو حضرت ابو بکرؓ اس قدر عزیز رکھتے اور ان کو اس درجہ بابرکت سمجھتے تھے کہ آپ ان کا کسی جنگ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ (طبری ج ۲ ص ۵۵) یمامہ کے معرکہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ذاتی رجحان کے برخلاف اس موقع پر بدری صحابہ کو بھی بھیجا اور ایلہ طبری ج ۲ ص ۵۵

میں تھے ادھر مسلمانوں نے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور دونوں لشکر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ایک دوسرے کے رد و بدھڑے ہو گئے۔

جنگ کا آغاز اب مسلمانوں کی طرف سے شریک بن مسلمان نے بنو حنیفہ کو لاکر کر کہا لے لوگو! آج کا دن غیرت کا دن ہے۔ اگر تم لوگ شکست کھا گئے تو تمہاری عورتوں کو لونڈی بنا لیا جائے گا۔ اور بغیر نکاح کے ان کے ساتھ مت جمع کیا جائیگا۔ اس لئے تم اپنے حسب و شرف کی طرف سے مدافعت کرو اور اپنی عورتوں کو بچاؤ۔ ادھر مجاہدین اسلام کے دلولہ و جوش کا یہ عالم تھا کہ ”جو ہر شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا۔“ مجاہدین کا جوش و خروش مجاہدین کا علم حضرت سالم مولیٰ حذیفہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ قتل ہو گئے تو ایک حامل قرآن جاتا رہے گا۔ انہوں نے کہا ”اگر میں اس بات کا اندیشہ کروں تو مجھ سے بڑا حامل قرآن کون ہو گا۔ ہمارے رجال ایک شخص تھا جس نے مشہور کر دیا تھا کہ محمد رسول اللہؐ نے اپنی نبوت میں سے نصف کا شریک مسلمانوں کو کر لیا ہے اور اس طرح مسلمان کا دست راست تھا۔ اس نے صف سے باہر نکل کر پکارا کہ ہل من مبارز کیا مجھ سے کوئی مقابلہ کرنے والا ہے۔ اس کے جواب میں اسلامی لشکر کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی زید بن خطابؓ آگے بڑھے اور انہوں نے اس زور کا وار کیا کہ ہمارے رجال ڈھیر تھا۔ اب دونوں لشکر گت پت ہو گئے اور بڑے زور کارن پڑا مسلمانوں کا ایک ایک آدمی اس پر پروانہ دار اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہوا تھا۔ کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اگر اس جنگ میں شکست ہو گئی تو حجاز کی سیادت جنوبی عرب پر ہمیشہ کیلئے قائم ہو جائیگی اور شدید قبائلی عصبیت کے باعث یہ چیز ان کی موت کے مرادف تھی۔ مسلمانوں کو ایسی ہولناک اور سخت جنگ لڑنے کا پہلا اتفاق تھا۔ اس لئے اڈل اڈل مسلمان پسپا ہو گئے یہ رنگ دیکھ کر مسلمانوں کی فوج کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے حضرت خالدؓ کے خیمہ پر حملہ کر دیا۔ یہاں حضرت خالدؓ کی نئی بیوی ام تمیم تھیں حملہ آوروں نے چاہا کہ انہیں قتل کر دیں لیکن مجاہد جو حضرت خالدؓ ام تمیم کی نگرانی میں رکھے گئے تھے اس سے روکا اور کہا کہ میں اس عورت کا بڑی ہوں۔ ان لوگوں نے اب ام تمیم سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن خیمہ کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسلمانوں کا دوسرا حملہ اب مسلمانوں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا اور ایک دوسرے کو پکار پکار کر ثابت قدمی اور استقلال کی دعوت دینے لگا ثابت بن قیس نے کہا "آہ! اے مسلمانو! آخر تم کیا کر دگے اے اللہ! ان مسلمانوں نے جو پسپائی دکھائی ہے میں اس سے بری ہوں زید بن خطاب بولے "خدا کی قسم! اب میں اس وقت تک زبان نہیں کھولوں گا جب تک کہ ہم لوگ دشمنوں کو شکست نہیں دیدیں گے یا میں خود قتل نہیں کر دیا جاؤں گا۔ ابو حذیفہ نے لٹکار کر کہا "اے اہل قرآن! تم اپنے افعال سے قرآن کو زینت و دیر مجاہدین اسلام اپنی اپنی جگہ پر شیر کی طرح ہنکار ہی رہے تھے کہ اتنے میں حضرت خالد نے پلٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے لیکن کچھ فاصلہ پر پہنچ کر جوابی حملہ کیا۔ اور جنگ تیز ہو گئی۔ مہاجرین انصار اہل قری اور اہل بادیع ان سب کے دستے ایک دوسرے کیساتھ ملے ہوئے داد شجاعت دے رہے تھے حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہر دستہ فوج الگ الگ ہو جائے۔ اب حضرت خالد نے جائزہ لیا۔ تو معلوم ہوا کہ مہاجرین انصار اور اہل قری کو بہ نسبت اہل بادیع کے زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ اور مشہور صحابہ حضرت زید بن خطاب حضرت سالم ادیان کے آقا حضرت ابو حذیفہ اس معرکہ میں کام آچکے تھے حضرت خالد نے دشمن کی جمعیت پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ مسلمہ اپنی جگہ پر جما ہوا کھڑا ہے اور اسکے حمایتیوں نے چاروں طرف سے اسکو اپنے حلقہ میں لے رکھا ہے اب حضرت خالد محسوس کیا کہ جب تک مسلمہ کی دستہ خاص پر حملہ کر کے اسے شکست نہیں دیا جائیگی دشمن کی جمعیت منتشر نہ ہوگی چنانچہ انہوں نے بیکہ اتحاد نعرہ لگایا اور مسلمہ کے دستہ پر حملہ کر دیا اب عالم یہ تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک ایک بہادر سر بکھ ہو کر آگے بڑھتا تھا اور اسکی لاش خاک و خون میں تر پ کر رہ جاتی تھی مسلمہ نے یہ دیکھ کر چاہا کہ خود مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن شدت خوف و اضطراب سے ایک قدم آگے بڑھتا تھا اور اسے پھر پیچھے ہٹا لیتا تھا۔ اتنے میں حضرت خالد نے اپنے دستہ کے مجاہدوں کے ساتھ اچانک اس زور کا حملہ کیا کہ اب مسلمہ کیلئے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ مسلمہ کے جانشینوں نے ہر چند اس سے کہا کہ "تو ہم سے جس فتح و ظفر کا وعدہ کرتا تھا وہ کہاں

لیکن اب اس کیلئے ٹھہرنا ناممکن تھا۔ خود بھاگتا جاتا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ "اپنے حسب و نسب کی طرف سے مدافعت کرو۔ لیکن ظاہر ہے اسکی اب ان باتوں کا اثر ہی کیا ہو سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ پڑی۔ ذرا فاصلہ پر ایک باغ تھا جس کی چہار دیواری محفوظ تھی حکم بن الطفیل نے چنچ کر کہا۔ اے بنو حنیفہ باغ! باغ! یعنی اس میں چل کر پناہ لو۔ یہ باغ درحقیقت مسلمہ کا قلعہ تھا اور چونکہ مسلمہ اپنے آپ کو حرم الیامہ کہتا تھا اس لئے باغ کا نام حقیقۃ الرحمن تھا یہ سب لوگ اس میں پہنچ کر قلعہ بند ہو گئے۔

مسلمہ کا قتل اسلامی لشکر نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اندر جانیکار راستہ نہیں تھا اسلئے حضرت براء بن مالک نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ ان کو اوپر اٹھا کر باغ (قلعہ) کے اندر ڈال دیں مجاہدین نے کہا "ہم ایسا نہیں کریں گے۔ لیکن براء بن مالک نے امر کیا تو مسلمانوں نے مجبوراً ان کو باغ کی دیوار پر پہنچا دیا اور اندر کی طرف کود کر تنہا لڑتے بھڑتے گھسے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا۔ بس اب کیا تھا؟ مسلمان باغ کے اندر گھس آئے اور پھر شدید جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں طرف سے کشتوں کے پشتے لگ گئے لیکن بنو حنیفہ کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس معرکہ میں مسلمہ بھی جبریں مطعم کے غلام وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اب ابو حنیفہ کیلئے جتنا ناممکن تھا پسپا ہو کر بھاگ پڑے۔ حضرت خالد کو یہ خوشخبری پہنچی تو مجاہدہ کو لیکر بنو حنیفہ کے مقتولین کو دیکھنا شروع کیا ایک طرف حکم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ شخص خوبصورت اور جویہ تھا حضرت خالد نے پوچھا "کیا تمہارا سردار مسلمہ یہی ہے؟" مجاہدہ نے جواب دیا "نہیں! بخدا یہ اس سے زیادہ بہتر اور شریف ہے۔ یہ حکم الیامہ ہے۔ حکم کو حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر نے ایک تیر مار کر اس وقت ہلاک کیا تھا جبکہ ابھی وہ باغ کے احاطہ سے باہر پیچھے سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ اب حضرت خالد قلعہ کے اندر داخل ہوئے یہاں ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجاہدہ نے بتایا کہ یہ مسلمہ ہے اس میں سے اس باغ کا نام حقیقۃ الموت یعنی موت کا باغ پڑ گیا اور وہ اسی نام سے تاریخوں میں مشہور ہے طبری کا بیان ہے کہ باغ سے باہر دو اندر دس ہزار آدمی مسلمہ کے اور بارہ ہزار مجاہدین قتل ہوئے۔

باقی قلعوں پر قبضہ | اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے حضرت خالد کو مشورہ دیا کہ باقی دوسرے قلعوں پر بھی جہاں مسلمانوں کے ساتھ تھے ابھی تک محفوظ رہیں حملہ کیا جائے۔

ادھر مجاہد نے جس پر حضرت خالد اعتماد کرنے لگے تھے اگر کہا کہ مسلمانوں کیساتھ جو لوگ آئے تھے جلد باز قسم کے تھے ورنہ ایک بہت بڑی تعداد تو ابھی تک قلعوں میں بند ہے مجاہد کا مقصد اس کہنے سے صرف یہ تھا کہ حضرت خالد بن حنیفہ کے بچے کچھ لوگوں کیساتھ مصالحت کر لیں اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات برتیں چنانچہ مجاہد نے ایک طرف تو حضرت خالد سے یہ کہا اور دوسری جانب اپنی عورتوں سے کہا ”تم سب ہتھیار پیٹ لو اور قلعوں کی سیڑھیوں پر کھڑی ہو جاؤ عورتوں نے فوراً اس پر عمل کیا اب حضرت خالد نے یہاں پہنچ کر نظر اٹھائی تو دیکھا کہ قلعوں پر زرہ پوش اور ہتھیار بند سپاہیوں کی صفیں کھڑی ہیں ادھر چونکہ مسلمانوں کے ساتھ مسلمان مجاہدین کو بڑی شدید جنگ لڑنی پڑی تھی اس لئے وہ تھکے ماندے اور گھرواپس جانے کیلئے بے قرار تھے ان وجوہ کی بنا پر مجاہد نے جو ترکیب چلی تھی وہ کامیاب ہوئی اور حضرت خالد نے معمولی سی شرطوں پر صلح کر لی۔ بعد میں مجاہد کی فریب کا بھید کھلا تو حضرت خالد کو بڑا غصہ آیا لیکن مجاہد نے صاف کہا ”یہ لوگ (بنو حنیفہ میرے ہم قوم ہیں۔ اس لئے میرے لئے ناممکن تھا کہ میں ان کی مدد نہ کر صلح ہو جانے کے بعد حضرت خالد نے ان سب بقیۃ السیف پر اسلام پیش کیا جس کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور حضرت خالد نے از روئے صلح جو کچھ ان سے وصول کیا تھا وہ سب انکو واپس کر دیا۔

جنگ یمامہ کی تاریخ | یہ جنگ یمامہ کب ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے کوئی ۱۱ھ بتاتا ہے۔ اور کوئی ۱۲ھ حافظ عطاء الدین ابن کثیر نے دونوں میں تطبیق اس طرح دی کہ اس کا آغاز تو ۱۱ھ میں لیکن ختم ہوئی ۱۲ھ میں واللہ اعلم۔

حدیقۃ الموت کا جائز وقوع | عام طور پر محدثین اور مورخین کے ہاں مشہور ہے اور جیسا کہ ہم

بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کیساتھ یہ جنگ یمامہ میں لڑی گئی تھی اور حدیقۃ الموت جہاں مسلمانوں کو قتل ہوا تھا اسکی نسبت یہی تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ یمامہ کی حدود میں یا اس کے قریب ہی تھا لیکن مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے جس نے ابواسامیٰ اللہ کی کتاب ”فتوح الشام“ کو ۱۸۵۲ء میں اڈٹ کیا تھا اس نے ایک اور مستشرق کیپٹن لیس (LEES) کو، فروری ۱۸۹۵ء کو ایک خط لکھا تھا جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی کاروائیوں (PROCEEDINGS) کی رپورٹ بابت ۱۸۹۵ء میں از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۴ اچھپا ہوا ہے اس میں ڈاکٹر موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کا باغ یمامہ میں نہیں بلکہ مقام بحیر میں ہے۔

جنگ کا اثر | امتداد باغی قبائل سے جتنی لڑائیاں لڑی گئی ہیں ان میں یمامہ کی جنگ سب سے بڑی اور سخت ترین تھی۔ مسلمانوں کیساتھ جو لشکر تھا اس کی تعداد اکثر نے چالیس ہزار اور بعضوں نے ساٹھ ہزار لکھی ہے اور یہ سب کے سب مسلمانوں پر پروردگار فدا تھے جس کے متعدد اہل باغ و وجوہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

موقع کی اس نزاکت کے باعث وہ اکابر مہاجرین و انصار جن کو حضرت ابو بکر مدینہ سے باہر بھیجنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انکو بھی محاذ جنگ پر بھیجا گیا اور اگرچہ اس محکمہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اکابر صحابہ اور بڑے بڑے حفاظ و قراء جام شہادت نوش کر گئے لیکن چونکہ اسلام کے سب سے بڑے حریف پر یہ آخری اور فیصلہ کن فتح تھی جس نے جزیرۃ العرب میں ہمیشہ کیلئے اسلام کے قدم جما دیئے اور اس کو کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں رہا۔ اسلئے اگلی فوج فتح و ظفر کا پرچم اڑاتی ہوئی حبشہ مدینہ میں داخل ہوئی ہے تو مدینہ کا گوشہ گوشہ مرجا اور آفریں کے نعروں اور حمد و صلوات کے نغموں سے گونج اٹھا جو صحابہ کرام اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے انکا غم ہونا ایک طبعی بات تھی لیکن نصرت خداوندی پر تزانہ ہائے حمد کی آوازوں میں نوحۃ دہانہ کی یہ صدائیں دب دب کر رہ گئیں۔

ڈاکٹر اسپرنگر اور سر ولیم لیس یہ دونوں کلکتہ مدرسہ کے جو مسلمانوں میں عام طور پر پروردگار عابد کلکتہ کے نام سے مشہور ہے۔ پرنسپل تھے اول الذکر ۱۸۵۰ء میں اور مؤخر الذکر ۱۸۵۴ء میں

اس فتح و کامرانی پر حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ خوش ہو نیکاحی اور کہے ہو سکتا تھا لیکن آپ کو بارہ سو صحابہ کے شہید ہو جانے کا رنج و ملال بھی کم نہیں تھا چنانچہ آپ کو اطلاع ہوئی کہ حضرت خالدؓ نے جنگ کے بعد مجاہدہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے تو انتہائی حلیم و بردبار ہو کر باوجود حضرت خالدؓ کو ایک سخت غضب آلود خط لکھا کہ ”اے ام خالدؓ کے بیٹے! معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں درد نہیں ہے۔ تم اس وقت عورتوں سے نکاح کرتے ہو جبکہ تمہارے گھر کے صحن میں بارہ سو مسلمانوں کا خون ابھی تک خشک نہیں ہوا ہے“ اے

بکسرین

حضرت خالدؓ جس وقت یمامہ کی جنگ میں مصروف تھے دوسرے مسلمان قائدین فوج جن کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احکام کے مطابق عرب کے مختلف حصوں میں باغیوں کے ساتھ مصروف پیکار تھے۔ انہیں میں سے ایک گستانی صوبہ بکسرین کا تھا جو مدینہ سے بہت دور شمال مشرق میں خلیج فارس کے کنارہ پر واقع تھا۔ یہ علاقہ حکومت ایران کے ماتحت تھا اور اس میں متعدد عرب قبائل بنو عبد القیس، بکر بن وائل اور قیس آباد تھے جن کا سردار ایران کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں یہ سردار منذر بن سادی تھا جس کے نام آنحضرتؐ کے لکھے ہوئے نو خطوط ذکر محمد حمید اللہ نے اپنی قابل قدر کتاب ”الوثائق السياسية“ میں نقل کئے ہیں۔ آنحضرتؐ کی دعوت پر منذر اور بکسرین کا صدر مقام ہجر کا گورنر (مرزبان) یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ جتنے عرب قبائل یہاں آباد تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، یہ واقعہ ۸ھ کا ہے بعض مؤرخین اسکو نو ہجری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں لیکن اصح ادل ہی ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے چند روز بعد ہی منذر بن سادی کا بھی انتقال ہو گیا تو احکم ایک سردار کیسا تھا بنو عبد القیس اور بنو بکر مرتد ہو گئے۔ لیکن جبار و دبش بن عمرو العبدی جنہوں نے آنحضرتؐ کا فیض صحبت حاصل کیا تھا انکی کوششوں سے بنو عبد القیس تو

جلد ہی اسلام کی طرف لوٹ آئے لے لیکن بنو بکر کو اپنے ارتداد پر اصرار رہا اور ان لوگوں نے نعان بن منذر بن ماء السماء (صاحب الخوئرق والسدیر) کے بیٹے کو جس کا نام بھی منذر تھا اپنا سردار منتخب کر لیا۔ احکم بن ضبیعہ بنو بکر اور دوسرے عجمی لوگ جو بکسرین میں آباد تھے اور جو سر سے مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے ان کو ساتھ ملا کر مقام جو اشام میں حضرت جبار و د کے خلاف معرکہ آرا ہوا ان لوگوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر کے سامان رسد تک سے انکو محروم کر دیا لیکن مسلمان فقر و فاقہ اور ان تمام سختیوں کے باوجود اسلام کے دامن کو پکڑے رہے۔

یہی حالات گذر رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن الحفصی کو بکسرین کے محاذ پر روانہ کیا علاء بکسرین اس وقت پہنچے ہیں جبکہ حضرت خالدؓ مسلمانہ کی جنگ سے فارغ ہو چکے ہیں اس بنا پر بنو حنیفہ کے بچے کچھ لوگ جواب مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی حضرت علاء کے ہم کاب ہو گئے۔ ان کے علاوہ ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم المنقری بھی اپنے اپنے لوگوں کے ساتھ اس لشکر میں شریک ہو گئے حضرت علاء اپنے لشکر کو لے ہوئے حمرائے دھنا میں سے گذر رہے تھے کہ شام ہو گئی تو انہوں نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تاکہ رات کے وقت جنگل میں کہیں راستہ نہ بھول جائیں۔ جب یہ لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا اتفاق ایسا ہوا کہ اونٹ جن پر سامان خورد و نوش لدا ہوا تھا بدک کر بھاگ پڑے اور یہاں کھانے پینے کی کوئی چیز باقی نہیں رہی مسلمان سخت پریشان ہوئے۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اور ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگا۔ حضرت علاء بن الحفصی نے انکی مہمت بندھائی اور کہا کہ اے لوگو! کیا تم سب مسلمان نہیں ہو۔ کیا تم اللہ کے انصار اور اسکی راہ میں جہاد کرتے والے نہیں ہو؟ تم یقین رکھو کہ اللہ تم جیسے لوگوں کو رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسلامی فوج جب نماز فجر سے فارغ ہوئی تو ان کو دوسرے سراب چمکتا ہوا نظر آیا۔ فوج کے پیش رو دستہ نے پاس جا کر دیکھا تو وہ پانی تھا بہت خوش ہوئے سب نے پانی پیا۔ غسل کیا اور اپنے اپنے مشکیزوں میں بھر لیا۔ اس کے بعد آفتاب ذرا بلند ہوا تو کہ چاک ادھڑا دھڑھکا گئے ہوئے واپس آ گئے مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی اب یہ لشکر تازہ دم ہو کر روانہ ہوا

اور بحرین پہنچا۔ یہاں جارود مقامی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ حطم بن ضبیعہ کے بالمقابل صف آرا تھے۔ حضرت علاء بن الحفص نے جارود کو پیغام بھیجا کہ تم اپنی جگہ پر ڈٹے رہو لیکن حطم کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اور ساز و سامان بھی اس کے پاس بافراط تھا اس لئے حضرت علاء اور حطم دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں خندقیں کھود کر پڑ گئے، دن کے وقت یہ دونوں فوجیں خندقوں سے باہر آکر جنگ کرتی تھیں اور پھر خندقوں میں واپس چلی جاتی تھیں، ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ فتح و شکست کسی فریق کو نہیں ہوئی تھی۔ آخر ایک رات دشمن کے لشکر میں اچانک شور و غل امداد و صراط کی آواز بلند ہوئی حضرت علاء نے عبداللہ بن حذاف کو خبر لانے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے آکر بتایا کہ فریق مخالف کے سپاہی شراب میں بدمست ہیں اور خوش فعلیاں کر رہے ہیں۔ حضرت علاء یہ سنتے ہی اپنی فوج لے کر ان لوگوں پر جا پڑے اور تلوار چلائی شروع کر دی۔ یہ لوگ سخت بدحواس ہو کر رہ گئے۔ ان میں کچھ قتل ہو گئے۔ کچھ گرفتار ہوئے کچھ ادھر ادھر جہاں جگہ نظر آئی چھپ گئے اور باقی جو تھے وہ بھاگ پڑے۔ اسی ہنگامہ میں حطم مارا گیا۔ جو لوگ اس دار و گیر سے بچ نکلے تھے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرہ دارین پہنچے۔

حضرت علاء نے ان لوگوں کا تعاقب کیا ناچا، لیکن مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس کشتیاں نہیں تھیں کہ سمندر پار کر سکیں۔ آخر حضرت علاء نے مسلمانوں کو جمع کر کے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ جس خدا نے تمہاری مدد حشکی (محر لے دھنا) میں کی ہے وہ بحرین میں تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد سب مسلمانوں نے مل کر جناب باری تعالیٰ میں عجز و الخاضع کیساتھ دعا کی۔ دعا سے فارع ہوئے تو مسلمانوں میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ گھوڑا، اونٹ، گدھا اور خچر غرض کہ جس کے پاس جو سواری تھی اس نے بے جھجک سمندر میں ڈال دی۔ بقول اقبالؔ

بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

اس شان سے مسلمانوں نے سمندر پار کیا اور جزیرہ دارین کے ساحل پر پہنچے یہاں چونکہ مفردین کے لئے اب کہیں بھاگ نکلنے کی گنجائش نہیں تھی اس لئے وہ لے دارین خلیج فارس کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ کے سامنے ہی تھا یہاں کی آبادی زیادہ تر عیسائی تھی۔

بڑی بے جگری سے لڑے۔ لیکن فتح مسلمانوں کو ہی ہوئی۔ اور یہ سب لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ طبری کی روایت ہے کہ اس جنگ میں مال غنیمت اس کثرت سے ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کو چھ چھ ہزار اور پیادہ کو دو دو ہزار ملے۔ حضرت علاء اسی دن بحرین کیلئے واپس روانہ ہو گئے اور بحرین پہنچ کر حضرت ابوبکر کو مشرودہ فتح کا خط لکھا اور جو حالات گزرے تھے سب از اول تا آخر لکھے۔ اب یہاں مرتدین اور باغیوں کی طاقت مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی جو بچ رہے ہیں سب مسلمان ہو گئے۔ کسی نے خبر اڑادی کہ بنو شیبان حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں لیکن یہ محض افواہ تھی۔ حضرت علاء نے تحقیق کی تو اس کی کوئی اصلیت نہ تھی لے

جنگ بحرین کی اہمیت اگرچہ اس جنگ کا نمبر جنگ یمامہ کے بعد ہے۔ لیکن بعض خاص اعتبارات سے یہ جنگ یمامہ سے بھی زیادہ اہم تھی۔ یمامہ میں صرف ایک قوم اور ایک گروہ سے واسطہ تھا لیکن بحرین چونکہ خلیج فارس پر واقع تھا۔ ایران کی حکومت کے ماتحت تھا اور یہاں ہندوستان اور ایران کے تاجر آباد تھے جنہوں نے فرات کے دامن سے عدن تک اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، اس بنا پر اسلام کی یہ جنگ صرف کسی ایک قوم سے نہیں تھی۔ بلکہ بین الاقوامی تھی۔ اور پھر چونکہ ان لوگوں میں عیسائی بھی تھے اور یہودی بھی آتش پرست بھی تھے۔ اور بت پرستی بھی اس لئے اس جنگ کو بین المذاہبی جنگ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو شاندار فتح ہوئی اور اثرات و نتائج کے علاوہ اس کا اثر یہ بھی ہوا کہ جزیرہ نما عرب کے شمال مشرق میں ایرانی حکومت نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا جو جال بھیل رکھا تھا اس کا تار و پود بکھر گیا اور مسلمانوں کے لئے عراق کی فتح کا راستہ کھل گیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

عمان و ہمد

عمان بحرین سے قریب ہی بحر ہند کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں زیادہ آبادی قبیلہ ازد کی تھی۔ لیکن دوسری قومیں بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ شہد میں آنحضرتؐ نے حضرت ابو زید انصاری کو جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے تبلیغ اسلام کیلئے بھیجا جعفر اور عبید جو یہاں کے امیر تھے ان کے نام عمرو بن العاص کے ذریعہ ایک مکتوب والا ارسال فرمایا جعفر اور عبید دونوں نے اسلام کی دعوت کو لبیک کہا اور پھر ان کی دعوت پر باقی عرب بھی مسلمان ہو گئے۔

لیکن جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو ازد سب مرتد ہو گئے۔ لقیط بن مالک ذوالتاج جس نے اس زمانہ کی عام ہوا کے مطابق نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ان مرتدین کا قائد تھا اس نے عمان پر قبضہ کر لیا۔ اور جعفر اور عبید کو مجبوراً پہاڑوں پر پناہ لینا پڑی حضرت ابو بکر کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے حذیفہ بن محسن اور عرقمہ بن ہرثمہ کو عمان کے محاذ پر روانہ کیا اور ان کے عقب میں عکرمہ بن ابی جہل کو بھیجا جو یمامہ کی جنگ میں شکست کھا چکے تھے۔ حذیفہ اور عرقمہ ابھی عمان پہنچے بھی نہیں تھے کہ عکرمہ ان سے آئے۔ عمان کے قریب پہنچ کر ان حضرات نے جعفر اور عبید کو اپنی آمد کی خبر کی اور یہ بھی اسلامی فوج سے آکر مل گئے۔ اب اسلامی فوج نے عمان کے دارالسلطنت مقام صحار میں پڑاؤ ڈالا اور ادھر لقیط بن مالک اپنی فوج لئے مقام دبا میں پڑا تھا۔ آخر مسلمانوں نے پیش قدمی کر کے لقیط پر حملہ کیا۔ بڑا سخت قسم کا معرکہ ہوا۔ جنگ کے پہلے دور میں دشمن کا پتہ بھاری نظر آتا تھا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں اضطراب و تشویش کی لہر دوڑ گئی کہ اسی اثناء میں خربت بن راشد بنوناجیہ کا لشکر اور سیمان بن صوحان بنو عبد القیس کی ایک بڑی جمعیت لئے ہوئے پہنچ گئے۔ اچانک اس غیبی امداد کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل بڑے مضبوط ہو گئے اور انہوں نے پختہ تر اہل کرا اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۸۳ لے ابن اثیر نے عبید کا نام عیاذ لکھا ہے۔ ج ۲ ص ۲۸۵

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس معرکہ میں دشمن کی فوج کے دل سزا آدمی قتل ہوئے۔ اور بہت بڑی تعداد میں مال غنیمت ہاتھ آیا اس کا پانچواں حصہ حضرت عرقمہ کے ہاتھ مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ اور حضرت حذیفہ یہاں کے انتظام اور دروہست کی غرض سے عمان ہی میں قیام پذیر رہے۔ اب رہے عکرمہ بن ابی جہل تو وہ ایک لشکر کشی کے ساتھ ہرہ چلے گئے یہاں ہرہ میں دو گروہ تھے جو آپس میں ایک دوسرے کے رقیب و حریف تھے۔ ایک گروہ کا سردار ایک شخص سخریت نامی تھا۔ اور دوسرے گروہ کا امیر مصبح نام کا ایک شخص تھا جو بنو محارب سے تعلق رکھتا تھا۔ ان دونوں میں مصبح کا گروہ نسبتاً زیادہ طاقتور اور بااقتدار تھا۔ اب حضرت عکرمہ نے سیاسی چال یہ چلی کہ جو گروہ کمزور تھا اس کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی چنانچہ اس مقصد کیلئے سخریت سے گفت و شنید کی۔ سخریت نے بڑی خوشی سے عکرمہ کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گیا۔ اب عکرمہ نے مصبح کو دعوت اسلام دی۔ لیکن وہ اپنی طاقت پر نازاں تھا اس لئے یہ دعوت قبول نہیں کی عکرمہ نے اعلان جنگ کر دیا۔ شدید قتال کے بعد مصبح شکست کھا گیا اور قتل کر دیا گیا جو لوگ اسلام کی شمشیر خارا شکاف سے بچ رہے تھے مسلمان ہو گئے۔

یمن

پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرتؐ کی حیات ہی میں اسود غنی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر کے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی تھی اور چند روز کے بعد ہی اس کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ اسود غنی کے قتل ہو جانے کے بعد یمن میں سخت قسم کی طوائف الملوکی اور لاقانونیت پیدا ہو گئی یہاں تک کہ مسلمانوں کو اپنی جان اور عزت کا محفوظ رکھنا دشوار ہو گیا۔ اسود غنی کے فوج کے سردار تھے کہ صنعا اور عدن کے درمیان گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور جوجی میں آتا تھا کرتے تھے۔ اسود غنی کے ساتھیوں کے علاوہ عرب کا مشہور بہادر اور شہسوار عمرو بن معدیکرب اور قیس بن عبد یثوث یہ دونوں بھی آنحضرتؐ کی خبر وفات سنتے ہی مرتد

ہو گئے تھے اس بنا پر پورے یمن میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور مدینہ اور یمن کا درمیانی راستہ تک خطرناک ہو گیا تھا۔ آنحضرتؐ کی طرف سے جو عمال اور امراء مقرر تھے انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اصل صورت حال سے مطلع کیا۔ فیروز دہلیمی جس نے اسود غنی کو قتل کیا تھا۔ اپنا سہ تعلق رکھتا تھا جو اگرچہ ایرانی النسل تھے لیکن مدت سے یمن میں آباد ہو گئے تھے اور یہاں اچھا خاصا اقتدار رکھتے تھے اس بنا پر یہ تمام باغی اور فتنہ پردازان اپنا کے خاص طور پر دشمن تھے اور انکو یمن سے جلا وطن کرنا ارادہ کئے ہوئے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو اپنے فیروز دہلیمی کو یمن میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور عذری مران سعید ذی ذود۔ ذوالکلاع الحیرمی اور حویشب ذی ظلم وغیرہم جو یمن کے بااقتدار لوگ تھے اور اسلام پر قائم تھے ان سب کو حکم بھیجا کہ وہ فیروز کی اطاعت کریں اور ان کیساتھ پورا تعاون کریں۔ فیروز دہلیمی نے بنو عقیل بن ربیعہ اور بنو عک وغیرہما قبائل جو اسلام پر قائم تھے انکو اپنے ساتھ لیکر صنعاء سے باہر قیس بن عبد یوث بن مکشرح کا سخت مقابلہ کیا اور اپنا جن کو وہ جلا وطن کرنے پر تلا ہوا تھا انہیں قیس کے پنجہ ظلم سے نجات دی۔ یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت اور حکم کے مطابق ایک طرف ادھر شمال سے مہاجر بن ابی امیہ اور ان کے بعد ہی عکرمہ بن ابی جہل عمان و مہرہ کی مہم سے فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ اب مسلمانوں کی طاقت اس قدر زیادہ اور مضبوط تھی کہ انکا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ معمولی سی جھڑپوں کے بعد ہی قیس شکست کھا گیا اور گرفتار ہو گیا۔ اور عمرو بن معدیکرب کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے خود اپنے آپکو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ مہاجر بن ابی امیہ نے ان دونوں کو مدینہ روانہ کیا جہاں حضرت ابو بکرؓ کیساتھ معمولی سی گفتگو اور ان کی فہمائش کے بعد دونوں پھر مسلمان ہو گئے اور عراق و شام کی مہم میں شریک ہوئے۔ اب مہاجر صنعاء میں آکر مقیم ہو گئے اور عکرمہ نے جنوبی یمن قیام کیا اور اس طرح پورا یمن فتنہ و فساد سے پاک و صاف ہو کر پھر گہوارہ امن بن گیا۔

یہ یمن کی اہمیت اس مہم کی سب سے اہم اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ فیروز الدہلیمی۔ داؤد بن اور دوسرے اپنا یہ سب اگرچہ یمن میں آئے تھے لیکن ایرانی النسل تھے اس بنا پر اگرچہ

قیس بن مکشوح مسلمان تھا اور اسود غنی کے قتل کے مشورہ میں بھی شریک تھا لیکن ان سب باتوں کا وجود حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب فیروز کو اپنا نائب مقرر کیا تو اس کی عربی عصیت کی رگ غیرت و حمیت بھڑک اٹھی اور یہ مرتد ہو گیا اسکے بعد اس نے ایک جمعیت اپنے ارد گرد فراہم کر کے ان ایرانی النسل متوطنین یمن سے یمن کو پاک و صاف کرنے کا ایک منصوبہ باندھا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس کا یہ منصوبہ ناکام بنا دیا۔ اس طرح گویا تاریخ اسلام میں یہ سب سے پہلا واقعہ ہے جب کہ عربی عصیت کے سر پر عمل ایک ضرب کاری لگا کر اسکا انحط و مساوات کی مثال قائم کی گئی اس کا اثر جہاں عربوں پر یہ ہوا کہ انکی آنکھ کھل گئی غیر عربی قوموں پر یہ ہوا کہ ان کیلئے اسلام میں زیادہ کشش پیدا ہو گئی۔ قیس بن مکشوح کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک ایک ایرانی النسل مسلمان داؤد بن کے قصاص میں چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن چونکہ قیس نے یہ قتل خفیہ طور پر کیا تھا اور اس کے ثبوت کے لئے کوئی شہادت نہیں مل سکی اس لئے یہ قتل نہیں کیا جاسکا پھر ارتداد سے توبہ کر لینے پر معاف کر دیا گیا۔

کندہ و حضرموت

کندہ اور حضرموت بھی یمن سے قریب ہیں آنحضرتؐ کی طرف سے ان دونوں جگہوں کے گورنر (عال) زیاد بن لبید اللہ انصاری تھے جن کا کام صدقات کے جمع کر نیکے علاوہ اسلامی احکام و مسائل کی تعلیم و تبلیغ بھی تھا۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کے دوسرے قبائل مرتد ہوئے تو اہل کندہ و حضرموت بھی اس گمراہی سے محفوظ نہیں رہے۔ اشعث بن قیس کندہ کا نہایت معزز اور نامور شخص تھا، شاہ میں کندہ کے انسی آدمیوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا تھا کہ یہ اور اس کے سب ریشمین لباس پہنے ہوئے تھے اشعث اسلام قبول کیا لیکن اب کندہ اور حضرموت میں جو ارتداد پیدا ہوا اسکی قیادت بھی اسی کے ہاتھ میں تھی۔ زیاد بن لبید اللہ انصاری نے مقابلہ کیا لیکن جم نہ سکے اتنے میں مہاجر بن امیہ اور عکرمہ دونوں یمن سے یہاں پہنچ ہی گئے حضرت مہاجر نے عکرمہ کو توڑ دیا اور خود ایک لشکر لیکر زیاد بن لبید سے ملے اور پھر دونوں نے پیش قدمی کر کے

نجر الذیرقان نامی ایک مقام پر اشعث بن قیس کو چیلنج کیا۔ دونوں فوجوں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی اشعث جم نہیں سکا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کیساتھ بھاگ کر قلعہ النجیر میں پناہ لی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا اسلامی فوج قلعہ کا محاصرہ کر کے پڑ گئی جب محاصرہ طویل ہوا اور سامان رسد وغیرہ کا ہونا بھی مسدود ہو گیا تو آخر جان کی بازی لگا کر یہ سب باہر نکل آئے اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑے لیکن اس درمیان میں حضرت عکرمہ بھی اپنی فوج لیکر آگئے تھے اس لئے اشعث بن قیس نے انکو درمیان میں ڈاکر حضرت ہاجر سے پناہ طلب کی مایہ پناہ تو آدمیوں کے لئے طلب کی گئی تھی لیکن اشعث کچھ ایسا بدحواس تھا کہ جب اُس نے ان آدمیوں کے ناموں کی فہرست پیش کی تو اس میں خود اپنا نام لکھنا بھول گیا۔ اس بنا پر قلعہ کے ان نو آدمیوں کو جن کے نام درج فہرست تھے امن دیدیا گیا۔ اور اشعث گرفتار کر کے مدینہ بھیجا گیا یہاں حضرت ابو بکر اور اشعث میں طویل گفتگو ہوئی جس میں اشعث نے دوبارہ مسلمان ہونے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کا اقرار و اعتراف کیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے معاف کر دیا۔ اشعث بن قیس جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی بہن ام فروہ سے نکاح کرنے کی درخواست کی تھی لیکن اس وقت نکاح نہیں ہو سکا تھا۔ اب ارتداد سے تائب ہونے کے بعد انہوں نے پھر اپنی اس خواہش کا اعادہ کیا تو حضرت ابو بکر نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ اور بہن کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس کے بعد ان کا قیام مع متعلقین کے مدینہ میں ہی رہا اور عراق و شام کی مہمات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لے کندہ و حضرت موت کی یہ جنگ حروب ارتداد و بغاوت کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس پر ان کا خاتمہ ہو گیا اور پورا عرب اسلام کے علم کے نیچے آگیا۔ ان جنگوں میں بہت سے لوگ باندی غلام بھی بنائے گئے تھے لیکن حضرت عمر فاروق نے فدیہ لے کر ان سب کو آزاد کر دیا اور فرمایا ”یہ بات عرب کیلئے بہت بُری ہے کہ ان میں سے کوئی کسی کا مملوک ہو“ عہد اسلام میں جو لوگ باندی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ نے صرف انہیں کے ساتھ نہیں بلکہ عہد جاہلیت کے باندی غلاموں کو بھی آزاد کر دیا لے

حروب ارتداد و بغاوت پر ایک نظر

حضرت ابو بکر صدیق کے مسند آرائے خلافت ہوتے ہی پورے عرب میں ارتداد و بغاوت کا طوفان جب زور شور سے اٹھا تھا تو تمہیں یاد ہوگا۔ اس وقت مدینہ کی حالت کیا تھی؟ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی زبانی تم سن آئے ہو کہ مدینہ میں جو مسلمان تھے انکی حالت اس بکری کی مانند تھی جو سخت سردرات میں بارش میں بھیگی کھڑی ہو۔ اسلام دشمنی اور دین محمدی کی مخالفت کے ایک ہمہ گیر آگ تھی جس کے شعلے شمال میں حدود شام اور البحر رة تک جنوب میں بحر ہند کے کناروں تک مشرق میں عراق عرب اور خلیج فارس تک اور مغرب میں بحر احمر کے سوا حل اور تنگنائے باب المندب تک پھیلے ہوئے تھے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایک سال سے بھی کم مدت میں مجاہدین اسلام نے کس طرح تعداد ساڑہ سامان اور اسلحہ مراعتبار سے اقلیت میں ہونے کے باوجود شر و فساد کی ان تمام طاقتوں کو فنا کر کے دینِ قیم کی فتح و ظفر کا پرچم لہرایا اور پورے جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے لا کر کھڑا کر دیا۔ یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے کہ اسی سے انسانی تہذیب و معاشرت کلچر اور فکر و نظریں وہ عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا جس کا داعی اسلام تھا۔ ورنہ اگر خدا نخواستہ اسلام خود اپنے وطن میں گھٹ کر رہ جاتا تو باہر کی دنیا پر اس کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ اس انقلاب کا ہیرو اور لیڈر کون ہے؟ وہی ابو بکر صدیق جن کی رقت قلب کا یہ عالم تھا کہ حضور پر نور کی جگہ نماز کی امامت کو کھڑے ہوئے تو آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی لیکن آج بھی وہ رفیق القلب انسان ہے جو خون کی روشنائی سے اسلام کی عظمت و حقانیت کی دستاویز مرتب کر رہا ہے شدت و رقت۔ قہر و مہر اور رحم و تشدد کا یہ لطیف امتزاج ایک انسانِ کامل جس کی سیاست سترپا سیاست محمدی ہو اس کے سوا اور کس میں ہو سکتا تھا رضی اللہ عنہ۔

اس فتنہ کا استیصال جس تیزی اور قوت کیساتھ ہوا ہے اس پر مستشرقین کو سخت حیرت ہے۔ چنانچہ کیتانی کا خیال ہے کہ ان تمام جنگوں سے فراغت ایک سال میں نہیں بلکہ دو سال میں ہوئی ہوگی لہٰذا لیکن درحقیقت یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ تمام مورخین لکھتے ہیں کہ ۱۲ھ کے آغاز میں حضرت ابوبکرؓ نے شام و عراق کی مہم شروع کر دی تھی اور یہ ناممکن تھا کہ اندرون عرب استحکام و استقلال حاصل کئے بغیر وہ کسی اور طرف توجہ کرتے۔

اصل یہ ہے کہ حروبِ ارتداد کا ایک طویل سلسلہ وسیع و عریض محاذِ جنگ اور عربِ قبائل کا تہر و سرکشی ان سب چیزوں کی وجہ سے کیتانی اور اس کے ہم خیال مستشرقین کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اس محاذِ جنگ کا قطعی فیصلہ ایک برس کی قلیل مدت میں کیونکر ہو گیا ہو گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فتوحاتِ عراق و شام کا سلسلہ بھی تو جیسا آگے چل کر معلوم ہو گا۔ کافی دراز و وسیع ہے اور پھر یہاں تو مقابلہ رومی اور ایرانی اس وقت کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے تھا۔ پس اگر حروبِ ارتداد کی انجام دہی میں دو برس لگے تو اس حساب سے عراق و شام کی فتوحات میں بھی کم از کم دو ہی برس لگنے چاہئیں۔

حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کی ہمدت خلافت ہی کل سوادِ برس ہے اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ بالکل بعید از قیاس بات ہے کہ حروبِ ارتداد کے ساتھ ساتھ فتوحاتِ عراق و شام کی مہم بھی جاری ہو۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پروفیسر فلپسٹی کی رائے میں ان تمام اندرونی لڑائیوں کا خاتمہ صرف چھ مہینہ کی قلیل مدت میں ہی ہو گیا تھا کہ

لہٰذا انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۱۱۰ جدید ایڈیشن لے ایک مشہور اطالوی مستشرق جس کی کتاب ANNALS OF ISLAM اطالوی زبان میں ہے۔ لے دیکھو ہسٹری آف دی

ایس ایڈیشن ۱۹۴۹ء ص ۱۲۱

فتوحات

تیسری صدی عیسوی میں عرب کے شمال میں بازنطینی سلطنت قائم تھی جو شام پر قابض تھی اور اس کے مشرقی سرحد پر جو عراق سے ملتی تھی ایرانی حکومت کا پرچم ہمارا ہوا تھا۔ صحراۓ شام ان دونوں کے درمیان حد فاصل تھا۔ دونوں حکومتیں آپس میں ایک دوسرے کی رقیب تھیں اور ان میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ عراق اور شام ان دونوں ملکوں کی سرحدیں چونکہ عرب سے ملتی تھیں اس لئے عرب کے خانہ بدوش اور بدو قبائل ان ملکوں میں گھس کر لوٹ مار مچاتے رہتے تھے جس کے باعث دونوں سلطنتوں کا ناک میں دم تھا اس بنا پر ان دونوں نے عقل مندی یہی کی بفر اسٹیٹ (BUFFER STATE) کے طور پر عربوں کو اپنے اپنے ملک کی سرحدوں پر آباد کر کے ان کی اپنی باقاعدہ ریاستیں قائم کر دیں تاکہ اس طرح وہ عربوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور ساتھ ہی جب ایرانی اور بازنطینی حکومتوں میں جنگ ہو تو ہر ایک کی دست پروردہ عرب حکومت اس کی مدد کر سکے۔ ساسانی حکومت کے ماتحت جو عرب حکومت قائم ہوئی۔ وہ حکومت حیرہ یا نخعی حکومت کہلاتی ہے اور شام کی سرحد پر قیصر روم کے زیر سایہ جو عرب حکومت بنی اس کا نام غسانہ ہے۔

حکومت حیرہ کا پہلا بادشاہ مالک بن فہم از دی تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا جزمیۃ البرش تخت نشین ہوا۔ یہ جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ عربی تاریخ و ادب میں اس سے متعلق بہت سی کہانیاں اور روایتیں مشہور ہیں۔ جزمیۃ زبارة نامی ایک عورت کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا بھانجہ عمرو بن عدی اس کا قائم مقام ہوا۔ اس نے زبارة سے اپنے ماموں کا انتقام لیا اور حیرہ کو جو کوفہ سے متصل ہے۔ اپنا دارالسلطنت بنایا اور

عراق کا بادشاہ کہلایا۔ لیکن اسی زمانہ میں ایران میں اردشیر بن بابک نے ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عربوں کے مدد سے اپنا باج گزار بنالیا۔ یہ صورت حال اس خاندان کے آخری بادشاہ منذر کے زمانہ تک قائم رہی جس کا خاتمہ ۶۳۲ء میں ہوا۔

شاہ پور بن اردشیر نے حجاز اور یمن کو بھی باج گزار بنالیا۔ اور امراء القیس کندی کو ان صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔

لیکن چونکہ اول تو محکوم رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اور پھر ساسانی حکومت کا ان عربوں کیساتھ معاملہ بھی تحقیر و تذلیل کا تھا۔ اس لئے عربوں کو جب کبھی موقع ملتا تھا ساسانی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے تھے چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب ایران کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور عراق کے متعدد صوبوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ سابور اس وقت کم سن تھا۔ بڑے ہو کر اس نے عربوں سے اس طرح انتقام لیا کہ مقام ہجر میں پہنچ کر سخت خوں ریزی کی اور جو عرب گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے شانے اکھڑا دیتا تھا۔ اسی سے اس کا لقب ذوالاکتاف ہو گیا۔

ایران میں مزدک کے زیر اثر بے حیائی اور بے شرمی عام ہو گئی تھی۔ انہیں مزدکی اثرات کا نتیجہ تھا کہ خسرو پرویز نے حیرہ کے بادشاہ نعمان سوم ابو قابوس سے اس کی خاندان کی حسین عورتوں کا مطالبہ کیا اور جب نعمان نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا تو اس کو مدائن بلا کر قید میں ڈلوادیا۔ جہاں طاعون سے اس کا انتقال ہو گیا۔ نعمان نے اپنے بیٹے قیامت السلطنہ بکر کے ایک شخص ہانی بن مسعود کے پاس بطور امانت رکھ دئے تھے۔ نعمان کی گرفتاری کے بعد خسرو پرویز نے حیرہ کا فرماں روا بنو طے کے ایک شخص ایاس بن قبیصہ کو بنادیا۔ خسرو پرویز کے حکم سے ایاس نے ہانی نعمان کی اس امانت کا مطالبہ کیا۔ لیکن جب ہانی نے امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ کو سخت غصہ آیا اور اس نے ذی قار نامی ایک مقام پر بنو بکر کا خاتمہ کر دینے کی غرض سے ایک لشکر جرا بھیجا بنو بکر اپنی ضد پر قائم تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے زور کا معرکہ ہوا اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

لے تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۶۸ لے اس واقعہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

آنحضرتؐ ان دنوں مدینہ میں تشریف رکھتے تھے آپ کو ایرانیوں کی شکست کا علم ہوا تو تو فرمایا۔

اليوم انتصف العرب من العجم لے آج عرب نے عجم سے اپنا بدلہ لے لیا۔ تاریخ عرب میں "یوم ذی قار" کی بڑی اہمیت ہے۔ شعراء نے بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے لکھے ہیں۔

سنہ ۶۳۷ء میں آنحضرتؐ نے جہاں اوروں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تھے ایک خط شاہ ایران کے نام بھی بھیجا تھا۔ لیکن شاہ ایران نے اس نامہ مبارک کے ساتھ بڑی بے ادبی اور گستاخی کا معاملہ کیا اسے پڑھے بغیر سی چاک کر دیا اور نامہ بر کو دربار سے نکلوا دیا۔ اس کے علاوہ یمن کے گورنر باذان کو حکم بھیجا کہ وہ آنحضرتؐ کو گرفتار کر کے ایران کے پایہ تخت مدائن روانہ کر دے۔ آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔

هلاک کسری ولا کسری ہلاک ہو گیا۔ اور اس کے بعد کسری بعدہ کوئی کسری نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شیروین نے اپنے بات خرد پرویز کو قتل کر دیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر باذان خود مسلمان ہو گیا۔ لے

اس کے علاوہ تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی ایرانی حکومت کے اشارہ پر سجاح مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے ایک لشکر جبار کیساتھ آئی تھی۔ ان سب واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عرب اور ایران کے تعلقات بہت پرانے تھے اور ایرانی ہمیشہ عربوں کو دبا کر رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اور دنیا کی عام شہنشاہیتوں کی طرح اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے خود عربوں کے ہی ایک قبیلہ مثلاً بنو عبد القیس کو دوسرے قبیلہ مثلاً بنو بکر کے خلاف استعمال کرتے تھے جس کا اثر یہ تھا کہ عربوں میں قومی وحدت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔

لے تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۲۶۸ لے اس واقعہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

ایرانی حکومت کو اسلام سے جو خاص پر خاش تھی اس کی وجہ بھی یہی تھی یہ لوگ سمجھتے تھے کہ اسلام سے وابستہ ہو کر عرب ایک منظم اور مضبوط طاقت بن رہے ہیں اور یہ طاقت انہی شہنشاہیت کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ اس بنا پر جزیرہ نمائے عرب کی مشرقی سرحد اس وقت تک محفوظ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک کہ عراق کے عربوں کو ایران کی شہنشاہیت کے جوئے سے آزاد نہ کر لیا جاتا اور ظاہر ہے یہ مقصد ایران کے ساتھ جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے۔

”سرحد پر جو مسلمان دستے تھے عراق اور شام کے لوگ جب ان سے متصادم ہوئے تو قیصر روم اور کسری ایران دونوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں کی مدد کی اس بنا پر جنگ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور اسلام کو مشرق اور مغرب کی طاقتور حکومتوں سے مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا“ لے

ایک طرف ایران کے ساتھ عرب کے یہ تعلقات تھے۔ اور دوسری جانب شام کے ساتھ تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ شروع میں بنو قضاہ کے چند قبیلے وہاں جا بسے تھے وہاں رومیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے انہیں لوگوں میں سے ایک سردار کو ان کا حاکم مقرر کر دیا اور غرض وہی تھی کہ ایک طرف وہ خانہ بدوش عرب قبائل کی لوٹ مار سے محفوظ رہیں اور دوسری جانب ایران اور روم کے درمیان ایک بفر اسٹیٹ کا کام دیں اور ان سرداروں کو ملوک کہا جاتا تھا سداً رب کے ٹوٹنے سے قبل عسائی قبیلہ مین سے ہجرت کر کے یہاں پہنچا اور آباد ہو گیا۔ عسائیوں نے کچھ دنوں بعد اس درجہ طاقت و قوت حاصل کر لی کہ یہ بنو قضاہ پر غالب آ گئے اور اب رومیوں نے ان کو ہی ملوک تسلیم کر لیا۔ ان کی مدت حکومت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح وہ ہے کہ

لے The Khilafat, its Rise, Decline And Fall Page 46.

لے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بنو عسائی عمر بن عامر الزلفیہ کی اولاد میں تھے۔ عمر بن عامر کے ایک بیٹے کا نام جفہ تھا۔ اس کی نسبت سے یہ لوگ آل جفہ کہلاتے تھے۔ عسائی دراصل ایک جشمہ کا نام تھا جس پر یہ لوگ ایک عرصہ تک مقیم رہے تھے۔ اس تقریب سے ان کا نام آل عسائی یا بنو عسائی پڑ گیا۔

جو ابو الفدا نے لکھا ہے یعنی چار سو برس۔ کیونکہ عسائی دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں شام پہنچے ہیں۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبیلہ بن الایہم تھا۔ جو حضرت عمر کے زمانہ میں پہلے مسلمان ہوا۔ اور پھر مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ جرجی زیدان کے نام ل فناة عسائی میں اسی جبیلہ کا تذکرہ ہے۔

عراق میں ملوک حیرہ کا جو حال تھا۔ وہ ہی ان عسائی کا تھا، کہنے کو خود مختار اور صاحب حکومت تھے لیکن درحقیقت رومیوں کی باج گزاری کا حلقہ ان کے کانوں میں پڑا ہوا تھا۔ اور رومی حکومت ان کے ساتھ سخت تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرتی تھی جس کا اعتراف سر ولیم میور جیسے مصنف تک نے کیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

”شام کے لوگ بارنطینی حکومت کے ماتحت طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے تھے اختلاف مذہب کی بنا پر ان کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

بھاری بھاری ٹیکس ان سے وصول کئے جاتے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر جب مسلمان عربوں نے شام پر حملہ کیا تو یہ شامی عرب صرف تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہے کیونکہ ان کو عرب حملہ آوروں سے جو زیادہ نرم برتاؤ کرتے تھے اور جن میں زیادہ رواداری اور رحم دلی تھی۔ بہت کچھ توقعات تھیں لے مشہور جرمن مصنف وان کریم (Von Kramen) نے اسی حقیقت کو اور زیادہ صاف لفظوں میں کہا ہے۔

”جو عرب عرصہ دراز سے شام اور عراق میں آباد تھے چونکہ یہ عرب مسلمانوں کے ہم نسل ہم قوم اور ہم زبان تھے۔ اس لئے انہوں نے حملہ آور عربوں کی مدد صرف پیچھے چھری نہیں بلکہ علی الاعلان کی۔ ان عراقی اور شامی عربوں نے صرف جاسوسی کی خدمات انجام نہیں دیں بلکہ بسا اوقات میدان جنگ میں بھی ان کا ساتھ دیا۔“ لے

لے The Caliphate its Rise, Decline And fall. P. 65

لے The orient Under The Caliphs: Translation

By Prof Khuda Bahsh P: 92,

جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور اس کے ذریعہ عربوں میں قومی تنظیم پیدا ہوئی اور انہوں نے عظیم سیاسی طاقت حاصل کر لی تو حکومت ایران کی طرح بیز لطینی حکومت کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوا اور اس خطرہ سے محفوظ رہنے کیلئے اس نے انہیں عربوں کو استعمال کیا جو حدود شام میں آباد تھے چنانچہ سہ ماہ میں جب آنحضرتؐ نے دعوت اسلام کا خط قیصر روم ہرقل کے پاس حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ بھیجا اور وہ واپس آتے ہوئے مقام جناب میں پہنچے تو انہیں شامی عربوں نے حضرت دحیہ کلبی پر حملہ کر دیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب آنحضرتؐ نے بصری کے حاکم کو ایک خط لکھا اور حارث بن عیسٰی کو لکیر گئے تو نثر جیل بن عمرو جو شام کے سرحدی علاقہ کا ایک رئیس حکمران اور قیصر کے ماتحت تھا اس نے حضرت حارث کو قتل کر دیا اس کا انتقام لینے کیلئے آنحضرتؐ نے تین ہزار فوج شام روانہ کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت زید بن حارثہ جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہؓ جو اکابر صحابہ میں سے تھے اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ اس سے رومیوں کا حوصلہ بڑھا اور وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ اُس حضرتؐ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ بہ نفس نفیس ایک لشکر جرار لکیر مقام تبوک کی طرف بڑھے اور اگرچہ اس وقت جنگ نہیں ہوئی لیکن مسلمانوں کی روز افزوں طاقت رومیوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور وہ برابر کوئی نہ کوئی شوشہ چھورتے ہی رہتے تھے۔

تم پڑھ آئے ہو کہ وفات سے چند روز پہلے آنحضرتؐ نے حضرت اسامہؓ کے ماتحت جو لشکر بھیجا تھا وہ اسی حفظہ مقدم کیلئے بھیجا تھا اس لشکر کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ہزار مشکلوں کے باوجود پہلا کام یہی کیا کہ اس لشکر کو حدود شام کی طرف روانہ کیا، ولیم میور کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل انتہائی سیاسی دانش مندی پر مبنی تھا کیونکہ اس نے اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے دل پر اسلام کی سیاسی طاقت و قوت کی دھاک بٹھادی ہے۔

اور پریم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح ہوا ہو گا کہ مسلمان درحقیقت اس وقت ایران اور

روم دو طاقتور دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے جو اسلام کیلئے مستقل خطرہ ہونے کے علاوہ خود عربی قومیت کے اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اس بنا پر جب تک ان دونوں حکومتوں کی سرکوبی نہ کی جاتی نہ اسلام کو پھیلنے اور بڑھنے کا موقع مل سکتا تھا نہ عربی قومیت مستحکم اور مضبوط ہو سکتی تھی اور نہ عراق اور شام کے عرب قبائل کو ان دونوں حکومتوں کی غلامی اور ان کے حقارت آمیز برتاؤ سے نجات مل سکتی تھی۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے دو مجاہد نے جس پیمانہ پر لشکر شام کی طرف روانہ کیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ عرب قبائل میں امن اپنی سرحدوں کو وسیع کیے بغیر قائم ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ان بیانات سے ان یورپین مصنفین کی بھی تردید ہوتی ہے جو عراق و شام پر اسلامی لشکر کی پیش قدمی کا سلب یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ عرب طبعاً جنگ جو تھے اور حروب ارتداد سے فارغ ہونے کے بعد اندیشہ تھا کہ پھر کہیں اور کسی طرف سے بغاوت کا شغل نہ بھڑک اٹھے اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مشغول رکھنے کیلئے ان کا رخ ان ملکوں کی طرف پھیر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ اقدام صرف اسی غرض سے تھا تو اس میں کوئی جان نہ تھی اور اس صورت میں مسلمان ہرگز اس لائق نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں سے بیک وقت ٹکرا سکتے۔ انصاف پسند یورپین مصنفین نے خود اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کی یہ فتوحات کسی دنیوی لالچ اور طمع کا نتیجہ نہیں بلکہ اس اسپرٹ، بے خوفی اور بے جگرہی اور اس ڈسپلین کا نتیجہ تھیں جو اسلام نے ان کے اندر پیدا کر دیا تھا وان کر میر لکھتا ہے۔

درم کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ مدینہ سے جو معمولی سی فوجیں روانہ کی جاتی تھیں انہوں نے کس طرح بازنطینی اور ایرانی ہمسایہ شہنشاہیتوں کے مقابلہ میں عجیب و غریب کامیابیاں حاصل کیں، لیکن ہم کو یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اسلام نے پہلے زمانہ کے غیر منظم لوگوں میں ایک غیر مشروط اور مطلق اطاعت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا صرف یہی جذبہ تھا جس نے عرب مسلمانوں کو یونانی اور ایرانی خود غرضیوں کے مقابلہ

میں سوگنا زیادہ برتر بنادیا تھا لے
امریکی کا مشہور قاضی پروفیسر فلپ ہی لکھتا ہے۔

درحقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات گویا مشرق قریب کی اپنے دیرینہ اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی ایک کوشش تھی۔ اسلام کے جذبہ اور جوش کے ماتحت مشرق بیدار ہو گیا تھا اور اب وہ صدیوں کے مغربی تسلط و استیلا کے بعد پھر بھی انفرادیت قائم کرنے کی جدوجہد کر رہا تھا لے

غرضیکہ یہ اسباب تھے جن کے باعث ارتداد و بغاوت کا سرزمین حجاز و یمن سے خاتمہ کرنے کے بعد ہی فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ کی۔

عراق پر لشکر کشی

مسلمان مورخین عراق کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ عراق عرب اور عراق عجم۔ عراق عرب اس علاقہ کا نام ہے جو عرب سے متصل ہے۔ قرون وسطیٰ میں اس کا دارالسلطنت مدائن تھا بعد میں بغداد ہوا۔ کوفہ بصرہ اور واسط اس علاقہ کے مشہور شہر ہیں اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں صوبہ جزیرہ۔ جنوب میں خلیج فارس۔ جنوب مشرق میں خوزستان۔ مشرق میں عراق عجم اور مغرب میں صحرائے شام۔

اس وقت ایران میں جو حکومت قائم تھی وہ ساسانی خاندان کی تھی جس کا بانی اردشیر ابن تائب تھا۔ جس نے ملک میں طوائف الملوک کا خاتمہ کر کے لے ایک وحدت (UNIT) بنادیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۲۶ء کا ہے ساتھ ہی اس نے عراق اور اس کے ہمسایہ عرب شہروں پر قبضہ کر لیا اس کا لقب شہنشاہ تھا۔ اردشیر کے بعد حکومت ایران دست بدست اس کی ولادت میں منتقل ہوتی رہی۔ نو شیرواں جو اپنے عدل و انصاف کیلئے ضرب المثل ہے اور جس کے عہد میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اسی خاندان کا بادشاہ اس کے بعد ہرمز اس کا

۱۔ The orient under The caliphs P. 92

۲۔ "History of Th Arabs" 1949 Edition, P 143

جانشین ہوا۔ اور ہرمز کے بعد خسرو پرویز تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شہنشاہ ایران ہے جس کے نام آنحضرتؐ نے خط بھیجا تھا اور جس کا ذکر اور پر آچکا ہے۔ اس نے مکتوب گرامی کیساتھ گستاخی کی تھی اس کا ادبار اس پر ایسا پڑا کہ اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ شیرویہ ڈیڑھ برس کے قریب بادشاہ رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تاج و تخت کا مالک ہوا۔ لیکن چونکہ یہ کمسن تھا اس لیے ایک سردار فرج نے اس کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن چالیس روز کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اور اب شیرویہ کی بہن یوزدان تخت و تاج ایران کی مالک ہوئی اس کے بعد ملک میں اقلال پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس خاندان کا آخری فرماں روا یزدگرد تخت نشین ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر پیش قدمی اسی یزدگرد کے عہد حکومت میں کی ہے۔

فرج کشی کی ابتداء عراق کی مہم کا آغاز اس طرح ہوا کہ ثنی بن حارثہ الشیبانیؓ ایک صحابی تھے جو قبیلہ بنو بکر کے ایک سردار تھے۔ یہ قبیلہ بحرین میں رہتا تھا اور جب عام ارتداد کی ہوا چلی رہی تھی تو یہ بھی مرتد ہو گیا تھا لیکن حضرت ثنی چند ساتھیوں کیساتھ اسلام پر ثابت قدم تھا چنانچہ علاء الدین الحضرمی جو معرکہ بحرین کے ہیرو ہیں انہوں نے مرتدین بحرین کے مقابلہ میں جہاں دوسرے مقامی مسلمانوں سے مدد لی۔ ثنی کو بھی لکھا کہ وہ راستوں کی نگرانی کریں لے ثنی نے اس فرض کو بڑی خوبی کیساتھ انجام دیا اور آٹھ ہزار مسلمانوں کی ایک جمعیت کو اپنے ارد گرد جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بحرین کا معرکہ ختم ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ان کو ان کی قوم کا سردار بنادیا جائے تاکہ وہ اہل فارس سے اور ان کے اطراف و اکناف میں جو دشمن ہیں ان کے ساتھ جنگ کر سکیں حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی ان کے کارناموں کی جب شہرت سنی تھی تو دریافت کیا تھا کہ یہ ثنی کون ہیں، اس کے جواب میں قیس بن عاصم بن سنان المنقری نے کہا تھا کہ ثنی مشہور معروف النیب اور بہت مضبوط شخص ہیں لے، اس بنا پر اب ثنی نے خود بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی تو حضرت ابوبکرؓ کو کوئی سائل نہیں ہوا فوراً ان کو پروانہ مامارت لکھ کر عطا فرمادیا لے۔

۱۔ طبری ج ۲ ص ۵۲۶ لے الاصابہ ج ۲ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۰ لے بلاذری ص ۲۵۰

حضرت خالدؓ کی نامزدگی | لیکن حضرت ثنیٰ کے چلے جانیکے بعد حضرت ابو بکرؓ کو خیال ہوا کہ عراق کی مہم بہت اہم ہے اکیسے ثنیٰ سے سر نہ ہوگی اس لئے حضرت خالدؓ کو جو جنگ یمامہ سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ میں مقیم تھا لے حکم دیا کہ دس ہزار کالشکر لیکر عراق کا رخ کریں یہ واقعہ ۱۲ھ کا ہے ۲ اور ادھر ثنیٰ بن حارثہ اور مذعور بن عدی العجلی کو جنھیں حضرت ابو بکرؓ نے ان کی قوم پران کی درخواست کے مطابق امیر بنا دیا تھا، ہدایات بھیجیں کہ وہ حضرت خالدؓ کے ساتھ ساتھ کوچ اور قیام کریں اور پورے طور پر ان کے مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہیں، ان کے علاوہ حضرت عیاضؓ بن غم جو اس وقت بناج اور حجاز کے درمیان کسی مقام پر تھے ان کو بھی لکھا کہ حضرت خالدؓ کے پاس پہنچیں اور ان کی قیادت میں کام کریں۔

حضرت خالدؓ کو ہدایات | اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو جو ہدایات دی ہیں وہ خلیفہ رسولؐ کی فوجی مہارت، تدبیر اور غیر معمولی میدان مغزمی کی روشن دلیل ہیں آپ نے فرمایا (۱) عراق کا کوچ اس کی بلند زمینوں کے ذریعہ کریں۔ مورخین کو اس میں دھوکہ ہو گیا ہے چنانچہ طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت خالدؓ عراق کی نشیبی زمینوں کے ذریعہ کوچ کرنے کا حکم ہوا تھا اور حضرت عیاضؓ کو بلند زمینوں کے ذریعے، بہر حال ان سب کو جمع ہونا تھا البتہ کے مقام پر اور مقصد یہ تھا کہ مختلف فوجیں مختلف راستوں سے جائیں تو ہر طرف کی آبادی پر اثر پڑے۔

(۲) عراق کی سرزمین میں پہنچ کر لوگوں کی دلجوئی کریں اللہ کی طرف ان کو دعوت دیں اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو خیر! ورنہ ان سے جزیہ طلب کریں اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے۔

(۳) جو شخص ان کے (حضرت خالدؓ) ساتھ جالے کیدنے تیار نہ ہو، اس پر جبر نہ کریں۔

(۴) جو لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ مگر اب پھر مسلمان ہو گئے ہیں ان سے کسی قسم کی کوئی مدد طلب

لے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خالدؓ یمامہ ہی میں تھے اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کو یہ حکم دیا تھا لیکن عراق کی مہم کی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ کی سیاست اور تدبیر سے بعید تھا کہ وہ حضرت خالدؓ کو بالا بھیج دیتے اس لیے ہم نے مدینہ والی روایت کو اختیار کیا ہے ۲ ص ۲۵۰

نہ کریں۔

(۵) ان کے علاوہ جو مسلمان ان کے پاس سے گزرے اس کو ہمراہ لے لیں لے (۵) البتہ کی اہمیت | ساتھ ہی حکم دیا تھا کہ اپنی جنگی کاروائیوں کا آغاز البتہ طے کریں۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ البتہ میں شاہ ایران کا تمام میگنیز جمع تھا اور اس بنا پر اس کی حیثیت فوجی جھاوٹی کی تھی اس کے علاوہ آب و ہوا اور کاروبار تجارت کے اعتبار سے نہایت عمدہ جگہ سمجھی جاتی تھی۔ مشہور امام لغت اصمعی کا قول ہے: ”دنیا میں جتنیں تین ہیں۔ غوطہ دمشق نہر بلخ اور البتہ“ اس کے علاوہ یہی وہ بندرگاہ تھی جس کے ذریعہ سے عرب اور ہندو سندھ میں تجارتی تعلقات قائم تھے اور ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں آنا جانا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے اس کو فرج الہند کہا تھا۔

عراق میں حضرت خالدؓ نے جو لڑائیاں لڑیں ان کی ترتیب کیا ہے؟ اس میں روایات اس قدر مختلف ہیں کہ کسی ایک نتیجہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے اب ہم جس ترتیب سے واقعات لکھیں گے وہ زیادہ تر طبری اور ابن اثیر کے بیانات پر مبنی ہے اور جنرلی ترمیم و تنسیخ کی گئی ترتیب تقریباً وہی ہے جو ان دونوں بزرگوں کے ہاں ہے۔

جنگ ذات السلاسل

عام مورخین کا رجحان یہ ہے کہ عراق میں جو پہلی جنگ لڑی گئی ہے وہ غزوہ حفر بایذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے۔

حفر بایذات فارس کے قریب اور کاظمی سرحد پر واقع ہے۔ مدینہ سے بصرہ تک اگر خط مستقیم کھینچ جائے تو حفر بایذات خط پر بصرہ سے پہلے واقع ہوگا۔ اس مقام کا حاکم ہرمز تھا۔

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۲۲ لے یہ مقام دجلہ بصرہ کے کنارہ پر خلیج فارس کے کونہ میں جو شہر بصرہ تک آتا ہے واقع ہے اور بصرہ چونکہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں آباد ہوا ہے اس لیے اس سے مقدم ہے۔ ۲۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۱ لے معجم البلدان یا قوت حموی ج ۱ ص ۹۷ مطبوعہ لیبزک۔

جو حکومت ایران کے ماتحت تھا۔ ایرانیوں میں یہ دستور تھا کہ جو شخص جس مرتبہ اور درجہ کا ہوتا تھا اس کے مطابق اس کی ٹوپی قیمتی ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ہرمز چونکہ یہاں کے امراء اور اشرف میں سب سے بڑا تھا اس لیے اس کی ٹوپی ایک لاکھ کی تھی۔ حفیر کے اطراف و جوانب میں سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے ہرمز کا معاملہ ان کے ساتھ نہایت بڑا تھا چنانچہ عرب خباثت نفس اور زشت خوئی کی ضرب المثل کے طور پر کہا کرتے تھے۔ یہ وہ شخص ہرمز سے بھی زیادہ خبیث یا اس سے بھی بڑا کافر ہے۔ اس باہمی عناد و منافرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان عرب قبائل کے بنی اعمام جو جزیرہ نمائے عرب میں مقیم تھے وہ جب کبھی موقع ملتا تھا ہرمز کے علاقوں میں گھس کر غارت گری کرتے تھے اور ہرمز ان کے ساتھ خشکی میں اور اہل ہند کے ساتھ بحر میں جنگ و پیکار کرتا رہتا تھا اس بنا پر حکومت ایران ہرمز کو اپنے ملک کے ناکوں کا محافظ و پاساں سمجھتی تھی۔

حضرت خالدؓ مدینہ سے دس ہزار کی فوج اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوئے تھے حدود عراق میں داخل ہوئے تو یہاں ثنی بن حارثہ آٹھ ہزار کی جمعیت کیساتھ ان کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ حضرت خالدؓ نے اب پوری فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور حکم دیا کہ وہ مختلف راستوں سے چل کر حفیر میں جمع ہو جائیں۔ ان تین حصوں میں سے ایک حصہ کے سردار ثنی بن حارثہ تھے۔ دوسرا حصہ عدی بن حاتم الطائی کی سرکردگی میں تھا۔ اور تیسرا حصہ خود حضرت خالدؓ کے ماتحت تھا۔ یہ تینوں لشکر دو اور تین دن کے فاصلہ سے روانہ ہوئے۔ سب کے آخر میں حضرت خالدؓ کی روانگی ہوئی۔ لیکن روانگی سے قبل حضرت خالدؓ نے ہرمز کے نام ایک خط روانہ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

فاسلم تسلموا واعتقد لنفسك
وقومك الذمة واقرا بالجزية
والا فلا تلومن الانفسك فقد
جئتكم بقوم يحبون الموت كما
تحبون الحياة، لے

تو اسلام لے آؤ محفوظ رہے گا ورنہ اپنے
قوم کیلئے ذمی ہونے کا یقین رکھو اور جزیرہ کا اقرار کر
ورنہ پھر تو اپنے نفس کے علاوہ کسی اور کو ملامت نہیں
کر سکتے کیونکہ میں تم پر سے پاس ان لوگوں کو لیکر آیا ہوں جو موت
کو ایسا محبوب رکھتے ہیں جیسا کہ تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو

ادھر ہرمز کو یہ خط ملا اور ادھر سے مسلمان افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع ملی تو اس نے شہنشاہ ایران اردشیر (بزرگد) کو یہ تمام حالات لکھ کر بھیجے اور حضرت خالدؓ کا مقابلہ کرنے کی عرض سے مقام کو اظہم میں فوجیں اتار دیں لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی فوجیں حفیر کی طرف بڑھ رہی ہیں تو بڑی تیزی کیساتھ اپنا لشکر لیکر حفیر پہنچا اور یہاں ایک گھاٹ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اب حضرت خالدؓ نے کاملہ کی طرف ہٹ کر اپنے لشکر کو خیمہ شکن ہونے کا حکم دیا تو لوگوں نے کہا کہ دشمن نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہمارے پاس پانی کہیں نہیں ہے لیکن خدا کی شان تھوڑی دیر بعد بارش ہوئی اور جل تھل بھر گئے۔

اب ہرمز نے صف بندی اس طرح کی کہ اس کے لشکر کا میمنہ اور میسر شاہی خاندان کے دو جوان مرد قباذ اور انوشجان کی سرکردگی میں تھا اور جتنے مردان کا رزار تھے سب نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کیساتھ زنجیروں میں جکڑ لیا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔ اسی وجہ سے یہ غزوہ ذات السلاسل کہلاتا ہے۔ یہ سب انتظامات ہو چکے تو جنگ شروع ہوئی۔ ہرمز نے آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو دعوت مبارزت دی۔ حضرت خالدؓ فوراً آگے بڑھے اور لڑائی ہونے لگی۔ ہرمز نے قواعد جنگ کے بالکل خلاف ازراہ غدر و فریب پہلے سے اپنے شہسواروں کی ایک جماعت کو اس پر آمادہ کر رکھا تھا کہ جب خالدؓ تنہا ہرمز کیساتھ مصروف جنگ ہوں تو یہ لوگ اچانک کین گاہ سے نکل کر حضرت خالدؓ پر حملہ کر دیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن ٹھیک اس وقت جبکہ ہرمز کے شہسواروں نے حضرت خالدؓ پر حملہ کرنا چاہا۔ حضرت قعقاع بن عمروؓ اچانک اسلامی فوج سے نکل کر اس زور کے ساتھ حملہ کیا کہ شہسواروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اتنے میں حضرت خالدؓ نے پہلو بچا کر ہرمز کی پیشانی پر ضرب کاری لگائی کہ وہ جاہز نہ ہو سکا۔ میدان جنگ کا یہ رنگ دیکھ کر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ ایرانی شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ فرات کا بڑا پل جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا وہاں پہنچ کر دم لیا۔ قباذ اور انوش جان بچا کر نکلے لیکن ایرانیوں کی بڑی تعداد قتل ہو گئی۔

لے ان کی بہادری کا یہ علم تھا کہ مدینہ سے حضرت خالدؓ کی روانگی کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو خیال آیا تو حضرت قعقاعؓ کو بھی مجھے سے مدد کی غرض سے روانہ کیا۔ کسی نے پوچھا ایک آدمی سے کیا ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا جس وقت کہ میں قعقاعؓ ہوں گے اس کو کبھی شکست نہیں ہوگی

حضرت خالدؓ نے مال غنیمت جس میں ایک ہاتھی اور ہرگز کی بیش قیمت ٹوپی بھی شامل تھی مدینہ بھیجا تو ہاتھی کو مدینہ کی گلیوں اور سڑکوں پر گھمایا گیا عربوں کیلئے یہ ایک بالکل نیا جانور تھا اس لئے مدینہ کی بڑی بوڑھی عورتیں اور بچے اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور تعجب کرتے تھے لیکن چونکہ یہ جانور شاہی تزک و اختشام کی علامت تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے اس کو مدینہ میں رکھنا پسند نہیں کیا اور زبیر بن کلثب جو اسے لائے تھے انہیں کے ہاتھ اسے واپس کر دیا۔ فرات کے بڑے پل پر پہنچ کر حضرت خالدؓ نے ثنی بن حارثہ کو تواریخوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا اور معقل بن مقرنؓ المزنی کو ابلہ روانہ کیا کہ اس کی فتح کی تکمیل و انصار کا انتظام کریں ابلہ سے متعلق ایک بحث ابلہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس سے متعلق مورخین میں اختلاف یہ ہے کہ یہ خلافت صدیقی میں فتح ہوا ہے یا حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں یا بن اثیر کی رائے یہ ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوہ کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوا۔ چنانچہ معقل بن ابی ذرؓ کے والد مذکورہ بالا روایت نقل کر کے انہوں نے اس کی تردید کی ہے اور اس کو اہل نقل کے علم کے خلاف کہا ہے۔ لیکن بلاذریؓ اور ابوالسما عیلؓ محمد بن عبد اللہ اللادریؓ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت خالدؓ بصرہ پہنچے تو سوید بن قطبہؓ الذہلی نے ان سے ملکر کہا کہ ابلہ کے لوگ تمہارا مقابلہ کرنے کیلئے جمع ہو رہے تھے اور میری رائے میں وہ اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک کہ آپ میری مدد نہ کریں اس پر حضرت خالدؓ نے ترکیب یہ چلی کہ سوید سے کہا وہ میں قین کے وقت بصرہ سے چلا جاؤں گا۔ لیکن شب میں واپس ہو کر تمہارے لشکر میں آؤں گا۔ اب اگر صبح کے وقت اہل ابلہ نے حملہ کیا تو ہم ان سے جنگ کریں گے اس قرارداد کے مطابق حضرت خالدؓ اپنے لشکر کو بیکر بصرہ سے نکل گئے جیسا کہ توقع تھی اہل ابلہ کو اس سے اطمینان ہوا اور انہوں نے سوید بن قطبہؓ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی لیکن دوسرے دن صبح کے وقت انہوں نے حملہ کیا تو چونکہ حضرت خالدؓ شب میں واپس آکر سوید کے لشکر میں شامل

۱۔ طبری جلد ۲ ص ۵۵۶ و ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۲ ۲۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۳ فتوح البلدان ص ۲۵۰
۳۔ فتوح الشام ص ۴۹ شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ۴۔ ابن خلکان کے بیان کے مطابق ابلہ بصرہ سے چار فرسنگ یعنی ایک دن کی مسافت پر تھا۔

ہو گئے تھے۔ اس لیے اب اہل ابلہ نے مسلمانوں کی خلاف توقع اتنی بڑی تعداد دیکھی تو اوسان خطا ہو گئے اور ان پر رعب کی کیفیت طاری ہو گئی حضرت خالدؓ نے ان کو محسوس کر کے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فوراً تعمیل کی گئی اور اہل ابلہ شکست کھا گئے ان میں سے جو بھاگ نہیں سکے وہ یا قتل ہو گئے یا دریا میں غرق ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ حضرت خالدؓ نے سوید سے فرمایا: ہم نے تمہارے نواح کے ایرانیوں کو اتنا پامال کر دیا ہے کہ وہ اب سر نہیں اٹھا سکیں گے۔

بلاذریؓ اور ازدیؓ کی اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابلہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ہی فتح ہو گیا تھا اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو روانہ کرتے وقت یہی حکم دیا تھا کہ وہ اپنی کاروائیوں کا آغاز اسی مقام سے کریں۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ سب کچھ فتوحات ہو جائیں لیکن ایک ابلہ ہی فتح نہ ہوتا ورنہ ایک فوجی اعتبار سے یہ ایک نہایت اہم مقام تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ابلہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو فتح ہوا ہے تو اس کے کیا معنی ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے ان لوگوں نے ایک مرتبہ فتح ہو جانے کے بعد پھر بغاوت برپا کر دی ہو اور اس لیے حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ دوبارہ فتح کیا گیا ہو۔

مذار کی جنگ

حضرت خالدؓ کے حکم کے مطابق ثنی بن حارثہ ایرانیوں کا تعاقب کر رہے تھے اور مدائن

تھے یہاں ایک شبہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بلاذریؓ اور ازدیؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلہ سوید کے ہاتھوں فتح ہوا لیکن طبریؓ اور ابن اثیرؓ کے ہاں معقل بن مقرنؓ کا نام ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اہل ابلہ کی دراصل جنگ تو ہوئی تھی سوید بن قطبہؓ ہی کھساکھس اور انہوں نے ہی اس کو فتح کیا تھا۔ یہ معقل تو غزوہ حفر کے بعد حضرت خالدؓ نے ابلہ مال غنیمت وغیرہ اکٹھا کرنے اور اس کا انتظام کرنے کیلئے بھیجا تھا اس لیے التباس ہو گیا ہے چنانچہ طبریؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ وارسل معقل بن مقرنؓ المزنی الى ابلہ ليجمع له مالها والسبي فخرج معقل حتى نزل ابلہ فجمع الاموال والسبایا - ج ۲ ص ۵۵۶۔

تک پہونچنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن جنگ حفر کے موقع پر ہرنے شہنشاہ ایران کے پاس جو سفارت بھیجی تھی کچھ اس کا اثر کچھ حفر میں ایرانیوں کی شکست فاش کی خبر ان دونوں وجوہ کی بنا پر حکومت ایران نے حضرت خالدؓ سے جنگ کرنے کیلئے ایک لشکر جرار روانہ کر دیا تھا جس کے مختلف دستوں کی قیادت ایران کے نامور اشراف و امرا کر رہے تھے۔ حضرت ثنی کو اٹھ راہ میں یہ اطلاع ملی تو مدائن کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ایرانی لشکر نے جس کے ساتھ غزوہ حفر کے شکست خوردہ بھی مل گئے تھے۔ نذر نامی ایک مقام پر جو جلد اور فرات کے سنگم پر واقع ہے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی تو پیش قدمی کر کے وہاں پہونچے جنگ شروع ہوئی ایرانی فرج کی طرف سے ایران کا نامور بہادر قارن نکلا۔ لہر سے معقل بن الاعشی آگے بڑھے۔ آخر قارن قتل ہو گیا۔ اسی طرح نوشجان، عام کے ہاتھ سے اور قباز حضرت عدی بن حاتم کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قارن، نوشجان اور قباد ایران کے اتنے بڑے لوگ تھے کہ پھر آئندہ کسی جنگ میں ایران کا ان جیسا نامور بلند مرتبہ شخص مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں مارا گیا۔ طبری اور ابن اثیر کی روایت ہے کہ اس جنگ میں تین ہزار ایرانی مارے گئے۔ جو بیچ گئے تھے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے اگر دریا درمیان میں حائل نہ ہوتا تو دشمن کی فرج کا ایک سپاہی بھی جان سلامت نہیں لے جاسکتا تھا۔ اس جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے انہیں ایک ابوالحسن بصری بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو کر مشہور صاحب معرفت و طریقت ہوئے یہ واقعہ ماہ صفر ۱۲ھ میں پیش آیا ہے

جنگ ولجہ

حضرت خالدؓ جب حیرہ جو خلیج فارس اور مدائن کے وسط میں ہے اس سے قریب تھے اردشیر کو مدائن میں ایرانیوں کی شکست فاش کی خبر مل تو اس نے ایک اور لشکر ایران کے مشہور شہسوار اندرزغر کی سرکردگی میں روانہ کیا اور اس لشکر کے پیچھے پیچھے ایک اور لشکر ایران کے نامور شہسوار جادویہ (جس کو عرب مؤرخین جادویہ لکھتے ہیں) کی قیادت میں بھیجا۔ اس مرتبہ ایرانیوں نے ایک چال یہ

بھی چلی کہ وہ عرب قبائل جو دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں بادیہ نشام تک آباد تھے اور جن میں سے اکثر عیسائیت اختیار کر چکے تھے ان کو بھی حریت اور آزادی کے نام پر اپنے ساتھ ملا لیا اب ان سب نے مقام ولجہ میں جو مقام دجلہ و فرات کے سنگم کے قریب تھا پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالدؓ کو ہذا میں اطلاع ہوئی تو پورے ساز و سامان کیساتھ روانہ ہوئے لیکن مقابلہ آسن نہیں تھا۔ ایرانیوں اور عرب قبائل دونوں کے لشکر الگ الگ تھے اور ہر ایک لشکر کا سردار اسی قوم سے تھے۔ لیکن ان سب کا کمانڈر اچیف ایرانی تھا، جنگ شروع ہوئی، فریقین نے داد و تحاشات و جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ کسی فریق کے متعلق بھی فتح و ظفر کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔

حتى ظن الفریقان ان الصبر قد فرغ -
دوئوں فریق نے گمان کیا کہ صبر کا
پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔

لیکن حضرت خالدؓ نے نذر سے روانہ ہو کر اٹھائے راہ میں ایک تدبیر یہ کی تھی کہ اپنے لشکر کے سرداروں کو اپنے سے الگ کر کے حکم دیا تھا کہ وہ دونوں مختلف راستوں سے میدان جنگ میں ایرانی لشکر کے عقب کی طرف سے پہونچیں، یہ تدبیر بہت کارگر ہوئی چنانچہ ٹھیک اس وقت جبکہ معرکہ کارزار گرم تھا اور حضرت خالدؓ دشمن پر دباؤ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، ایرانی لشکر کے پیچھے مذکورہ بالا امیر اپنا دستہ لیکر پہونچ گئے، اب دشمن کو تاب مقاومت نہیں رہی، ایرانی بہت بُری طرح شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ ایک بڑی تعداد قتل ہو گئی اندرزغر جان بچا کر نکل بھاگا تھا۔ لیکن تشنگی کی وجہ سے وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ یہاں بھی حضرت خالدؓ نے کسانوں کیساتھ نرمی اور ملاحظت کا معاملہ کیا۔ ان سب کو امن دے دیا۔ اور یہ لوگ ذمی ہو گئے ۲۔

جنگ الیس

اس تیسری شکست نے ایرانیوں کو توبہ خواہ کیا ہی تھا۔ لیکن سب سے زیادہ اثر عراق کے عرب قبائل پر ہوا جن کو جزیرہ نما کے عرب کے اپنے نواح عام کے ہاتھوں اس قدر شدید شکست اٹھانی پڑی تھی۔ ان کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی اور ہم مذہبی کے رشتہ سے انہیں عرب قبائل میں جو اور عیسائی تھے وہ بھی مشتعل ہو گئے اور اب ان سب نے ایرانیوں سے خط و کتابت کر کے بہت بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حیرہ اور ابلہ کے عین وسط میں دریائے فرات کے کنارہ پر ایک مقام الیس ہے یہ سب وہاں جمع ہوئے۔ ارد شیر نے بھمن جادیہ کو جو اس وقت ایک مقام قسینا میں مقیم تھا حکم بھیجا کہ عرب عیسائیوں کی الیس پہونچ کر مدد کرے۔ لیکن بھمن خود ارد شیر سے بعض معاملات طے کرنے کی عرض سے ملائ چلا گیا اور اپنی طرف سے جابان نامی سردار کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم جنگ میں پیش قدمی نہ کرنا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ بھمن ملائ پہونچا تو اس وقت ارد شیر بیمار تھا۔ اس لیے بھمن کو وہاں قیام کرنا پڑا۔ ادھر یہ ہوا کہ جابان الیس پہونچ کر بھمن کا انتظار کرتا رہا تھا کہ اتنے میں حضرت خالدؓ پہونچ گئے اور دشمن کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع دینے بغیر جنگ شروع کر دی۔ مالک بن قیس جو بڑا بہادر تھا آگے بڑھا لیکن حضرت خالدؓ کی تلوار نے اسکو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ منظر دیکھ کر دشمن کی صفوں پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہاں ایک دل دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا پکا لپکا لکھانا چھوڑ کر بھاگے تھے۔ مسلمانوں نے جب کھانے پر قبضہ کیا تو ان کو میدہ کی سفید روٹیاں بھی ملیں جن کو عربی میں الرقاق البیض کہتے ہیں۔ مسلمان عرب اس سے بالکل نا آشنا تھے۔ اس لئے کسی شخص نے پوچھا ”یہ کیا ہے تو دوسرے نے جواب دیا تم نے رقیق الجیش“، تو سنا ہی ہو گا اسی مناسبت سے ان کو ”رقاق البیض“ کہتے ہیں۔ الیس سے فارس ہو کر حضرت خالدؓ نے امغیشا نامی ایک شہر کا رخ کیا جو الیس سے

قرب تھا اور فرات اور نہر بادل قلی کے سنگم پر واقع تھا۔ لیکن یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اہل شہر نے پہلے ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت ابو بکر کو ان سہم فتوحات کا علم ہوا تو خوش ہو کر فرمایا عورتیں خالدؓ جیسا کوئی پیدا کرنے سے عاجز نہیں آئے۔

ابن جریر طبری۔ ابن اثیر اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ جنگ الیس میں فریق ثانی کے ستر ہزار افراد قتل ہوئے تھے۔ سرولیم میورا سکو مبالغہ کہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اعداد و شمار کا نظم و ضبط اس زمانہ میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہے اس لیے ممکن ہے کہ پورے ستر ہزار نہ ہوں اور چونکہ ستر کا عدد کثرت کو ظاہر کرنے کیلئے عربی زبان میں عام طور پر بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ”وَاِنْ لِّتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً“ میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے اس بنا پر ستر ہزار سے کثرت ہی مراد ہو۔

حیرہ کی فتح

ان سہم شکستوں نے اگرچہ ایرانیوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ لیکن الیس کی جنگ میں عراق کے عرب قبائل پیش پیش رہے تھے اور اس وقت ایرانیوں کا بڑا سہارا یہی عرب تھے۔ اس بنا پر فوجی نقطہ نظر سے ضروری تھا کہ حیرہ پر جو عراق عرب کا پایہ تخت تھا قبضہ کیا جائے تاکہ ان عرب قبائل کو قابو میں رکھا جاسکے۔ چنانچہ امغیشا سے فارس ہونیکے بعد حضرت خالدؓ نے حیرہ کا رخ کر دیا۔ حکومت ایران کی طرف سے حیرہ کا گورنر اس وقت آزادیا (آزادیہ) نامی ایک ایرانی تھا۔ اس کو اسلامی فوج کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو لشکر لیکر آگے بڑھا اور ساتھ ہی چونکہ حضرت خالدؓ دریائے راستہ سے آ رہے تھے اس بنا پر اس نے اپنے بیٹے کو بھیج کر دریا کا پانی منقطع کرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتیاں زمین سے لگ گئیں۔ حضرت خالدؓ اپنا ایک دستہ لیکر کشتیوں سے اترے دریا کے فرات کے کنارہ پر آ کر دریا کے لڑکے سے جنگ کی۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اور پھر روانہ ہو گئے۔ آزادیا کیلئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ ایک طرف ارد شیر شہنشاہ ایران کے مرنے کی

خبر ملی اور دوسری جانب خود اس کا بیٹا اور اس کے ساتھی قتل ہو گئے تھے۔ اس لیے بجز فرار کے اس کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اہل حیرہ نے یہ رنگ دیکھا تو قلعہ بند بیٹھ گئے۔ حیرہ مختلف اعلیٰ قسم کے محلات کیلئے مشہور تھا جن میں سے خورنق اور سد بہت مشہور ہیں اور عربی اشعار میں ان کا ذکر آتا ہے۔ مسلمانوں نے ان سب کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کو جب ایک دن اور ایک رات گزر گئے تو مسلمان کسی طرح محلات کے اندر گھس گئے۔ اب ان لوگوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ صلح کر لیں۔ چنانچہ ایک بڑھے اور تجربہ کار شخص عبد المسیح طبری نے نام عمرو بن عبد المسیح لکھا ہے اور یاس بن قبیصہ کی معرفت صلح کی گفت و شنید ہوئی آخر کار ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح ہو گئی اور یہ شرط طے پائی کہ اہل حیرہ مسلمانوں کیلئے ایرانیوں کے برخلاف جاسوسی کی خدمات انجام دیں گے اور مسلمان نہ ان کا کوئی گرجا بند کریں گے اور نہ کوئی محل۔ ۱۔

حضرت خالدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب فتح حیرہ کی خبر بھیجی تو ساتھ ہی کچھ ہدایا بھی بھیجے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان ہدایا کو اہل حیرہ کے جزیہ میں محسوب کر لیا اور حضرت خالدؓ کو لکھا کہ جزیہ کی باقی رقم کی وصولیابی بھی کر لیں اور اس کو بھی اہل حیرہ کی طرف ہدایا ہی سمجھیں۔ یہ فتح ربیع الاول ۳۱ھ میں ہوئی ۲۔

بنت بقیلہ کا افسانہ | اس موقع پر طبری، بلاذری، ابن اثیر اور ابن کثیر جیسے مؤرخین تک نے ایک روایت نقل کی ہے جو دراصل ایک غلط افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم اصل روایت نقل کرتے ہیں اور پھر اس پر جرح و نقد کریں گے۔

روایت یہ ہے کہ خرم بن ادس الطائی نے ایک آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر اللہ آپ کے ہاتھوں حیرہ فتح کر دے تو آپ بنت بقیلہ (حیرہ کے ایک نامور خاندان کی لڑکی) مجھ کو عطا فرمائیے گا۔ چنانچہ اب جب حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ سے صلح کرنی چاہی تو خرم نے ان سے کہا کہ بنت بقیلہ کو آپ صلح میں داخل نہ کریں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجھے دے چکے ہیں۔ خرم کے اس دعویٰ کی تصدیق بشیر بن سعد اور محمد بن مسلمہ نے بھی

کر دی۔ تو حضرت خالدؓ نے اس عورت کو صلح میں شامل نہیں کیا اور وہ خرم کے حوالہ کر دی لیکن چونکہ یہ عورت اس وقت انہی برس کی بڑھ چکی تھی اس لیے خرم نے اس عورت کے اہل خاندان سے ایک ہزار درہم لیکر وہ ان کو واپس کر دی۔ جب لوگوں نے خرم سے کہا یا آپ نے کیا کیا کہ بنت بقیلہ کو اتنے سستے داموں فروخت کر دیا تو خرم نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ایک ہزار سے اوپر بھی کوئی عدد اور ہے، ۱۔

یہ روایت اصول روایت کے اعتبار سے بھی غلط ہے اور درایت بھی اور اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ واقعہ کس شخص کا ہے اس میں ہی اختلاف ہے۔ بلاذری نے اس کو خرم بن ادس جو قبیلہ بنو طے سے تعلق رکھتے تھے ان کا واقعہ بتایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے بنت بقیلہ کو دینے کا وعدہ قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص سے کیا تھا ۲۔ حافظ عیال الدین ابن کثیر نے اس شخص کا نام شویل لکھا ہے اور طبری اور ابن اثیر نے بھی یہی نام لکھا ہے ۳۔

(۲) طبری نے اس عورت کا نام گرامت نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کا نام یشیمار لکھا ہے ۴۔

(۳) طبری میں آنحضرتؐ نے بنت بقیلہ دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ حیرہ بزرگ شمشیر (عنوة) فتح ہو ۵۔ ”ھی لک اذا فتحت عنوة“ ۶۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں حیرہ جبراً نہیں بلکہ صلحاً فتح ہوا تھا اس لئے نہ خرم یا شویل کو اس کے طلب کرنا حق تھا اور نہ حضرت خالدؓ اس مطالبہ کو منظور کر سکتے تھے۔

(۴) روایت میں ہے کہ جب حضرت خالدؓ نے بنت بقیلہ کو شرائط صلح سے مستثنیٰ رکھنے اور اس کو مدعی کے حوالہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا تو بنت بقیلہ کے رشتہ داروں کو اس پر اعتراض

۱۔ فتوح البلدان ص ۲۵۳ ۲۔ البداية والنهاية ج ۲ ص ۳۲۷ ۳۔ طبری ج ۲ ص ۵۶۹ وابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷ ۴۔ الاصابہ ج ۳ ص ۳۵۱ ترجمہ محمد بن بشیر و جداول ص ۳۳۳ ترجمہ حریم ۵۔ طبری ج ۲ ص ۵۶۹۔

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۲ - ۲۵۳ ۲۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷ ۳۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۷۔

ہوا لیکن بنت بقیلہ نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ مجھ کو روکیں نہیں، جانے دیں، اصل بات یہ ہے کہ اس شخص نے مجھ کو جوانی میں دیکھا تھا اور یہ شاید یہ سمجھتا ہے کہ جوانی ہمیشہ رہتی ہے اب مجھ کو دیکھے گا کہ میں اتنی برس کی بڑھ چکی ہوں تو یہ خود مجھ کو واپس کر دے گا اب سوال یہ ہے کہ اگر اس شخص نے بنت بقیلہ کو اس کے عہد شباب میں دیکھا تھا اور وہ اس کو دل دے بیٹھا تھا تو یقینی بات ہے کہ یہ خود بھی اس وقت جوان ہوگا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ اس عرصہ میں بنت بقیلہ تو شباب اور کہولت کی منزلیں طے کر کے ہشتادہ سالہ عجوزہ بن گئی لیکن یہ شخص جوان کا جوان ہی رہا جو اس جذبہ کیسا تھا بنت بقیلہ کو حضرت خالدؓ سے طلب کرتا ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس شخص کی بے خبری کا عالم یہ ہے کہ وہ خود اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکا کہ اس مدت میں بنت بقیلہ بڑھ چکی ہوگی۔ بنت بقیلہ اس کے متعلق یہ کہتی ضرور ہے کہ وہ شباب کو یاد آ رہا اور دوا می سمجھتا ہے۔ لیکن درحقیقت دنیا میں ایسا کوئی احمق ہے بھی!

(۵) اس شخص کو جب لوگوں نے سستے داموں بیچ دینے پر زور بھلا کہا تو اس نے کہا کہ میں ایک ہزار کے بعد بھی کوئی عدد ہے یہ جانتا ہی نہیں تھا۔ اس بات کو بھی آخر کون باور کر سکتا ہو حضرت خالدؓ کی فرج میں کتنے مسلمان تھے ہاں غنیمت کس کثیر مقدار اور تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ پڑ رہا تھا کیا یہ سب چیزیں اس شخص کو معلوم نہیں تھیں اور اگر تھیں تو وہ ان کا شمار کس طرح کرتا تھا۔

حیرہ میں حضرت خالدؓ کا طویل قیام حضرت خالدؓ کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ مدائن کے فتح کرنا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ نے احکام بھیج دیے تھے کہ جب تک حضرت عیاض ان سے آکر نہ ملجائیں اور میری اجازت نہ ہو اس وقت تک مدائن کی طرف پیش قدمی نہ کی جائے اس لیے حضرت خالدؓ نے حیرہ کو مہیڈ کو اڑنا لیا اور کم و بیش سال بھر یہاں مقیم رہے اس قیام سے یہ فائدہ ہوا کہ اطراف و جوانب کے بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں (دبا قین) نے جب یہ دیکھا کہ اسلامی فرج کے قائد اعلیٰ کا معاملہ اہل حیرہ کے ساتھ بہت ہی روادارانہ اور منصفانہ ہے تو اب ان لوگوں نے بھی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کی پیش کش کی اور یہ سب جزئیہ ادا کرنا

عہد و پیمان کر کے حضرت خالدؓ کے سایہ عاطفت میں آگئے۔ اب جنوب میں خلیج فارس شمال میں حیرہ۔ مغرب میں بلاد عرب اور مشرق میں دجلہ تک کے وسیع علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے ضرار بن الازدر۔ ضرار بن الخطاب قعقاع ابن عمرو اور ثنی بن حارثہ وغیرہ نامور بہادروں کی سرکردگی میں ایک ایک دستہ فوج دیکر ان کو تمام علاقوں میں منتشر کر دیا۔ تاکہ نظم و ضبط قائم رہے اور کسی کو بغاوت و سرکشی کی جرأت نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے اہل ایران عوام و خواص (مرازمہ) کے نام الگ الگ خطوط روانہ کیے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ایرانیوں کا اس وقت حال یہ تھا کہ شاہ ایران اردشیر کے مرجانے سے طوائف الملوکی کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اسلامی فتوحات نے ان کو ایک مرکز پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اس بنا پر انہوں نے انبار اور عین التمر میں جو حیرہ سے قریب ہی تھے فوجیں جمع کرنی شروع کر دیں۔

واقعہ انبار

حضرت خالدؓ کو علم ہوا تو قعقاع کو حیرہ میں اپنا قائم مقام کر کے دریائے فرات کے کنارے انبار کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اقرع بن حابس مقدمۃ الجیش کا کام کر رہے تھے۔ ایرانیوں کو اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے قلعہ کے چاروں طرف خندق تھی اس لیے مسلمان قلعوں تک پہنچ نہیں سکتے تھے اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ ایرانی قلعوں کی تفصیل سے تیروں کی بارش کر رہے تھے حضرت خالدؓ نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے قدر اندازوں کو حکم دیدیا کہ وہ دشمن کی آنکھ کو نشانہ بنا کر تیر چلائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان خدنگ افکنوں نے ایک ہزار آنکھوں کو ٹھکانے لگایا اسی وجہ سے اس جنگ کا نام ذات العیون بھی ہے ۳

۱۔ طبری ج ۲ ص ۵۴۰-۵۴۳ ۲۔ اس کو انبار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں غلہ اور اناج کے انبار لگے رہتے تھے۔ نعمان بن منذر کے خاص لوگ اس کے دستکاروں کو غلہ فراہم کیا جاتا تھا، بلاذری ص ۲۵۵۔ انبار میں بڑی آبادی عربوں کی تھی جن کے آباد اجداد بخت نصر کے عہد میں یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ عربی لکھنا بھی جانتے تھے۔ طبری ج ۲ ص ۵۴۱ ۳۔ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶۹۔

ایرانی فوج کا قائد شیرزاد اپنے زمانہ کا مشہور عقلمند اور مدبر تھا۔ اس نے تنگ اگر صلح کی پیش کش کی لیکن شرائط صلح ایسے تھے کہ حضرت خالدؓ منظور نہیں کر سکتے تھے اس لیے اس پیش کش کو رد کر دیا گیا۔ اور اب حکم ہوا کہ مجاہدین کے جتنے کمزور اونٹ ہیں ان کو ذبح کر کے خندق میں پھینک دیا جائے۔ ایسا کرنے سے خندق پر ہو گئی اور مسلمانوں نے اسے عبور کرنا شروع کر دیا۔ اس منظر کو دیکھ کر شیرزاد پر ایسا خوف طاری ہوا کہ حضرت خالدؓ کی جو شرائط صلح تھیں ان کو بے چون و چرا مان لیا۔ شیرزاد یہاں سے جان سلامت لیکر بہمن جادویہ کے پاس چلا گیا۔ اور انبار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شعبی سے روایت ہے کہ۔

لاہل الانبار عہد و عقد
اہل انبار کیساتھ عہد و پیمان ہوا تھا۔

فتح عین التمر

یہاں سے فارس ہو کر حضرت خالدؓ نے زبرقان بن بدر کو انبار میں چھوڑا اور خود ایک لشکر لیکر عین التمر کیلئے روانہ ہوئے۔ عین التمر عراق اور بادیعہ شام کے درمیان صحرا کے کنارہ پر واقع ہے تین دن کے سفر کے بعد یہاں پہنچ گئے۔ بہرام جو بن کا بیٹا مہران حکومت ایران کی طرف سے اس جگہ کا حاکم تھا، اس کے پاس ایرانیوں کی ایک بڑی فوج کے علاوہ بنو تمر، تغلب اور نبویا دباہ شام کے عرب قبائل کا بھی ایک عظیم لشکر تھا، عرب قبائل کا سردار عقلمند ابی عصفہ تھا۔ حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو عصفہ نے مہران سے کہا کہ مدد لو ہا لو ہے کو کاٹنا ہے ہم بھی عرب ہیں اور خالد اور ان کے ساتھی بھی عرب ہیں اس لئے بس ہم دونوں کو لڑنے دو دو مہران نے اس تجویز کو بخوشی منظور کر لیا۔ جب اس کے لوگوں نے اس پر پلا مت کی تو بولاد میں نے یہ ایک بڑی چال چلی ہے۔ جو تم لوگوں کیلئے بہت مفید ہوگی۔ اگر عصفہ خالدؓ کے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا تو ہوا لڑا، ورنہ مسلمان عصفہ اور اس کی فوج سے لڑنے لڑتے کمزور ہو جائیں گے۔ اتنے میں ہم تازہ دم ہوں گے ہی مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے اور اس طرح فتح ہماری ہی ہوگی، چنانچہ عصفہ اپنی فوج لیکر حضرت خالدؓ کی طرف بڑھا۔ اس مہینہ پر بحیر بن فلان تھا اور میسرہ پر بنییل۔

بن عمران عصفہ اور مہران کے درمیان چند میلوں کی مسافت تھی۔ عصفہ نے ایک مقام پر پہنچ کر صف بندی شروع کی۔ حضرت خالدؓ بھی اس کے مقابلہ میں اپنی فوج کو ترتیب دینے لگے۔ جب دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں تو عصفہ نے پیش قدمی کر کے حضرت خالدؓ پر حملہ کیا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخر حضرت خالدؓ نے پہلو بچا کر عصفہ پر چانک اس زور کا حملہ کیا کہ عصفہ کو اپنے بازوؤں میں تھام لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ عصفہ کی گرفتاری نے اس کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ گرفتار ہو گئے۔

مہران کو عصفہ کی اس شکست کی خبر ملی تو اپنے لشکر کو لیکر قلعہ سے نکل بھاگا۔ اب حضرت خالدؓ کیلئے میدان صاف تھا۔ چنانچہ جب قلعہ عین التمر میں پہنچے تو جو لوگ یہاں رہ گئے تھے ان سب کو گرفتار کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا عصفہ اور اس کے ساتھی جو سخت قسم کے فتنہ پرداز تھے ان کو قتل کر دیا۔

یہاں یہ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک عورت دیکھا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا حضرت خالدؓ کے حکم سے جب دروازہ توڑا گیا تو اندر سے چالیس لڑکے ملے جو انجیل پڑھ رہے تھے حضرت خالدؓ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہاں گروی ہیں مد حضرت نے ان کو وہاں سے نکال کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ابو موسیٰ بن نصیر جو اندلس کے مشہور فاتح ہیں اور ابو محمد بن سیرین جو بلصرہ کے نامور فقیہ ہیں وہ بھی انہیں لڑکوں میں تھے اے

معرکہ دومتہ الجندل

دومتہ الجندل عین التمر سے جنوب مغرب میں تین سو میل کی مسافت پر اس راستہ پر واقع ہے جو حیرہ اور عراق کی طرف جانا ہے بادیہ اور صحرائے نفود دونوں کے درمیان میں حائل ہے۔ ربیع الاول ۵۵ھ میں آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل میں دشمنوں کی ایک بڑی فوج مجتمع ہو رہی ہے۔ تو ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کو خبر ہوئی تو بھاگ نکلے اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اکید بن عبد الملک الکندی ایک عربی سردار تھا۔

جو قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کے مقابلہ کیلئے حضرت خالدؓ کو ماہ شوال ۹ھ میں بھیجا۔ حضرت خالدؓ اس کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ یہاں اکیس مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کے اور اہل دومتہ کیلئے پروانہ امن عطا فرمادیا۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور عہد شکنی کر کے مرتد ہو گیا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو عراق کی طرف روانہ کیا تو عیاض بن غنم کو دومتہ الجندل بھیجا۔ آپ کو توقع تھی کہ دومتہ کی ہم جلد سر ہو جائیگی لیکن کم و بیش ایک سال گزر گیا۔ اور یہ مورچہ فتح نہیں ہوا۔ بنو کلب۔ بہراہ اور غسان کے قبائل جو عراق میں حضرت خالدؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگے تھے۔ انہوں نے بھی دومتہ الجندل میں آکر پناہ لے لی تھی۔ تاکہ حضرت خالدؓ کا بدلہ حضرت عیاض سے لیکر اپنے دل کو تسکین دے سکیں۔ اس بنا پر دشمنوں کی جمعیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس کی وجہ سے حضرت عیاض کو بڑی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

عین التمر کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے مال غنیمت کیساتھ مزدہ فتح ولید بن عقبہ کے ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ولید بن عقبہ کو مع ساز و سامان کے بطور ملک حضرت عیاض کے پاس بھیج دیا۔ ولید نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر کے عیاض سے کہا کہ آپ حضرت خالدؓ کی مدد طلب کیجیے۔ ورنہ اس کے بغیر یہ مورچہ فتح نہیں ہو گا۔ عیاض نے فوراً اس مشورہ پر عمل کیا۔ حضرت خالدؓ کو عیاض کا خط ملا تو فوراً ان کو کہا کہ میں تو خود ہی تمہارے پاس آنے والا تھا اور اس کے بعد یہ رجزیہ اشعار لکھے۔

لَبَّيْتُ قَلِيلًا تَأْتِيكَ الْحِلَابُ
يَحْمِلُنَ أَسَادًا عَلَيْهَا الْقَاشِبُ
كُنَائِبُ يَتَّبِعُهَا كُنَائِبُ

کچھ اور انتظار کرو۔ تمہارے پاس اونٹنیاں آ رہی ہیں جن پر شیر سوار ہیں اور ان پر تلواریں ہیں لشکر پر لشکر آگے پیچھے آ رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت خالدؓ شام و نفود کے بادیا و صحرائیں گھوڑاڑاتے ہوئے دس روز سے بھی کم کی مدت میں تین سو میل کی مسافت طے کر کے دومتہ الجندل کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں بہراہ کلب۔ غسان۔ تنوخ اور ضجاعم یہ سب عرب قبائل ان کے مقابلہ میں صف آرا تھے دومتہ الجندل کی ریاست دو شخصوں میں تقسیم تھی۔ ایک اکیدہ اور دوسرا جودی بن ربیعہ اکیدہ چونکہ حضرت خالدؓ کے بچہ شیر افگن سے واقف تھا اس لئے اس کی رائے ہوئی کہ جنگ نہ کرنی چاہیے۔ لیکن عرب قبائل اور ان کا سردار جودی اس پر رضامند نہیں ہوئے اس لئے اکیدہ نے ان سے جدا ہو کر اپنی راہ لی۔ حضرت خالدؓ کو اس کی خبر ہوئی تو عاصم بن عمرو کو تعاقب میں روانہ کیا۔ عاصم نے اکیدہ کو گرفتار کر کے پیش کیا۔ چونکہ باغی اور مرتد تھا اس لئے خالدؓ کے حکم سے قتل کر دیا گیا ہے

اب حضرت خالدؓ نے صف بندی کی۔ جودی عربوں کا ایک دستہ لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ اور ایک دستہ عیاض کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ اور عیاض نے دومتہ الجندل کو درمیان میں لے لیا تھا۔ جودی حضرت خالدؓ کے مقابلہ میں شکست کھا گیا اور گرفتار ہو گیا۔ اس کے لشکر کے لوگ بدحواس ہو کر قلعہ کی طرف بھاگے۔ لیکن قلعہ سب کو سمانہا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے جتنے آدمی اندر آسکتے تھے انہوں نے گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ ایک بڑی تعداد جو قلعہ سے باہر رہ گئی تھی لقمہ اجل بن گئی۔ کلب کے قیدیوں کو بنو تمیم ان کے حلیف ہونے کی وجہ سے امن دے چکے تھے۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے ان کی جان بخشی کر دی۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قلعہ پر حملہ کیا۔ اور اس کو بیزر شمشیر فتح کیا جودی جو عرب قبائل کا سردار تھا۔ قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی بیٹی سے جو حسن و جمال میں مشہور تھی۔ گرفتار ہو کر آئی تو حضرت خالدؓ نے پہلے اس کو خرید لیا اور پھر آزاد کر کے نکاح کر لیا ہے

عراق میں بغاوت

حضرت خالدؓ دومتہ الجندل میں مقیم تھے کہ ایرانیوں اور عراق کے عرب قبائل نے ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ بنو تغلب جن کا سردار عقبہ مار گیا تھا وہ اس میں

پیش پیش تھے۔ قعقاع جن کو حضرت خالدؓ حیرہ میں اپنا قائم مقام چھوڑ کر آئے تھے۔ ان باغیوں سے عہدہ برآمد ہونا تنہا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے حضرت خالدؓ بغاوت کی خبر پاتے ہی دومہ سے روانہ ہو گئے۔ اقرع بن حابس مقدمۃ الجیش پر تھے۔ ان باغی ایرانیوں اور عربوں نے اپنی جمعیت کو کئی محاذوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ایرانی سردار روزمہر اور روزبہ نے انبار کار خ کیا تھا اور دوسرے فوجی دستے حصید، خنافس وغیرہ مقامات جو انبار کے قرب و جوار میں تھے۔ ان میں بغاوت کی آگ بھڑکار رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پہنچ کر قعقاع کو حصید کے موقع پر متعین کیا۔ جہاں اس وقت روزمہر اور روزبہ فروکش تھے اور البولیلی کو خنافس کے محاذ پر روانہ کیا حصید میں جنگ بڑی شدید قسم کی ہوئی۔ لیکن آخر قعقاع غالب آگئے اور روزمہر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب ہار روزبہ اس کو عصمۃ بن عبد اللہ الضبی نے ٹھکانہ لگا دیا۔ اور ایرانی شکست کھا گئے۔

یہاں سے بھاگ کر ان لوگوں نے خنافس کے مورچہ پر پاؤں جمائے۔ ایرانی فوج مہبودان کے ماتحت تھی۔ لیکن مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ مہبودان البولیلی کی خبر آمد سنتے ہی بھاگا اور مصیغ نامی ایک مقام پر پہنچ کر ہذیل بن عمران کے دامن میں پناہ لی۔ حضرت خالدؓ کو ان واقعات کا علم ہوا تو قعقاع۔ البولیلی۔ اعبد اور عروہ جو مختلف محاذوں پر متعین تھے ان کو لکھا کہ فلاں شب میں فلاں وقت سب لوگ مصیغ میں جمع ہو جائیں، جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ہذیل پر شیخوں مارنے کا حکم ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتیوں کے پشتے بندھ گئے لیکن ہذیل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

دو مسلمانوں کا ہوا قتل مصیغ کے شیخوں میں جو لوگ مارے گئے ان میں عبد العزیز اور لبید بن حریر بھی تھے یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ان کے پاس حضرت ابو بکرؓ کا تصدیق نامہ بھی تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان دونوں کا خون بہا دیا۔

۱۔ اس موقع پر قعقاع نے جو شعر کہے تھے یا قوت نے معجم البلدان میں ان نقل کیے وہ شعر یہ ہیں۔

الا بلغا سماء ان خلیلہما
غدا صبحنا فی حصید جموعہم
فقنی وطرا من رؤس مصر الاعجم
بہندیۃ تقری فراخ الجمجم

اور حکم دیا کہ ان کی اولاد کیسا تمہ حسن سلوک برتا جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو جس طرح مالک بن نویرہ کے قتل کا مجرم قرار دیا تھا وہ ان دونوں شخصوں کے قتل ناحق کا الزام بھی ان پر لگاتے تھے۔ ۱۔ لیکن حق یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کیلئے سب سے بڑا معقول عذر یہ تھا کہ یہ دونوں شخص مسلمان ہونے کے باوجود دشمن کے کیمپ میں موجود اور ہذیل کے ساتھیوں میں تھے چنانچہ جب اس معاملہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے گفتگو کی تو حضرت خالدؓ کے خلاف اپنی ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے صاف جواب دیا۔

کذالک یلقی من نازل اهل الشرۃ جو کوئی اہل شرک کیسا تمہ قیام کرتا ہے اس کا حشر یہی ہوتا ہے۔

لیکن طبری میں یہ واقعہ اس طرح پر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان شخصوں کا جب خون بہا دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔

اما ان ذالک لیسن علی (میں غن بہا داکرتا ہوں) لیکن یہ میرے ذمہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اذنار لا اهل الحرب سے اہل حرب کے ہاں مقیم اہل ان کے ہماں تھے۔

چونکہ بغاوت کا یہ سال فتنہ پیدا کیا ہوا بنو تغلب کا تھا اور ایرانی جو کچھ کر رہے تھے انہی کے بل بوتے پر کر رہے تھے اہل ان کی اسلام دشمنی بہت پرانی اور نہایت شدید تھی اس بنا پر حضرت خالدؓ نے قسم کھالی تھی کہ وہ بنو تغلب کو ہنس نہ سکیں بغیر دم نہیں لیں گے۔ چنانچہ اب وہ مصیغ سے فارغ ہو گئے تو قعقاع اور البولیلی ان دونوں کو دو مختلف راستوں سے روانہ کیا اور ایک رات مقرر کر دی کہ اس میں بنو تغلب پر حملہ کیا جائے۔ ان دونوں کی روانگی کے بعد خود بھی روانہ ہوئے پہلے مقام ثنی میں اور اس کے بعد مقام زمیل میں (جو بنو تغلب کے خاص مرکز تھے) پہنچ کر تین طرف سے اس قدر زور کا حملہ کیا کہ بنو تغلب کا کوئی شخص دوسروں تک ان کی خبر پہنچانے والا بھی نہیں بچا۔ اس حملہ میں جو عورتیں گرفتار ہوئی تھیں انہیں میں ربیعہ بن بحیر الثعلبی کی بیٹی بھی تھی ۲۔

یہ سب مال غنیمت اور گرفتار شدہ عورتیں مدینہ پہنچیں تو حضرت علیؓ نے بنت ربیعہ کو جس کا نام الصہباء اور کنیت ام حبیب تھی خرید لیا اور ان کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے یہاں سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے رضاب کا رخ کیا۔ اس جگہ عقبہ کے بیٹے ہلال نے بغاوت برپا کر رکھی تھی لیکن ہلال کے ساتھ حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی خبر سنتے ہی اس کو چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

جنگ فراض

فراض۔ عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ حضرت خالدؓ عراق کی بغاوت کا سر قلم کر دینے کے بعد فراض پہنچے اور دریائے فرات کے کنارے پر خمیہ فگن ہو گئے۔ رمضان کا مہینہ آیا، وہ بھی یہیں گزار دیا۔ رومیوں نے اسلامی لشکر کو اس حالت میں دیکھا تو ان کے غصہ کی حد نہ رہی۔ اہل ایران کی جو فوجی چھاؤنیاں قرب و جوار میں تھیں اور ان کے علاوہ جو عرب قبائل قیصر کے باج گزاران سب سے رومیوں نے مدد طلب کی اور اس طرح مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک نہایت عظیم فوج تیار ہو گئی۔ ۱۵ ذی قعدہ ۳۷ تک دونوں فوجیں اسی طرح آمنے سامنے پڑی رہیں کہ صرف ایک دریا ان کے درمیان حائل تھا۔ آخر رومیوں نے پہلے کا اور دریا پار کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے صفیں آراستہ کیں اور جنگ شروع ہو گئی۔ نہایت گھمسان کا دن پڑا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے حکم دیا تھا کہ دشمن کی فوج کو منتشر نہ ہونے دیں اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر لڑیں، مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور رومیوں۔ ایرانیوں اور عرب قبائل کا بادل دم کے دم میں صاف ہو گیا۔ مورخین کا عام بیان ہے کہ اس معرکہ میں دشمن کی فوج کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے، ہماری رائے میں یہاں بھی مراد صرف کثرت مقتولین کا بیان مقصود

۱۔ طبری وابن اثیر والبدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۲۔ بلاذری نے اس واقعہ کا ذکر فتوح الشام کے زیر عنوان لکھا ہے۔ اور بحالئے بنت ربیعہ کے بنت حبیب بن بکیر لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون ربیعہ بن بکیر کی بیٹی نہیں بلکہ عقیقی تھیں۔ فتوح البلدان ص ۱۱۔

ہے۔ ورنہ ظاہر ہے اس زمانہ میں کسی فریق کیلئے اتنی بڑی فوج کا میدان جنگ میں انتظام کرنا ممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔

حضرت خالدؓ کا حج | فراض کی جنگ سے ۲۵ ذی القعدہ ۳۷ کو فراغت ہوئی تھی اب حج میں صرف پندرہ دن باقی تھے۔ حضرت خالدؓ نے حج کا ارادہ کر لیا دشوار گزار طویل مسافت کو ان چند دنوں میں طے کر کے اس رازداری کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور گئے کہ فراض کی جنگ سے فارغ ہو کر پھر اسی فوج سے آئے، حیرت میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے اور ان لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلا کہ حضرت خالدؓ حج کر آئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق اس سال امیر حج خود حضرت ابو بکرؓ تھے۔ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت عمرؓ تھے بہر حال امیر الحج کو بھی ذرا خبر نہ ہوئی کہ ان کے قافلہ حجاج میں خود خالد بن الولیدؓ بھی ہیں جو شام کی سرحد پر مصروف جنگ تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالدؓ کا یہ فعل ان کے کمال عزم و ہمت شجاعت و شہامت اور جو اندر دی و قوت کی دلیل ہے۔ لیکن چونکہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر محاذ جنگ سے اس طرح چلا جانا ڈسپلن کے خلاف تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ کو ایک عتاب نامہ لکھا کہ تم کو اپنی فتوحات پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ اور سخت تاکید کی کہ آئندہ اس طرح کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔

عراق میں حضرت خالدؓ کا قیام محرم ۳۷ سے صفر ۳۷ تک کم و بیش ایک برس اور دو مہینہ رہا۔ لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے جو فتوحات حاصل کیں وہ جنگ و حرب کی تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے۔ ان جنگوں کا دائرہ خلیج فارس سے شام کی سرحد فراض تک وسیع ہے اور پھر جنگ صرف کسی ایک قوم سے نہیں بلکہ ایرانی رومی اور عرب قبائل ان تینوں کے متحدہ لشکروں سے جو تعدادیں ساز و سامان اور اسلحہ میں مجاہدین اسلام سے ہر طرح برتر تھے۔ ان تمام معرکوں میں ایک موقع بھی ایسا نہیں ہے جہاں

مسلمانوں کو شکست ہوئی ہو۔
 اس کے علاوہ اس پر بھی غور کرو کہ اس زمانہ کے عام قاعدہ کے برخلاف حضرت خالدؓ
 جس شہر یا قصبہ کو فتح کرتے تھے اس کے نظم و ضبط کا باقاعدہ بندوبست بھی کرتے تھے
 ایک امیر پورے علاقہ کا نگران اور حاکم ہوتا تھا اور اس کے ماتحت ٹیکس وصول کرنے والے
 دوسرے لوگ ہوتے تھے۔ کسانوں کے ساتھ ہمیشہ غیر معمولی رعایت اور ملاحظت کا
 معاملہ کیا جاتا تھا اور زمین دار و اور جاگیر داروں کے ظلم سے ان کو نجات دلائی جاتی تھی اس بنا
 پر حضرت خالدؓ کی حیثیت ایک فاتح اعظم کی تھی۔ نہ کہ محض ایک حملہ آور کی۔ ان کی فتح
 کا مقصد تعمیر تھا نہ کہ تخریب۔

فتوحاتِ شام

شام کی فتوحات سے متعلق مؤرخین کے بیانات بڑے مختلف اور پچھیدہ ہیں۔ حضرت
 ابو بکرؓ نے پہلا لشکر کب بھیجا؟ اور وہ لشکر کونسا تھا؟ ان شکروں کے امراء کون کون تھے؟
 یہ چند سوالات ہیں جن کا جواب ایک نہیں ہے۔ طبری میں متعدد روایات ہیں جن سے متعدد
 باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بلاذری کے بیانات بہت بے ترتیب اور الجھے ہوئے ہیں جن سے ایک
 شخص کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکال سکتا۔ ان میں سے بعض بیانات طبری کی روایتوں کیسا تھے
 مطابقت رکھتے ہیں اور بعض ان کی بالکل ضد ہیں۔ ابواسماعیل اللزدی اور واقعہ کے بیانات
 کا حال یہی ہے۔ ابن اثیر ابن خلدون اور عماد الدین ابن کثیر نے زیادہ تر طبری کی روایات کا ہی
 تتبع کیا ہے۔ لیکن ہم نے ان سب مآخذ کو سامنے رکھ کر واقعات شام کو ایک خاص طرز پر
 مرتب کیا ہے جس سے واقعات میں تاریخی تسلسل بھی باقی رہتا ہے۔ اور منطقی ترتیب بھی قائم
 رہتی ہے۔ صفحات آئندہ سے قارئین کو خود اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

شام کی سرحد پر لشکر کا تعین | مؤرخین عام طور پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ اہل ارتداد کے
 معاملہ سے فارغ ہو گئے تو آپ نے شام کی طرف توجہ کی ہے لیکن ہمارے خیال میں
 زیادہ صحیح یہ ہے کہ توکل اور موتہ کے واقعات نے ہر تہل (قیصر روم) کو ہوشیار کر ہی دیا تھا
 کہ اس کے بعد ہی حضرت اسامہؓ کو مشارف شام میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ اس صورت
 حال نے قیصر روم کو جو ایرانیوں پر اپنی فتوحات کے نشہ میں غرق تھا بکھلا دیا اور اس نے اپنی
 سرحدوں پر فوجی دستے متعین کرنے شروع کر دیے چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں

فلنذالک هرقل وهو بحمص
فدعی بطارقه فقال هذا الذی
حذر تکون ابیتما ان تقبلوه منی
قلصارت العرب تاتی من مسیره
شهر فتخیر علیکم ثم تخرج من
ساعتها ولم تکلمو - قال اخوه
نیاف فابعث رابطة تکون باللقاء
فبعث رابطة واستعمل علیهم
رجلا من اصحابه فلم یزل
مقیما حتی تقدمت البعوت الی
الشام فی خلافة ابی بکر وعمر
هرقل حمص میں تھا جب اس کو (جیش اسامہ
کی کامیابی کی) خبر پہنچی تو اس نے اپنے پادریوں
کو بلایا اور کہا یہی وہ بات ہے جس سے میں تم
کو ڈرایا کرتا تھا۔ لیکن تم اس کو ماننے سے انکار کرتے
تھے، دیکھو یہ عرب ایک مہینہ کی مسافت پر
آتے ہیں تم پر لوٹ مار مچاتے ہیں اور فوراً ہی زخم
کھائے بغیر واپس چلے جاتے ہیں۔ ہرقل کے بھائی
نیاف نے کہا تو آپ بلقا میں ایک دستہ فوج
متعین کر دیجیے۔ چنانچہ ہرقل نے ایسا ہی کیا ایک
دستہ متعین کر دیا اور اپنا ایک معتمد ان کا چارج
آفیسر بنادیا۔ یہ دستہ اس وقت تک برابر رہا جبکہ ابوبکرؓ
وعمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں شام کی طرف لشکر
لے کر شروع ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے اور ظہر جب قیصر روم یہ سب کچھ سرحدی انتظامات کر رہا تھا تو یہ کیونکر ممکن
ہے کہ اس طرف حضرت ابوبکرؓ کو اس کی خبر نہ ہوتی اور آپ اس کے جواب میں اپنی سرحدوں پر
کوئی فوجی دستہ حقیقتاً تقدم کے طور پر متعین نہ فرماتے اس کی ضرورت خاص طور پر
اس لیے بھی تھی کہ مسلمان جس زمانہ میں باغیوں کے ساتھ اُلجھے ہوئے تھے ان کی اس
مصرفیت سے فائدہ اٹھانے کی عرض سے قیصر روم اندرون عرب گھس کر مسلمانوں
پر حملہ کرنے کا خیال کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے عین اس زمانہ میں جبکہ حروب ارتداد
جاری تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن سعیدؓ کو حوالہ الساقون الاولون میں سے تھے
شام کی سرحد پر ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر بھیجا۔ چونکہ مورخین نے جیسا کہ ہم نے شروع

میں کہا ہے۔ شام کے واقعات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا ہے اس لیے وہ عام
طور پر خالد بن سعیدؓ کے تقرر کو حروب ارتداد کے بعد کا واقعہ لکھتے ہیں جبکہ شام کی طرف
باقاعدہ فوجیں روانہ ہونی شروع ہوئی ہیں۔ لیکن ہمارا قیاس یہی ہے کہ خالد بن
سعیدؓ کا تقرر عام فوجوں کی روانگی سے بہت پہلے دراصل سرحد کی حفاظت کی عرض سے
ہوا تھا۔ چنانچہ ابن حجرؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

ان ابابکر امروہ علی مشارف الشام فی الردقہ
ابوبکرؓ نے ان کو ارتداد کے دتوں میں شام کی
جوئیوں کا امیر مقرر کیا تھا۔

افسوس تائید طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب خالد بن سعیدؓ
کو تیمار کی طرف روانہ کیا جو شام کی سرحد پر واقع ہے تو ساتھ ہی ہدایت کی کہ وہاں قرب و جوار کے
لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ جو لوگ متردد نہیں ہوئے تھے صرف ان کی خدمات
قبول کریں اور نیز یہ کہ جب تک خود حضرت ابوبکرؓ کا حکم نہ پہنچے اور وہ لوگ خود جنگ میں پہل
نہ کریں اس وقت تک وہ جنگ نہ کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو خالد بن سعیدؓ کی طرف
سے کچھ تذکرہ تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت سے ایک یا دو مہینہ
کے بعد جب یہ یمن سے جہاں وہ آنحضرتؐ کی طرف سے متعین تھے۔ مدینہ واپس آئے تو
انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اپنی ناگواری کا
اظہار کیا تھا لیکن جب حضرت علیؓ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ابوبکرؓ کی خلافت صحیح خلافت
ہے نہ کہ تغلب تو وہ چپ ہو گئے۔ اس تذکرہ کی وجہ سے حضرت خالد بن سعیدؓ کو مشارف شام کا
امیر مقرر کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور خالد بن سعیدؓ کو امارت سے معزول کر دینے
کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے اس مشورہ کو اس صورت میں قبول فرمایا کہ خالدؓ
کو امارت سے تو معزول کر دیا لیکن مسلمانوں کے مددگار کی حیثیت سے ان کو شام بھیج دیا۔

اصل الفاظ یہ ہیں۔

و وجعلہ رداً للمسلمین بآیاءہ اور ان کو تیار میں مسلمانوں کا مددگار بنادیا۔
یہاں اس سے بحث نہیں کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی؟ بہر حال سردا جس کا انگریزی
ٹھسٹ ترجمہ AUXILIARY FORCE ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خالد بن
سعید لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف سرحد کی حفاظت اور اس کی نگہداشت کیلئے بھیجے گئے تھے
تاکہ اگر قبصر کی طرف سے کوئی حملہ ہو تو اس کی روک تھام کی جاسکے۔

جب تک عرب میں ارتداد و بغاوت اور اس کے ساتھ جنگ کا سنگا مدبر پارہا۔ غالباً قبصر
اس خیال میں رہا کہ اسلام اس سے عہدہ برآئے ہو سکے گا اور وہ خانہ جنگیوں کی اسی آگ میں جل
بھسن کر بھسم ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ اس کو یہ خیال بھی ہو گا اگر ان حالات میں اس نے خود حملہ
کر دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ متحدہ قومیت عرب کی رگ حمیت میں جوش پیدا ہو اور اس کی وجہ سے پورا
عرب باہمی جنگ کو بالائے طاق رکھ کر خود اس کے مقابلہ پر آجائے۔ بہر حال یہ یا اسی طرح کے
کچھ اور اسباب تھے کہ قبصر نے اپنی سرحدوں پر جو دستے متعین کیے تھے وہ اسی طرح وہاں
پرے سے اور انہوں نے کوئی حملہ یا جنگی اقدام نہیں کیا۔

قبصر روم کی جنگی تیاری لیکن یمن۔ حضرت موت اور عثمان کے علاقوں میں مسلمانوں کو پے در پے
جو فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ انہوں نے قبصر کو بدحواس کر دیا۔ اور اب اس نے ہرا، تنوخ
میلح، عسان، کلب، الحکم اور جذام وغیرہ عرب قبائل جو حدود شام میں آباد اور قبصر کے باج
گزار تھے ان سب کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کی خلاف ایک نہایت عظیم الشان فوج جمع کر لی
اور بڑے پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر مسلمانوں کو حروب ارتداد میں خاطر خواہ
کامیابی ہو چکی تھی۔ یمن اور اس کے آس پاس کے علاقے ان کے قبضہ میں آ گئے تھے اور
دوسری جانب جبرہ فتح ہو گیا تھا۔ دومۃ الجندل نے مجاہدین اسلام کیلئے اپنے دروازے کھول
دیئے تھے اور اس کی وجہ سے وادی سرعان کے راستے شام میں داخل ہونا آسان ہو گیا تھا۔ اس
لیے اب حضرت ابو بکرؓ کو قبصر روم کی عظیم الشان جنگی تیاریوں کی اطلاع ہوئی۔ تو اپنے بھی شام

۱۔ فتوح الشام للواقدي۔ شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ ص ۲۔

پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مشاورت | چونکہ یہ ایک نہایت اہم اقدام اور غیر معمولی مہم تھی اس لئے صحابہ سے مشورہ لینا اور ان
کی رائے معلوم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ماہ صفر ۳ھ میں حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجلس
مشاورت طلب کی جس میں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ
سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہم تمام اکابر اور نامور صحابہ
اور مہاجرین و انصار شریک تھے۔ اس مجلس میں پہلے حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کی اور فرمایا کہ
آنحضرتؐ نے شام کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی تھی لیکن اسی درمیان میں اللہ نے آپؐ کو اپنے پاس
بلالیا۔ عرب ایک ہی باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو شام روانہ کروں
آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اے خلیفہ رسولؐ! آپ کی اطاعت
ہم پر واجب ہے۔ آپ جہاں کہیں جانے کا ہم کو حکم کریں گے اس کا بجالانا ہمارا فرض ہو گا اے
ابو اسماعیل اللزدی نے اس موقع پر نقل کیا ہے کہ اس مجلس مشاورت میں خالد بن سعید
الاموی بھی شریک تھے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے شام جانے کیلئے اپنا نام پیش کیا تھا۔ لیکن
طبری۔ ابن اثیر اور ابن خلدون کے بیانات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس لیے صحیح وہ
ہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی یہ کہ خالد بن سعید اس وقت یمن میں تھے اور یہ مجلس درحقیقت
ہوئی ہی تھی اس وقت جبکہ حضرت ابو بکرؓ کو خالد بن سعید کے خط سے ہرقل کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تھا۔
دعوت نامے | جب سب صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا اور اس پر ہم تصدیق
ثبت کر دی تو چونکہ قبصر روم کی طاقت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور اسی وجہ
سے مجلس مشاورت میں حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا تھا وہ انھا اللدوم وبنوا الاصفرحد
حدید درکن شدید۔ یہ اہل روم بہت تیز دھار اور مضبوط ستون ہیں۔ اس بنا پر حضرت
ابو بکرؓ نے حجاز اور یمن کے تمام امراء قبائل کے نام شرکت جہاد کے دعوت نامے بھیجے

۱۔ فتوح الشام للزدی ص ۴۔ ۲۔ فتوح الشام للواقدي ص ۳-۴۔ ۳۔ فتوح الشام

للزدی ص ۷۔ ۴۔ تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۹۔

قبائل کا جوش و خروش | قبائل نے بڑی خوش دلی اور جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت کو اور ان کی مدینہ میں آمد لے لیک کہا اور جوق در جوق مدینہ میں آنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ذوالکحلہ الحیرمی نے حضرت ابوبکرؓ کے خط کا مضمون سنایا تھا کہ فوراً ہتھیار سج۔ گھوڑے پر بیٹھ اپنی قوم اور یمن کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے روانہ ہو گئے اسی طرح قیس بن ہبیرہ المرادی ندح کو خند بن عمرو الدوسی قبیلہ ازد کو۔ اور جالس بن سعد الطائی قبیلہ طے کے مجاہدین کو ساتھ لیکر چل پڑے۔ انس ابن مالک جو آنحضرتؐ کے خادم خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے یہ تمام خطوط لیکر گئے تھے۔ انہوں نے واپس آکر حضرت ابوبکرؓ کو مرثدہ سنایا کہ آپ کی دعوت جہاد کا یہ اثر ہوا ہے کہ قبائل یمن جس حالت میں تھے اسی میں وہ اپنی عورتوں، بال بچوں اور جمع پونجی کو لیکر روانہ ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو بے حد مسرت ہوئی۔ دوسرے دن اہل مدینہ کو ساتھ لیکر ان مجاہدین اسلام کے استقبال کیلئے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ قبائل یمن میں سب سے پہلے قبیلہ حمیر ہونچا جو ہتھیار بند تھا ذوالکلاع ایک عمامہ باندھے اس قبیلہ کی پیشوائی کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ابھی ان کا استقبال کر رہے تھے کہ قبیلوں کی آمد کا تانا بندھ گیا۔ مدینہ کے قریب مقام جوف میں ان سب قبائل کیلئے خیمے لگا دیئے گئے تھے وہیں ان کو ٹھہرایا گیا۔

قیصر روم کے نام ابوبکرؓ کی سفارت | اسی درمیان میں اتمام حجت کرنے کی عرض سے حضرت ابوبکرؓ نے قیصر روم کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی جس کے ذریعے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حافظ ذہبی نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے لے

سدا رمی مورخ سابیوس (SABEOS) نے بھی ذکر کیا ہے کہ اس زمانہ میں قیصر کے پاس ایک اسلامی سفارت آئی تھی اس کے بیان کا ترجمہ ہیولش مان نے اپنی کتاب میں کیا ہے

لے فتوح الشام للواقدی ص ۳۳ و فتوح الشام للزادی ص ۷ و تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۱۲۹
لے تاریخ کبر حالات ابوبکرؓ مخطوطہ بزم ادب حیدرآباد دکن۔

اور وہ یہ ہے

و انہوں (مسلمانوں) نے تب ایک سفارت بیزنطینی شہنشاہ کے پاس بھیجی اور کہا خدا نے یہ علاقہ ہمارے جد (حضرت ابراہیمؑ) اور ان کی ذریت کو عطا کیا تھا تو اس پر بہت دنوں سے قابض ہے وہ ہمیں صلح اور آشتی کیساتھ واپس کر دے پھر ہم تیرے ملک میں نہیں آئیں گے۔ قیصر نے انکار کیا اور وہ جواب نہیں دیا جس کی سفیر کو توقع تھی۔ قیصر نے کہا یہ ملک میرا ہے اور تیرا حصہ تو صحر ہے جا وہاں امن سے رہ لے

قبائل کی بے قراری | اس اتمام حجت کے بعد حضرت ابوبکرؓ فوجوں کی ترتیب اور ان کیلئے ساز و سامان کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ مہم نہایت اہم درپیش تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ جو قدم اٹھاتے تھے کامل غور و فکر اور پورے خرم احتیاط سے اٹھاتے تھے۔ اس بنا پر فوجوں کی روانگی میں تاخیر ہو رہی تھی۔ یمن اور حجاز کے جو قبائل حریف میں خیمہ لگن تھے ان کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ جب کچھ زیادہ دن ہو گئے تو قیس بن ہبیرہ المرادی اور چند لوگوں کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ ہمارا ایمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے یا تو ہمیں شام روانہ کیجیے ورنہ اجازت دیجیے کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اطمینان دلایا کہ تم ہی لوگوں کے انتظامات کی تکمیل کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے لے

اسلامی فوج کے عناصر ترکیبی | شام کیلئے جو فوج روانہ ہونیوالی تھی اس کی یہ خصوصیت خاص طور پر لحاظ میں رکھنے کے قابل ہے کہ اس میں یمن اور حجاز کے ممتاز بہادر اور جنگجو قبائل کے علاوہ اکابر صحابہ جو بدر و احد کے معرکوں میں شریک رہ چکے تھے اور اجلہ مجاہدین و انصار جو اسلام کی عمارت کے ستون اعظم تھے یہ بھی شامل تھے ایسے صحابہ کی تعداد تین سو بیان کیجاتی ان کے علاوہ عکرمہ بن ابی جہل جو حروب ارتداد کے سلسلہ میں کندہ حضرت موت اور عمان وغیرہ کی مہم سر کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ ان کو بھی ایک تازہ دم فوج

لے منقول از "آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی" ص ۲۸۰

لے فتوح الشام للواقدی ص ۶

دیکر شام کے محاذ پر روانہ کیا گیا۔ عمرو بن العاص مرتدین کے استیصال کے بعد سے قضاء میں مقیم تھے، اُن سے پوچھا گیا وہ کیا چاہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا اے امیر المؤمنین! میں اللہ کا تیرہوں جس طرح آپ چاہیں اس کو استعمال کر سکتے ہیں، اس جواب کے بعد ان کو بھی مدینہ طلب کر لیا گیا۔

افواج کی روانگی اب فوجوں کی روانگی کا وقت آگیا تھا حضرت ابو بکر نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر مجاہدین اسلام کے اجتماع عظیم کا جائزہ لیا اور ان کے جوش و خروش اور جذبہ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ پھر مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا۔ واقفی نے ان لشکروں کو ایک ایک ہزار افراد پر مشتمل بتایا ہے اور لشکروں کی تعداد تین لکھی ہے۔ لیکن حافظ عماد الدین ابن کثیر نے لشکروں کی تعداد چار بتائی ہے اور ہر ایک لشکر کو تین تین ہزار مجاہدین پر مشتمل لکھا ہے۔ اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں روایات کے اختلاف کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لشکر آگے پیچھے روانہ ہوئے ہیں اور بعض چھوٹے لشکروں کو کسی ایک بڑے کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ اس بنا پر افراد کی تعداد میں بھی اختلاف ہے اور خود لشکر کی تعداد میں بھی۔ ان چار لشکروں میں سب سے بڑا لشکر یزید بن ابی سفیان کا تھا جس میں اہل مکہ اور اہل یمن دونوں قسم کے حضرات شامل تھے ان کے علاوہ ایک لشکر ابو عبیدہ بن الجراح۔ دوسرا عمرو بن العاص اور تنیر اثر جلیل بن حسنہ کی سرکردگی میں تھا۔ مورخین نے لشکروں کی تعداد جو تین بیچارہ لکھی ہے ہماری رائے میں اس سے مراد بڑے اور کسی نہ کسی حیثیت سے اہم لشکر میں درجہ در حقیقت لشکروں کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ چنانچہ عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں جو لشکر تھا اس کا ذکر اوپر آ ہی چکا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لشکروں کو الگ الگ روانہ کرتے اور ان کو الوداع کہنے کیلئے مدینہ کے باہر تک یا پیادہ تشریف لاتے تھے رخصت کرنے سے قبل ہر ایک لشکر کو خاص خاص ہدایات اور نصائح تلقین فرماتے جس کا ذکر آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔ اور پھر ان کے حق میں بارگاہ ایزدی میں کمال خضوع و خشوع کیساتھ دعا کرنے کے بعد۔ خدا حافظ کہتے تھے

ان لشکروں کو آپ نے جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ ہدایت بڑی اہم تھی کہ وہ سب ایک ہی راستے سے نہ جائیں بلکہ مختلف راستے اختیار کریں۔ چنانچہ یزید بن ابی سفیان جن کو دمشق کے محاذ پر بھیجا گیا تھا۔ ان کو حکم ہوا کہ تبرک کے راستے سے جائیں۔ عمرو بن العاص جو فلسطین کے محاذ کیلئے مقرر کیے تھے۔ وہ ایلہ کی راہ گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ ان لشکروں کی روانگی جمعرات کیدن یکم صفر ۳۱ھ کو ہوئی تھی۔

ظاہر ہے شام کے محاذ کیلئے بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع ہوئی کہ قیصر نے بہت بڑے سپاہیہ پر جنگ کی تیاریاں کی ہیں تو آپ نے بعد میں اور لشکر بھی آگے پیچھے روانہ کیے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ شدہ شدہ ہر امیر کے ماتحت ساڑھے سات ہزار مجاہدین کا لشکر ہو گیا تھا۔ اور اس طرح کل تعداد چوبیس ہزار تھی۔ لیکن ظاہر ہے یہاں پھر مورخین کو التباس ہو گیا ہے۔ کیونکہ لشکر تین ہزار یا چار، بہر حال اگر ہر لشکر میں ساڑھے سات ہزار کی مساوی تعداد تسلیم کر لی جائے تو اس اس حساب سے مجموعی تعداد چوبیس ہزار نہیں ہوتی۔

رد میوں سے پہلا مقابلہ یاد ہو گا کہ خالد بن سعید پہلے سے تیمار میں متعین تھے ہی۔ ان کو حضرت ابو بکرؓ نے تاکید کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر اقدام جنگ نہ کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے قیصر کی فوجوں کا اجتماع عظیم دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع کی آپ نے حکم بھیجا کہ وہ اچھا اب آگے بڑھو لیکن ساتھ ہی تاکید کی کہ اندرون ملک گھسے مت چلے جانا ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن تمکو پیچھے سے آدباٹے لے۔ لیکن خالد بن سعید نے جوش میں اس نصیحت کی کچھ پروا نہیں کی انہوں نے اقدام کیا اور رومی اس سے پسپا ہوئے تو یہ اپنی فوج لیے اندر ملک گھسے چلے گئے۔ رومی فوج کا افسر اعلیٰ بابان تھا جو اپنے عہد کا نامور ماہر جنگ تھا۔ بابان نے دمشق کا رخ کیا۔ خالد بھی اسی طرف اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ واقصہ اور دمشق کے درمیان مرج الصفر کے نام سے جو مقام ہے وہاں پہنچ کر دم لیں گے۔ اور اس کو اپنی فوجی قیام گاہ بنائیں گے۔ لیکن درحقیقت بابان کی یہ پسپائی نہیں تھی

بلکہ ایک زبردست جنگی چال تھی۔ چنانچہ ابھی خالد بحیرہ طبریہ کے شرق کی جانب مرج الصفر کے قریب ہی تھے کہ بابان اچانک راستہ بدل کر اسلامی فوج کے عقب میں آگیا اور اس طرح اس کو گھیر لیا کہ اب لوٹنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ خالد بن سعید کا بیٹا سلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ کہیں الگ تھلگ رہ گیا تھا۔ بابان کا قابو چل گیا۔ اور ان سب کو قتل کر دیا۔ خالد کو بیٹے کے اس طرح مارے جانے کا صدمہ اس قدر شدید ہوا کہ پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ پڑے۔ مدینہ کے قریب ایک مقام ذوالمرہ ہے وہاں پہونچ کر دم لیا حضرت ابو بکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت ملال ہوا۔ اور خالدؓ کو لکھا جو کچھ ہوا سنا ہوا۔ لیکن اب اپنی جگہ نہ چھوڑو۔ بلکہ یہاں تک فرمایا اگر میں خالدؓ کے متعلق عمرؓ اور عبیدہؓ کی رائے دیکھ دوں خالدؓ کو امیر مقرر کر نیکیے خلاف تھے، مان لیتا تو یہ من نہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اسلامی لشکر کے مختلف محاذ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ سے جو لشکر روانہ کیے تھے انہوں نے خلیفہ رسولؐ کے حکم کے مطابق مختلف محاذوں پر پہنچ کر رٹاؤ ڈال دیا تھا۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ دمشق کے راستہ میں شرحبیل بن حسنہ طبریہ اور ہزار دن کے بالائی حصہ میں یزید بن ابی سفیان بلقاء میں جہاں سے وہ بصریؓ پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے اور عمرو بن العاصؓ عرب میں جبرون کیلئے خطرہ کی گھنٹی بنے پڑے تھے۔ یہ لشکر الگ الگ اور دوسرے سے علیحدہ تھے لیکن ان کے امراء میں باہمی مراسلت و مشاورت کا سلسلہ برابر جاری تھا ان تمام اسلامی لشکروں کی مجموعی تعداد عام روایات کے مطابق تیس ہزار تھی۔

فیصلہ دوم کے لشکروں کی ترتیب | فیصلہ دوم کو ان اسلامی لشکروں کا علم ہوا تو اس نے بہت بڑے پیمانہ پر اپنے لشکر مرتب کیے تھے اس کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ اسلامی لشکروں کو کسی ایک محاذ پر جمع ہونے نہ دے تاکہ وہ سب اجتماعی قوت کیساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

لے طبری ج ۲ ص ۵۸۹ - ۲ شرحبیل بن حسنہ دراصل حضرت خالد بن الولید کی طرف سے عراق کا شرذمہ فتح پیکر آئے تھے۔ لیکن یہاں شام کی ہم درپیش تھی اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک لشکر دے کر سیدہ شام بھیج دیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ہرقل (HIERACLINS) نے شروع میں رومی سرداروں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو مشورہ دیا تھا کہ مسلمانوں کیساتھ صلح کر لیں لیکن ان لوگوں نے جب اس کی ایک نہیں سنی تو پھر مجبور ہو کر اس کو جنگ کی تیاری کرنی پڑی ج ۲ ص ۲۸۸

اور چونکہ اس کے پاس فوج بے شمار تھی اس لیے اس کو یقین تھا کہ مسلمان محاذوں پر بٹ کر اس کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ فیصلہ پہلے خود حمص آیا جہاں شام کی ایک عظیم الشان فوجی جھاوٹی تھی اور یہاں لشکروں کی ترتیب۔ اُن کیلئے ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کا کام شروع کر دیا۔ جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے چار لشکر اس طرح روانہ کیے۔

(۱) ایک لشکر جو سب سے بڑا اور نوے ہزار بہادروں پر مشتمل تھا۔ عمرو بن العاصؓ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت ہرقل کا حقیقی بھائی تھیوڈورس (THE ODOROS) کر رہا تھا۔ اس نوے ہزار کے مقابلہ میں عمرو بن العاصؓ کے پاس جو لشکر تھا وہ سات آٹھ ہزار سے زیادہ نفوس پر مشتمل نہیں تھا۔

(۲) دوسرا لشکر جو ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا ابو عبیدہؓ کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا اس لشکر کا قائد پیٹر (PETER) تھا جس کو عرب مؤرخین فیقار بن لسطوس لکھتے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی فوج بھی سات آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

(۳) تیسرا لشکر جس کا قائد سرجیس (SERGIUS) تھا عرب مؤرخین اس کو جرجین تو ذرا لکھتے ہیں یزید بن ابی سفیان کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔

(۴) چوتھا لشکر دراقص کے ماتحت تھا جو شرحبیل بن حسنہ کیساتھ جنگ کرنے کیلئے بھیجا تھا مسلمانوں کو ان لشکروں کے اجتماع عظیم اور ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو اپنی قلت تعداد کی وجہ سے کچھ اندیشہ ہوا۔ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ ادھر ان لوگوں نے (ازدی نے لکھا کہ خود عمرو بن العاصؓ نے) حضرت ابو بکرؓ کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دی تو بارگاہ خلافت سے جواب آیا کہ تم سب ایک جگہ ہو جاؤ اور ایک لشکر بنا لو اس کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ اپنی قلت تعداد کا غم نہ کرو۔ تم اللہ کے دین کے اعوان و مددگار ہو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا پھر حکم دیا کہ تم سب لوگ یرموک میں جمع ہو جاؤ۔

اجتماع یرموک | یرموک دراصل ایک دریا کا نام ہے جو حوران کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مختلف پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اردن کے دریا اور بحر منجمد (DEAD SEA) میں جاملتا ہے۔ یرموک کا یہ دریا اردن کے دریا سے جہاں ملتا ہے اس سے تیس یا چالیس میل کے فاصلہ

پر ایک مقام ہے جس کا نام واقوصہ ہے۔ یہ مقام ایک وسیع نشیبی علاقہ میں ہے اور تین طرف پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ چونکہ یہ بہت وسیع مقام تھا اس لیے قیصر کی فوجوں نے اپنے ہیڈ کوارٹر کیلئے اسی کو منتخب کیا۔

رومی یہاں پہنچ کر لشکر انداز ہو گئے۔ مسلمان دریائے یرموک کے دائیں بازو کو عبور کر کے رومیوں کے بالمقابل فروکش ہو گئے۔ اب تین طرف سے رومی پہاڑوں سے گھیرے ہوئے تھے اور ان کے روبرو جو راستہ تھا اس پر اسلامی فوج قابض تھی۔ اس طرح وہ محصور ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ عمرو بن العاص نے اس قدرتی صورت حال پر اظہار سرت کیا۔ اور مسلمانوں کو مبارکباد دی۔ اس وقت قیصر روم کی فوج تذاویق (تھیرڈرس) کے ماتحت تھی مقدمۃ الجیش پر سر جیس دونوں بازوؤں پر یہاں اور دراقص میلان جنگ کا اسچار ج تھا۔ پیٹر تھا۔ حضرت خالد بن ولید کی نازدگی مسلمان اور رومی دونوں ایک دوسرے کے مقابل اسی حالت میں دو ماہ تک پڑے رہے۔ اس مدت میں معمولی جھڑپوں کے علاوہ کھل کر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو اس صورت حال کی اطلاع ہوئی تو فکر مند ہوئے اور آپ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ عراق میں مثنیٰ کو اپنا قائم مقام بنا کر فوراً شام کیلئے روانہ ہو جائیں۔

اگرچہ حضرت خالدؓ یہاں حیرہ میں مدائن پر حملہ کرنے کا خیال کر رہے تھے۔ لیکن اول تو خلیفہ رسولؐ کا حکم اور پھر اس وقت شام کے محاذ کی اہمیت بہت زیادہ تھی اس لئے شام کیلئے روانہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس موقع پر بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ حضرت خالدؓ صرف لشکر شام کی مدد کیلئے بھیجے گئے تھے اور ان کو وہاں کی افواج کا سپہ سالار اعظم مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

لے مورخین کا اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ شام کیلئے روانگی کے وقت حضرت خالدؓ کے ساتھ فوج کتنی تھی۔ کسی نے نو ہزار کسی نے چھ ہزار۔ کسی نے آٹھ سو۔ چھ سو۔ پانچ سو تعداد بتائی ہے۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷۹) لیکن بلاذری نے آٹھ سو سے پانچ سو تک کی تعداد لکھی ہے (ص ۱۱۶) اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ کیونکہ شام کے محاذ پر صرف حضرت خالدؓ جیسا سپہ سالار نہ تھا۔ فوج لوہوں بھی کافی تھی اور مدینہ سے دسے برابر ہے تھے اس کے علاوہ اب جیکہ حضرت خالدؓ عراق سے جا رہے تھے ضروری تھا کہ وہاں فوج کا قیام تھا۔

کیونکہ شام کے محاذ پر کیا کچھ نہیں تھا۔ کسرتھی تو خالدؓ ایسے سپہ سالار کی تھی اور اسی کسر کو پورا کرنے کیلئے ان کو عراق سے شاگرد شام جانے کا حکم ہوا تھا۔ چنانچہ یہی ہے کہ اس حکم نامہ میں حضرت ابو بکرؓ کے الفاظ یہ سرحتی تالی الجمع من المسلمین تم روانہ ہو یہاں تک کہ یرموک میں جو مسلمان مجتمع بالیرموک فالہم قد شجوا واشجوا۔ ہیں ان سے ملو۔ کیونکہ وہ غزہ ہیں۔

اس کے علاوہ ابواسماعیل اللزیدی نے حضرت خالدؓ کے نام حضرت ابو بکرؓ کا جو خط نقل کیا ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ جب تم وہاں پہنچ جاؤ اور لوگوں سے ملو تو پھر امیر حباہت تم ہی ہو گئے۔ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ واقدی کی فتوح الشام (ص ۴۰) میں ہے، اسمیں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو تمام لشکر شام اور خود حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ طبری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس مارنے شام کا خط پہنچا جس میں مدد بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی تو اسے پڑھتے ہی حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "خالد لہا" یہ معرکہ تو خالدؓ سے ہی سر ہو گا۔

حضرت خالدؓ کی روانگی اب حضرت خالدؓ کے پہلے تدمر آئے۔ جو صحرائے شام کے کنارے وادی فرات سے متصل ہے اور دمشق سے ڈیڑھ سو میل دور اس کے شمال مشرق میں واقع ہے رات میں پانی کی قلت کے باعث بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ اس اثنا میں بعض قبائل سے مدد بھیڑ بھی ہوئی حضرت خالدؓ ان سب کو پساکرتے بڑھتے چلے گئے۔ تدمر سے ثنیۃ العقاب اور وہاں سے مرج راسط پہنچے جو غوطہ دمشق کے مشرق میں ہے، یہاں سے جنوبی سمت میں روانہ ہو کر بصری پہنچے۔

مرج راسط جو دمشق سے پندرہ میل کی مسافت پر ہے غسانیوں کا جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں حضرت خالدؓ نے جنگ کے بعد ان لوگوں کو مغلوب کیا۔ اس کے بعد بصری پہنچے تو یہاں حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے مطابق شرجیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان اس شہر کا محاصرہ کیے پڑے تھے مگر وہ فتح نہیں ہوا تھا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ رومیوں کا سپہ سالار رومانس (ROMANUS) پسپا ہو کر بصری شہر کے اندر دنی حصہ میں

لے فتوح الشام ص ۲۵۸ طبری ج ۲ ص ۵۹۱ ۳ عقاب حضرت خالدؓ نے علم کا نام تھا۔ آپ نے اس جگہ پہنچ کر یہ علم نصب کیا تھا اس لیے اس جگہ کا نام ثنیۃ العقاب ہو گیا۔

گھس کر پناہ گزین ہو گیا اور شہر فتح ہو گیا۔
 واقعہ نے رومانس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص کتب قدیمہ کا عالم تھا اور اس بنا پر اس کو
 معلوم تھا کہ رومیوں کا زوال ایک پیغمبر عرب کے ہاتھوں لفظی تھا اس لئے وہ مسلمان ہونا چاہتا تھا لیکن
 اس کی قوم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کو قتل کر دینے کے درپے ہو گئے۔ افقہ جان کے ڈر
 سے مجبوراً رومیوں کے ساتھ حضرت خالدؓ کے مقابلہ میں آ نکلا لیکن بعد میں مسلمان ہو گیا اور اسلام
 کی حمایت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ابو اسمعیل الازدی نے بصری میں رومی فوج کے سپہ سالار کا نام درنجار لکھا ہے۔ اور رومیوں
 کی تعداد پانچ ہزار اور مسلمانوں کی ایک ہزار بتائی ہے۔ اس کے علاوہ بصری کی فتح سے قبل جو جنگ
 ہوئی اس کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

سرخ اجنادین

بصری کی فتح کے بعد حضرت خالدؓ کا ارادہ تھا کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں۔ لیکن اچانک
 اطلاع ملی کہ قیصر روم نے ایک لاکھ کا لشکر جبار اجنادین میں جمع کر دیا ہے اور اس کے علاوہ چونکہ عیسائی
 مذہب کے پیرواں۔ پادریوں اور لشیوں نے تمام ملک کا دورہ کر کے مسلمانوں کے خلاف آگ
 لگادی ہے اس لیے اطراف کناف سے بھی چھوٹے چھوٹے لشکر برابر آ رہے ہیں، یہ خبر سن کر خالدؓ نے
 پہلی تدبیر یہ کی اسلامی لشکر جو مختلف حصوں میں بٹے ہوئے اور مختلف محاذوں پر تھے ان سب
 کے امیروں کو خط لکھا کہ اجنادین کے محاذ پر آکر جمع ہو جائیں اس حکم کی تعمیل میں حضرت ابو عبیدہؓ اپنے
 چند ساتھیوں کیساتھ روانہ ہوئے تو اہل دمشق نے ہزاروں کی تعداد میں عقب سے آکر حملہ کر دیا۔
 حضرت خالدؓ کو اس کا علم ہوا تو فوراً ایک لشکر لیکر موقع پر پہنچے اور رومیوں کو پسپا کر کے دمشق کی طرف
 جانے پر مجبور کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ جس وقت اجنادین کے مقام پر پہنچے
 ہیں ٹھیک اسی وقت دردان جو ایک نامور رومی سپہ سالار تھا ایک لشکر جبار لیے ہوئے اجنادین پہنچ گیا
 لیکن دوسری طرف اس وقت تک حضرت عمرو بن العاص۔ یزید بن ابی سفیان اور شرجیل بن حسنہ

بھی حضرت خالدؓ کی دعوت پر اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ حضرت خالدؓ نے اب پوری
 اسلامی فوج کا جائزہ لیا۔ ان کی صف بندی کی اور ایک ایک دستہ کے پاس پہنچ کر ان کو جہاد اور
 قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت یاد دلانی۔ خواتین اسلام بھی اس جنگ میں شامل تھیں۔ ان کو مردوں
 کی صفوں کے پیچھے کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان میدان جنگ چھوڑ کر بھاگتا ہوا تمہارے
 پاس سے گزرے تو اس کو غیرت دلانا اور شرمندہ کرنا۔

آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ عموماً جنگ ظہر کی نماز کے بعد شروع کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ
 نے اس اسوہؐ بنی پر عمل کرنے کے خیال سے نماز ظہر کے وقت تک کیلئے جنگ کو ٹالنا چاہا۔ لیکن
 رومیوں نے پیش قدمی کر کے حملہ کر دیا۔ اسلامی فوج کے میمنہ پر معاذ بن جبل اور میسرہ پر حضرت
 عمرؓ کے بھتیجہ سعید بن زیدؓ تھے۔ رومیوں نے اسلامی لشکر کے ان دونوں بازوؤں پر اس زور کی تیر
 باری کی کہ مجاہدین کے گھوڑے بدکنے لگے اور خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے
 یہ رنگ دیکھا تو شہسواروں کو حکم دیا کہ حملہ کریں اور خود اس میں پیش قدمی کی۔ حضرت خالدؓ کا حملہ
 کرنا تھا کہ پوری اسلامی فوج ایک سیل رواں کی طرح آگے بڑھی اور دشمنوں پر چھا گئی۔ اب دشمن کیلئے
 بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ حمص اور دمشق میں جا کر پناہ لی۔ تھوڑے روزوں میں افواج کا
 سپہ سالار اعظم تھا اس نے بھاگ کر حمص میں جہاں قیصر سیرے سے موجود تھا۔ پناہ لی۔ قیصر نے بڑی ذلت
 و خواری کیساتھ اس کو معزول کر دیا اور آخر اسی حالت میں وہ مر گیا۔ ابو اسمعیل الازدی کے بیان کی مطابق
 تین ہزار رومی مارے گئے اور مسلمانوں کا بھی نقصان کافی ہوا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ یہ جنگ ۱۸

جمادی الاولیٰ یا ۲ جمادی الاخریٰ ۳۳ھ کو ہوئی ہے۔ لیکن ابو اسمعیل الازدی نے لکھا ہے کہ اجنادین
 کی جنگ جو شام میں سب سے پہلی بڑی جنگ تھی ہفتہ کیدن ۲۸ جمادی الاولیٰ ۳۳ھ کو دوبرکھ وقت ہوئی
 حضرت خالدؓ کا خط | فتح کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے عبدالرحمن بن حنبل الجمعی کے ہاتھ
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نام | حضرت ابو بکرؓ کے نام ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ہم میں اور مشرکوں میں
 ۳۳ھ جنگ ہوئی۔ ان لوگوں نے ہمارے مقابلہ میں بڑے بڑے لشکر مقام اجنادین میں جمع کر

لے فتوح الشام از صفحہ ۴۹ تا ۷۱ لے فتوح البلدان ص ۱۲۰ لے ابی روم در حقیقت عیسائی تھے لیکن
 حضرت خالدؓ نے ان کو مشرک اس لیے کہا ہے کہ یہ لوگ اصل عیسائیت سے گمراہ ہو کر حضرت عیسیٰ (باقی بر صفحہ ۲۸۸)

رکھے تھے یہ لوگ اپنی صلیبیں اور کتابیں اٹھائے ہوئے تھے اور اس بات کی قسم کھالی تھی کہ میدان جنگ سے فرار اختیار نہیں کریں گے اور ہم کو اپنے ملک سے باہر نکال کر ہی دم لیں گے۔ ہم اللہ پر بھروسہ کر کے ان کے مقابلہ کو آگے بڑھے۔ پھر ہم نے تیروں سے کام لیا۔ اس کے بعد تلواروں کی نوبت آئی اور شمشیر کی جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے ہم پر اپنی مدد نازل کی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی وفات سے چوبیس دن پہلے کا ہے۔ آپ کو حضرت خالدؓ کا مکتوب ملا تو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا: "جمع حمد ثابت ہے اس اللہ کے لئے جس نے مسلمانوں کی مدد اور میری آنکھیں اس شرذمہ فتح سے ٹھنڈی کیں۔"

جنگ اجنادین کے بعد کیا ہوا؟ اس باب میں بھی روایات مختلف ہیں۔ ابواسمعیل الازدی کا بیان ہے کہ حضرت خالدؓ نے دمشق کا رخ کیا۔ اور فوج نے جا کر شہر کا محاصرہ کر لیا ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہو گئی۔ لیکن بلاذری کی روایت یہ ہے کہ اجنادین کے بعد رومیوں کا اجتماع واقوصہ (بلاذری میں یا قوصہ لکھا ہوا ہے) میں ہوا۔ حضرت خالدؓ کو اطلاع ہوئی تو واقوصہ پہنچ کر جنگ کی رومی شکست کھا کر بھاگے اور شام کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ مسلمان ابھی واقوصہ میں ہی تھے کہ خلیفہ رسولؓ کی وفات کی اطلاع ملی گئی۔

ایک بحث: جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ خلافت صدیقیؓ کے عہد میں شام میں جو فتوحات ہوئی ہیں ان سے متعلق بڑے بڑے شدید اختلاف ہیں یہاں تک کہ خود اس میں بھی اختلاف ہے کہ یرموک کا واقعہ عہد صدیقی میں پیش آیا یا خلافت مروانی میں؟ لہری اور ابن اثیر یرموک کے اس واقعہ کو اجنادین سے پہلے مانتے ہیں۔ لیکن ازدی۔ واقدی اور بلاذری کے ہاں سب سے بڑا معرکہ جو شام میں خلافت صدیقی میں ہوا ہے وہ اجنادین ہے۔ اور یرموک کا واقعہ ۷۵ھ میں پیش آیا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ابن اللہ کہتے تھے اور بجائے توحید کے تثلیث کے قائل ہو گئے تھے اس لیے وہ مشرک ہو گئے تھے۔ اے فتوح الشام الازدی ص ۸۱ ۲۵ فتوح البلدان ص ۱۲۱

ہمارے نزدیک غالباً مشکل یہ پیش آئی ہے کہ حضرت خالدؓ کی عراق سے روانگی سے قبل قیصر روم نے اپنی فوجیں مقام واقوصہ میں جو یرموک سے متصل تھا جمع کر دی تھیں تاکہ یہاں ایک فیصلہ کن جنگ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دے۔ اسلامی اور رومی دونوں فوجیں آمنے سامنے تقریباً دو ماہ تک پڑی رہیں۔ لیکن معمولی جھڑپوں کے علاوہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ صورت حال کے اس جمود سے جس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں خطرناک ہو سکتا تھا اکتا گئے تو حضرت خالدؓ کو حکم بھیجا کہ عراق کا محاذ ملثی کے سپرد کر کے شام کیلئے روانہ ہو جائیں وہاں تعمیل حکم میں کیا دیر ہو سکتی تھی۔ راستہ میں متعدد مقامات پر حرب و ضرب کی نوبت آئی اور حضرت خالدؓ کامیابی کیساتھ ان سب سے عہدہ برآ ہوئے ہوئے جنوب مشرق کی سمت سے حدود شام میں داخل ہوئے۔ یہاں انہوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ جنگی نقطہ نظر سے واقوصہ (یا یرموک) کو میدان جنگ بنانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ مقام تین طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ایک طرف سے کھلا ہوا تھا۔ اسی کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بن العاصؓ نے خونری کا اظہار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ دشمن محصور ہو گیا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ بن العاصؓ کی ذاتی رائے تھی لیکن حضرت خالدؓ سمجھتے تھے کہ دشمن کو اس طرح گھیر کر علی الحضور اس وقت جبکہ وہ بڑی شان و شوکت اور ساز و سامان کیساتھ آیا ہو جنگ کرنا دانش مندی نہیں ہے بلکہ جنگ ہمیشہ دشمن کیلئے راہ فرار رکھ کر کرنی چاہیے اس بنا پر حضرت خالدؓ نے واقوصہ کے بجائے دمشق کا رخ کیا۔ اب اسلامی فوجیں جو اس وقت تک واقوصہ میں رومیوں کا راستہ روکے بیٹھی تھیں وہاں سے ہٹیں تو رومیوں نے اجنادین میں مورچہ جما دیا اور تمام فوجیں لاکر یہاں جمع کر دیں۔ حضرت خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو دمشق کا ارادہ ترک کر کے اجنادین پہنچ گئے۔ اور وہاں جو کچھ ہوا تم اس کا حال پڑھ ہی آئے ہو۔ اس تقریر کی روشنی میں دونوں رطبتوں میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں یرموک میں جنگ نہیں ہوئی بلکہ وہاں صرف دونوں طرف کی فوجوں کا اجتماع ہوا ہے۔ اس عہد میں سب سے بڑی جو جنگ ہوئی ہے وہ اجنادین کی ہے۔ چنانچہ لہری جو واقعہ یرموک کو خلافت صدیقی سے منسوب کرتے ہیں انہوں نے بھی علی بن محمد کی

اسناد سے صفحہ ۶۱۱ پر بعینہ یہی بات لکھی ہے جن لوگوں نے واقعہ میں افواج کے اجتماع کو ہی جنگ یرموک سمجھ لیا ہے انہوں نے یرموک کو اجنادین پر مقدم کیا ہے۔ لیکن جن کی نظر اصل جنگ پر ہے انہوں نے یرموک کے واقعہ کو ششہ کا واقعہ لکھا ہے لہذا اللہ اعلم۔

عراق میں بغاوت

حضرت خالد بن ولیدؓ کے عراق سے روانہ ہو جانے کے بعد ثنی بن حارثہ نے ادھر ادھر چھپاؤنیاں قائم کر دیں اور جاسوس جگہ جگہ متعین کر دیے اور خود حیرہ میں مقیم ہو گئے۔ ایرانیوں نے میدان حضرت خالد سے خالی پایا تو ان کا حوصلہ بڑھا اور ادھر کچھ دنوں تک طوائف الملوک کے بعد شہر یرازین اردشیر بن شہریار کی بادشاہت پر سب ایرانیوں کا اتفاق ہو جانیکے باعث ایران میں ایک مضبوط حکومت قائم ہو گئی تھی اس بنا پر شہنشاہ ایران نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہرگز جاندیہ کو حضرت ثنی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس لشکر کیساتھ ہاتھی بھی تھا جس کے ساتھ جنگ کرنا عربوں کا پہلا تجربہ تھا۔ ثنی کو اس فوج کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو مختلف چھپاؤنوں پر جو فوج منتشر تھی ان سب کو یکجا کر لیا۔ اپنے بھائی معنی اور مسعود کو فوج کے دونوں بازوؤں پر مقرر کیا اور بابل میں خیمہ زن ہو گئے۔ یہاں حضرت ثنی کو کسریٰ کا خط ملا جس میں اس نے بڑے گھمنہ طلوہ غرور کے لہجہ میں لکھا تھا کہ تم لوگوں کی طرف جو لشکر بھیج رہا ہوں یہ سرغیاں اور خنادیر

نے اب جبکہ شام کی فتوحات کا باب ختم ہو رہا ہے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس باب کو لکھتے وقت جو فتوح الشام دلائل کی طرف منسوب ہے وہ بھی ہمارے پیش نظر ہی ہے اس کتاب کو سر ویلیام نیرس [SIR WILLIAM NASSARAEES] نے جولے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۰ء تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے تھے بڑی تحقیق اور قابلیت سے اڈٹ کیا اور رسائل الشیخ سوسائٹی بنگال نے اس کو شائع کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ہم اپنی کتاب میں اس سے کچھ زیادہ استفادہ نہیں کر سکے۔ کیونکہ اول تو اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ یہ کتاب مواصلہ تقدیر کی بھی اگر اس کا ثبوت ہر بھی اس میں اسناد طرازی کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ وہ ذیب داستان کا کام تو دیتی ہے تاریخ کا سرمایہ نہیں بن سکتی۔ ۲۔ اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھا گیا ہے شہر بازان۔ شہر باز۔ شہر بزاز اور شہر یران یہ سب روایات ہیں۔

چراغیوں کا لشکر ہے۔ اور تمہاری حیثیت یہ ہے کہ میں تمہارے مقابلہ میں اسی درجہ کے لوگ بھیجوں۔ ثنی نے جواب لکھا تو یاتو باغی ہے یا کاذب ہے۔ اگر باغی ہے تو اس کا انجام تیرے حق میں بڑا ہوگا۔ اور ہمارے لیے اچھا۔ اور اگر کاذب ہے تو جن کا زلوں کو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عذاب اور دنیا میں سب سے زیادہ رسوائی ہوگی وہ بادشاہ ہیں۔ اس کے بعد لکھا کہ یہی سرغیاں اور خنادیر چراغیوں کی بات! تو معلوم ہوتا ہے کہ اب لے دیکے تیرے پاس اسی درجہ کے لوگ رہ گئے ہیں ہم کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

کسریٰ کو یہ جواب ملا تو بڑا گھبراہٹ اور ادھر ایرانیوں کو کسریٰ کے خط کا علم ہوا تو انہوں نے ناراض ہو کر کسریٰ سے کہا کہ نہ آپ ایسا خط لکھتے اور نہ اس کے جواب میں ایسی باتیں سنتے۔ آئندہ کے لئے ان لوگوں نے کسریٰ کو تاکید کی کہ اب جس کسی کو بھی وہ خط لکھے ان سے پوچھ کر لکھے۔

بابل میں دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہوئے اور جنگ شروع ہوئی۔ لیکن ہرگز کا باقی جس طرف رخ کرتا تھا مسلمانوں کی فوج کے بادل پھٹ جاتے تھے۔ حضرت ثنی کیلئے یہ صورت حال بڑی تشویش انگیز تھی۔ آخر انہوں نے جو مسلمان ان کے ساتھ تھے ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے حکم دیا کہ بیک وقت حملہ کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی قتل ہو گیا اور ایرانی شکست خوردہ ہو کر بھاگے۔ مسلمانوں نے میدان تک ان کا تعاقب کیا۔ جو ایرانی ان کے ہاتھ لگے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا ایک شاعر عبدة ابن الطیب السعدي اسی واقعہ کو اشعار ذیل میں بیان کرتا ہے

حلت خویلة فی حی عہد لہم دون المدائن فیہا الدیک والفیل
یقارعون رؤس العجم ضاحیة منهم فارس لا عزل ولا میل
فرزدق کا بھی ایک شعر جس میں اس نے ثنی کے ہاتھوں ہاتھی کے قتل ہونے کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔

وبیت الثنی قاتل الفیل عنوة بابل اذ فی فارس ملک بابل
شہر یراز کو اس شکست کی اطلاع ملی تو بیمار ہو گیا اور چند روز کے بعد ہی مر گیا۔ اب ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا۔ لیکن تاج و تخت اس کے سوا کار نہیں آیا جلد ہی معزول کر دی گئی اس کے بعد سبور بن شہر بزاز بادشاہ ہوا۔

سابور نے فرخ زاد کو وزارت کیلئے منتخب کر لیا۔ اور اس پر اس درجہ مہربان ہوا کہ کسری کی بیٹی آرمیدخت سے اس کی شادی کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ آرمیدخت کو اس کی خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئی۔ اور بولی دو کیا اسے بھائی (ابن عم) آپ میرے ہی غلام سے میرا نکاح کرنا چاہتے ہیں، لیکن سابور نے ذرا پروا نہ کی اور آرمیدخت کو برا بھلا کہہ کر خاموش کر دیا سیاد خشن الرازی نام کا ایک بڑا مشہور حملہ باز ایرانی تھا۔ آرمیدخت نے اس سے ساز باز کر لی۔ چنانچہ شب عروسی میں جب فرخ زاد۔ آرمیدخت کے کمرہ میں داخل ہوا تو سیاد خشن نے اچانک کین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا اور فرخ زاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کے بعد سیاد خشن آرمیدخت اور ان کے ساتھیوں نے سابور کے محل میں گھس کر اسے قتل کیا اور اس کی جگہ آرمیدخت کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔

حضرت مثنیٰ کو اس اور القریٰ اور طواف الملوک کی خبریں پہنچیں تو اطمینان ہوا تاہم اگر آج یہ حالت تھی تو ضروری نہیں کہ کل بھی یہی رہے گی۔ اس لیے اس موقع کو غنیمت جان کر انہوں نے اپنی فوج کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی اور مدائن جو ایران کا دار السلطنت تھا اس کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ لیکن ان کے پاس جو فوج تھی وہ مدائن فتح کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو خط پر خط لکھے کہ ملک روانہ فرما دیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اس وقت کیا کر سکتے تھے۔ پورا اسلامی لشکر تو شام کے محاذ پر کازدار تھا۔ اس لیے بارگاہ خلافت کی طرف سے کوئی جواب نہیں گیا۔ حضرت مثنیٰ کو اس خاموشی سے تشویش ہوئی اور وہ خود مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ سخت علیل ہیں اور صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس کے باوجود مثنیٰ کو شرف باریابی عطا فرمایا۔ عراق کے محاذ کی پوری روئیدار سنی اور فوراً حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اس وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین منتخب فرما چکے تھے۔ اب حضرت عمرؓ آئے تو ارشاد ہوا۔ یہ اے عمرؓ! جو کچھ میں کہتا ہوں تم اس کو سنو اور اس پر عمل بھی کرو۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میں آج دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اگر واقعی ایسا ہو تو تم شام ہونے سے پہلے پہلے لوگوں کو مثنیٰ کے ساتھ روانہ کر دو۔ اور اگر میں نے شام پکڑ لی تو تم صبح ہونے سے پہلے ایسا

کر گزرو۔ اس کے بعد تاکید کی کہ کوئی مصیبت خواہ کتنی ہی بڑی ہو۔ بہر حال تم کو دین کے کام اور حکم خداوندی کی بجا آوری سے باز نہ رکھے۔ پھر خود حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین وفات کے دن بیعت خلافت کے بارے میں جو کچھ کیا تھا اسے یاد دلایا۔ اور آخر میں وصیت کی کہ شام کا معرکہ سر ہو جائے تو خالدؓ کو پھر عراق واپس بلا لینا۔

اس کے بعد عراق میں جو فتوحات ہوئیں ان کا تعلق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے ہے اس لیے وہ اس کتاب کے دائرہ بحث سے خالی ہے یا خارج ہے۔

فتوحات کے اسباب

عراق اور شام کی فتوحات کا حال پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر تاریخ کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا چاہئے کہ ایرانی اور رومی یہ دونوں اس عہد کی نہایت عظیم الشان اور ترقی یافتہ سلطنتیں تھیں۔ مال و دولت۔ جاہ و حشم، فوج و سپاہ۔ ان چیزوں کے اعتبار سے مسلمانوں کو ان دونوں حکومتوں کیساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ شام کے معرکہ میں تم نے پڑھا ہے کہ مسلمان افواج کی کل تعداد مل مار کر چھالیس ہزار تھی اور اس کے مقابلہ میں کم و بیش دو لاکھ انسانوں کا ہمارا تھا جو ان کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر آلات حرب کے اعتبار سے دونوں میں یہ فرق تھا کہ ایک ایک ایرانی اور رومی فوجی خود۔ زرہ۔ بکتر۔ چلیتہ۔ جوشن چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ موزے۔ جہلم۔ برگستوان۔ گوپال۔ گرز۔ تیغ۔ سپر۔ درقہ۔ خنجر۔ زربین۔ تیر۔ خدنگ۔ مکند۔ سنان وغیرہ سے آراستہ ہوتا تھا۔ ان تمام آلات و اسلحہ جنگ کی تفصیل فردوسی کے شاہنامہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا کیا حال تھا۔ ان کے پاس زرہ ہوتی تھی وہ بھی چمڑے کی، مرکاب لوہے کے بجائے لکڑی کے ہوتے تھے۔ آلات حرب میں عرب، تلوار، نیزہ اور چھوٹے چھوٹے خنجر کے علاوہ کسی اور چیز کو جاتے تک نہیں تھے۔ گھوڑے تھے لیکن اکثر ان کے گھوڑوں کو زین تک میسر نہیں تھی۔ پس جب ان حکومتوں کے جاد جلال۔ تہذیب و تمدن۔

نظم و ترتیب اور ترقی و وسعت کا یہ عالم تھا تو پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ چند ہزار بے سرو سامان صحرائی شہینوں نے ریگستان عرب سے نکل کر دونوں حکومتوں کا تختہ الٹ دیا کہ قیصر و کسریٰ کے قصر عظمت و جلال میں خاک اڑنے لگی۔ ان کے صحیفہ اقتدار و حکومت کا ورق ورق پریشان ہو گیا۔ اور وہ بھی صرف چند مہینوں کی مدت میں اے مغربی مصنفین کے نزدیک مغربی مصنفین نے اپنے مذاق کے مطابق اس سوال کے ان فتوحات کے اسباب جو مختلف جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں نقل کرتے

ہیں۔
وان کریم لکھتا ہے :-

”عرب اور عراق و شام کی سرحدوں پر جو عرب قبائل آباد تھے انہوں نے اپنا فائدہ اس میں دیکھا کہ وہ اپنے حلیف و سرپرست حکومتوں سے تعلق منقطع کر کے اپنے ہم قوم عربوں کے ساتھ ملکر ان کا مذہب قبول کر لیں اور اس طرح مال غنیمت میں ان کے شریک ہو جائیں اس طرح مدینہ کا چھوٹا سا لشکر جو عراق و شام میں گھس آیا تھا۔ یک بیک ایک کوہ آتش فشاں بن گیا اور اس کے راستہ میں جو رکاوٹیں تھیں ان کو پارہ پارہ کر دیا۔“

ول دورنٹ (WILL DURANT) لکھتا ہے :-

عربوں کی فتوحات کے اسباب بہت سارے ہیں۔ ان کا اقتصادی سبب ہیں۔ پیغمبر اسلام سے ایک صدی پہلے عربوں کا نظام آبپاشی بہت خراب ہو گیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے پیداوار بہت کم ہو گئی تھی اس لیے ان میں عراق و شام کی سرسبز زمینوں کو فتح کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ سیاسی سبب یہ تھا کہ رومی اور ایرانی دو حکومتیں اپنی باہمی جنگوں کے باعث تباہ و برباد ہو گئی تھیں۔

۱۔ فتوحات کی تکمیل اگرچہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ہوئی ہے۔ جس میں کئی برس لگے۔ لیکن حقیقت ایران و روم کو ضرب کاری حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ہی لگ چکی تھی۔ جس سے ان کا پناہ آسان نہیں تھا۔

نظم و نسق حکومت اور امن و امان مفقود تھے۔ لیکن اس کے باوجود مملکت میں بھاری بھاری ٹیکس لگے ہوئے تھے۔ پھر جو نسلی تعلقات حجاز کے اور شام و عراق کی سرحدوں پر آباد قبائل کے درمیان تھے ان کا بھی اس میں بڑا دخل تھا ان پر مزید یہ ہوا باز نطینوں نے۔ موحدین۔ نسطوری اور دوسرے فرقوں کے ساتھ تعصب اور تشدد کی جس پالیسی پر عمل کیا تھا اس کی وجہ سے شام کی ایک بہت بڑی اقلیت تھی جو ان سے بیزار تھی۔ یہ بیزاری صرف شہری باشندوں میں نہیں تھی بلکہ شامی فوج کے دستے تک اس سے متاثر تھے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ان کے لیڈر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاشار پیرو تھے۔ جتنا وہ لڑتے تھے اس سے زیادہ دعائیں کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مقدس جنگ میں جو مارا جاتا ہے اس پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عرب مسلمان اخلاقی اعتبار سے بھی بہت بلند تھے۔ مسیحی اخلاق اور عقیدہ تثلیث نے مشرق قریب میں جنگ کیلئے وہ آمادگی اور مستعدی باقی نہیں رکھی تھی جو اسلام کی تعلیمات اور عربوں کے جوہر فطری کا خاصہ تھی عرب فوجیں ڈسپلن اور جفاکشی میں ممتاز تھیں اور ان کے قائد بڑے قابل اور لائق تھے یہ لوگ بھوکے پیٹ جنگ کر سکتے تھے۔ لیکن یہ وحشی نہیں تھے اے پروفیسر فلنلی

اور ویچ (PROF: FLEULEY, WEECH) لکھتے ہیں :-

”ایک نئے مذہب (اسلام) نے عربوں میں باہمی اتحاد جذبہ قیادت اور فتوحات کیلئے ایک زبردست محرک پیدا کر دیا تھا، اس کے علاوہ ان فتوحات کے کچھ اور بھی اسباب ہیں مثلاً شام کے عربوں کا حجاز کے عربوں کے ساتھ نسلی تعلق اور عین اس وقت جبکہ عرب پھیل جانے کیلئے تیار کھڑے تھے مشرقی رومی سلطنت اور ایرانی حکومت کا مسلسل باہمی جنگوں کی وجہ سے شکستہ حال ہو جانا مشرقی رومی سلطنت نے اپنے دشمن دیرینہ ایران کو شکست فاش ضروری تھی۔“

لیکن اس کا بہت بڑا خمیازہ اس صورت میں بھگتنا پڑا کہ خود رومی سلطنت میں مذہبی اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے علاوہ عرب بڑے بہادر جنگ آزمودہ اور جفاکش زندگی کے عادی تھے۔^۱

عہد حاضر کا مشہور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلنز لکھتا ہے۔

”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اسلام کا سیلاب۔ ایرانی۔ رومی۔ یونانی یا مصری بہت تہذیب کو بہا کر لے گیا تو تم جس قدر جلد اس غلط خیال کو دماغ سے نکال دو اتنا ہی اچھا ہے اسلام کو جو غلبہ اور اقتدار حاصل ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس زمانہ کا ایک بہترین معاشرتی اور سیاسی نظام تھا۔ اسلام جہاں کہیں پہنچا اس کو ایسے لوگ نظر آئے جو سیاسی اعتبار سے اپنی اپنی حکومتوں سے نفرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ لٹے کھٹے تھے۔ مظلوم و پامال تھے۔ احمق بنائے ہوئے تھے۔ غیر تعلیم یافتہ اور غیر منظم تھے اور جن کی خود غرض اور فاسد حکومتیں ان کیساتھ کوئی رابطہ و تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ اسلام وسیع ترین۔ تازہ ترین اور سب سے زیادہ صاف ستھرا اور پاکیزہ سیاسی فکر تھا جو دنیا میں آیا اور جس نے پوری انسانیت کو ایسا بہتر نظام دیا جو آج تک کسی نے نہیں دیا تھا۔ رومی شہنشاہت کا سرمایہ دارانہ اور غلام ساز نظام۔ اور یورپ لٹریچر۔ کلچر۔ اور اس کی سوشل روایات یہ نسب کے سب اسلام کے عروج و ارتقاء کے سامنے شکست کھا کر پارہ پارہ ہو گئے۔^۲

پروفیسر فلپ۔ کے۔ ہیٹھی لکھتے ہیں۔

”اسلام کا نعرہ جنگ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ دنیا کی دو عظیم جنگوں میں نعرہ جنگ جمہوریت تھا اس کے علاوہ اسلام نے ان قبائل میں اتحاد پیدا کر دیا تھا جو اب سے پہلے کبھی متحد نہیں ہوئے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کا یہ جوش اور دلولہ بڑی حد تک اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے نتیجہ میں حصول جنت کے جذبہ پر مبنی تھا

۱۔ ورلڈ ہسٹری ۲۔ HISTORY OF THE WORLD P 329 (بقیہ صفحہ ۲۹۷)

تاہم ہلال خضیب کی سرسبز زمین کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہونے کی خواہش بھی بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں موجزن تھی امدان کے جذبہ جہاد کی محرک تھی لے فتوحات کے اصل اسباب مغربی مصنفین نے مذکورہ بالا سطور میں جو کچھ لکھا ہے اگرچہ وہ سب صحیح نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ صداقت سے بالکل دور بھی نہیں ہے مسلمان مصنفین اور خاص کردہ حضرات جو قدیم طرز تعلیم کے حامل ہیں ان کا خاصہ ہے کہ اگر کوئی مغربی مصنف مسلمانوں کی غیر معمولی کامیابی میں کسی اقتصادی اور معاشی وجہ کو دخل مانتا ہے تو وہ چرٹ سے جاتے ہیں حالانکہ خود صحابہ کے طرز عمل سے ثابت ہے کہ نو آباد کاری میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے میں اقتصادی وجوہ کو بڑا دخل ہوتا تھا۔

چنانچہ جنگ و لجبہ کے موقع پر حضرت خالدؓ نے جو تقریر کی تھی اس کے متعلق طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

وقام خالد في الناس خطيباً
يرغبهم في بلاد الحجاز و
يزهدهم في بلاد العرب -
حضرت خالد لوگوں کو خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو بلادِ عجم کی طرف رغبت دلائی اور بلادِ عرب کی طرف سے ان میں بے رغبتی پیدا کی۔
آپ نے عراق کی سرسبزی و شادابی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ”کیا تم نہیں دیکھتے۔ یہاں مٹی کے تودوں کی طرح کھانے کے انبار لگے ہوئے ہیں! خدا کی قسم! اگر جنگ سے ہمارا مقصد اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلانا نہ ہوتا۔ اور صرف معاش ہوتا تب بھی صائب رائے کی بات یہ ہی ہوتی کہ ہم ان سرسبز و شاداب علاقوں کیلئے جنگ کرتے۔ تاکہ ہم ان کے مالک بن جاتے اور بھوک لود تلت طعام ان لوگوں کیلئے چھوڑ دیتے جو سُستی اور کاہلی کی وجہ سے تمہاری جدوجہد میں تمہارے شریک نہیں ہیں۔“^۱

۱۔ HISTORY OF SYRIA PAGE 419 مغربی مصنفین کے جو حوالے اوپر گزرے ہیں ان کو ڈاکٹر محی الدین نے اپنی قابل قدر کتاب ”مابوکر“ میں جو انگریزی زبان میں ہے اور جس کو فیروز سنز لاہور نے شائع کیا ہے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ہم نے یہ حوالے اختصار کیساتھ اس کتاب سے اخذ کیے ہیں

۲۔ طبری ج ۲ ص ۵۵۹

اسی طرح ایک مرتبہ جریر بن عبداللہ الجلی اپنے قبیلے کے سات سو آدمیوں کو لیکر حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سب لوگ شام میں آباد ہونا چاہتے ہیں جہاں ہمارے آباؤ اجداد پہلے سے موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ شام میں آباد ہو کر کیا کرو گے۔ اللہ نے اس کی شان و شوکت کم کر دی ہے۔ ہاں البتہ عراق جاؤ اہل عراق اور اس قوم سے جہاد کرو جو زندگی کی تمام راہوں پر خود قابض ہو کر بیٹھ گئے ہیں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو انصاف پسندی سے عراق کے اسباب معیشت میں تم کو بھی ان لوگوں کا شریک بنا دے اور تم بھی اس کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر سکو۔

اس کے علاوہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس زمانہ میں ایران اور روم دونوں کی اخلاقی حالت انتہا درجہ سقیم اور زہریں تھی۔ حکمران طبقہ عوام پر ظلم و ستم کرتا اپنے عیش و آرام کیلئے ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگانا اپنا موردی اور طبعی حق سمجھتا تھا۔ ایران میں مزدکی تعلیم نے اور شام میں عیسائیت کی محرت شکل اور مذہبی پیشواؤں کی اقتدار پسندی نے ملک بھر میں منکرات و فواحش کو عام کر دیا تھا اور اس کے بالمقابل ہر مسلمان عرب اخلاق و مکارم کا نمونہ تھا اس بنا پر بقائے اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے قانون فطرت کے مطابق مسلمانوں کے سامنے ان دونوں کا شکست کھانا یقینی امر تھا

قرآن مجید میں ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَخِرُونَ مَسَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ۚ ہر قوم کی ایک مدت ہوتی ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو پھر نہ ایک گھڑی آگے ہر تہمیں نہ پیچھے ان اقتصاد اور اخلاقی اسباب کے علاوہ جہاں تک مادی اسباب کا تعلق ہے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ ان فتوحات میں حضرت خالد بن الولید کی غیر معمولی شجاعت و بسالت۔ حیرت انگیز فوجی تدبیر اور جنگی فراست و دور اندیشی کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ تم پڑھ آئے ہو کہ وافر صدیں مسلمان اور رومی فوجیں کم و بیش تین ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں اور معمولی جھڑپوں کے علاوہ کسی طرف سے بھی کوئی بڑا اقدام نہیں ہوا۔ لیکن حضرت خالدؓ نے پہنچتے

۱۔ طبری ج ۲ ص ۶۴۷ ذکر واقعہ بلرب

ہی میدان کارزار کا نقشہ بدل دیا اور کل چھیالیس ہزار فوج سے دو لاکھ سے زائد رومیوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔

یہ جو کچھ کہا گیا اپنی جگہ سب مسلم اور درست ہے۔ لیکن درحقیقت فتوحات کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی جنگ اللہ کیلئے۔ اور ایک اعلیٰ ترین مقصد حیات کی تکمیل کی غرض سے تھی۔ اس بنا پر جو بے نفسی، بے غرضی، اور مخلصانہ جوش اور ولولہ ان میں ہو سکتا تھا کسی اور میں نہ تھا۔ پھر قرآن مجید کی آیات اور آنحضرتؐ کے ارشادات جو عراق و شام کی فتوحات سے متعلق تھے ان سب نے مسلمانوں میں اس درجہ یقین و اطمینان اور اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ بڑے سے بڑے خطرات میں بھی محصور ہو کر گھبراتے نہیں تھے ایک انسان کو سب سے زیادہ خوف موت کا ہو سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے عقیدہ میں یہ موت جو اللہ کے راستہ میں آئے موت نہیں بلکہ عین حیات اور اصل زندگی تھی۔ پھر فطرتاً و طبعاً جو جفا کشی۔ سخت کوئی اور مصائب میں نہ گھبرانے کا ملکہ عربوں میں تھا۔ ایران اور روم کے خوش عیش سپاہیوں سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

مرض الموت اور وفات

التوار کا دن تھا جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی ساتویں تاریخ تھی اس روز سردی شدید تھی حضرت ابو بکرؓ نے غسل کیا اور اس کے بعد ہی بخار ہو گیا جو وفات کے روز تک مسلسل پندرہ دن چڑھا رہا۔ ہر چند معالجہ کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لوگ حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کرتے تھے کہ آپؓ نے طبیب کو بھی دکھایا؟ فرماتے وہاں اس نے مجھ کو دیکھا ہے، پھر پوچھتے وہ کیا کہتا ہے، جواب دیتے وہ کہتا ہے کہ یہ افعلی ما اشاء، جو میں چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ ضعیف اتنا شدید ہو گیا کہ باہر نماز کیلئے بھی نہیں جاسکتے تھے تو حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

بعض روایتوں میں مرض کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ حارث بن کلدہ کیساتھ حضرت

ابوبکرؓ کو ایک یہودی نے چاول میں زہر ملا کر کھلا دیا تھا۔ یہ سال بھر کے بعد اس زہر کا اثر
تھامے حکم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی جہان کا غم اس قدر شدید ہوا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھلتے اور گھٹتے رہے انکو
اس سے پنپنا نصیب نہیں ہوا تمام صحابہ کرام کو اس سے سخت تشویش تھی۔ عیادت کیلئے آتے
رہتے تھے۔ لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ پر دوس میں ہی رہتے تھے اس لیے صحابہ میں سب سے
زیادہ تیمارداری کا شرف انہیں کو حاصل ہوا ہے

جانشینی کے لئے مشورہ | لیکن بیماری کی اس شدت کے باوجود کیا مجال تھی کہ امور خلافت و
امامت اور مسلمانوں کے اہم معاملات کی طرف سے بے توجہی برتن جاتی۔ اس وقت سب
سے اہم معاملہ آپ کی جانشینی تھا۔ آپ کے سامنے وقت کا اہم سوال تھا کہ اگر خود کسی کی نامزدگی
نہیں کرتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ فتنہ و فساد ہوا اور نامزدگی کریں تو کس کی؟ ایک سے ایک بڑھ کر
معدن اسلام کا لعل و گوہر تھا۔ اگرچہ آپ کا ذاتی رجحان حضرت عمرؓ کی طرف تھا۔ لیکن اکابر صحابہ
سے مشورہ کیے اور ان کی رائے معلوم کیے بغیر اس کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ آئے تو ان سے یہ گفتگو ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ :- عمرؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ :- آپ مجھ سے ایک ایسی بات پوچھتے ہیں جس کو آپ مجھ
سے زیادہ جانتے ہیں۔

ابوبکرؓ :- پھر بھی آخر تمہاری رائے بھی تو معلوم ہو۔

عبدالرحمنؓ :- اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ بہترین آدمی ہیں۔ لیکن مزاج
میں سختی اور تشدد ہے۔

ابوبکرؓ :- اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں جب انکو سخت
مل جائے گی تو وہ خود سختی چھوڑ دیں گے۔

اس کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ آئے تو ان سے گفتگو اس طرح ہوئی۔

ابوبکرؓ :-

عثمانؓ :-

ابوبکرؓ :-

عثمانؓ :-

عمرؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟
اس بات کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔
اے ابوبکرؓ! میں تم سے تمہاری اپنی رائے
پوچھتا ہوں مجھ کو بتاؤ۔

مجھ کو اتنی بات معلوم ہے کہ عمرؓ کا باطن ان کے
ظاہر سے اچھا ہے اور ان جیسا ہم میں کوئی نہیں ہے۔

پھر حضرت اسید بن خضیرؓ آئے اور ان سے ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا
”میں آپ کے بعد عمرؓ کو بہترین آدمی سمجھتا ہوں، وہ خوش ہونے کی باتوں میں خوش اور ناراض
ہونے کی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے آپ کے بعد خلافت
کا مستحق ان سے زیادہ قوی اور مضبوط دوسرا کوئی اور نہیں ہو سکتا“

ان کے علاوہ سعید بن زید اور اکابر مہاجرین و انصار سے بھی آپ نے مشورہ کیا اور سب
نے حضرت عمرؓ کے حق میں رائے دی۔ لیکن باہر لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کہ حضرت عمرؓ خلیفہ
ہو نیوالے ہیں تو طلحہ بن عبد اللہؓ آئے اور بولے ”اے ابوبکرؓ! آپ کو معلوم ہے کہ عمرؓ کے
مزاج میں کس قدر تشدد اور سختی ہے، اس کے باوجود آپ ان کو اپنا جانشین نامزد کر رہے
تو کل اپنے پروردگار کو جب وہ آپ سے باز پرس کرے گا کیا جواب دیں گے“

حضرت ابوبکرؓ لیٹے ہوئے تھے طلحہ کی زبان سے یہ بات سن آپ کو طیش آگیا، بولے، ”ذرا
مجھ کو بٹھا دو، لوگوں نے بٹھا دیا تو فرمایا، ”کیا تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟ میں
جب اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ اے خدا! میں نے تیرے
بندوں پر ایک تیرے بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے اے

حضرت عمرؓ کی نامزدگی | جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا
حضرت عمرؓ کی جانشینی کا پروانہ لکھیں، وہ قلم دولت لیکر بیٹھے تو حضرت نے کہا لکھو۔
”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا ما عهد ابوبکر بن ابی قحافة الی المسلمین۔“

اما بعد : یہیں تک بولنے پائے تھے کہ غشی طاری ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کو پہلے سے معلوم تو تھا ہی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر اسی بے ہوشی کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہو گئی اور یہ پروانہ یوں ہی ناکمل رہا تو کہیں ملک میں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اما بعد کے بعد از خود استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم ال لکم خیرا۔ (میں نے تم پر عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ اور میں نے اس معاملہ میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی) کی عبارت لکھ لی۔ اب حضرت ابوبکرؓ کو غشی سے آفاقہ ہوا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو یہ عبارت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابوبکرؓ نے خوشی میں اللہ اکبر کہا اور حضرت عثمانؓ کو د عادی۔ پھر حضرت عثمانؓ کو یہی حکم ہوا کہ لوگوں کو سنا دیں۔ حضرت عثمانؓ کی دعوت پر سب جمع ہو گئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک خاص غلام کے ہاتھ یہ پروانہ بھیجا۔ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے مجمع میں ستور و غل تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر کہ مسلمانوں خلیفہ رسول کا ارشاد سنو، ان کو خاموش کر دیا تو حضرت عثمانؓ نے پروانہ پڑھ کر سنایا۔ سب نے لطیف خاطر اسے قبول کیا اتنے میں خود حضرت ابوبکرؓ بالا خانہ پر تشریف لے آئے۔ اور پوچھا کہ لوگو! میں نے تم پر جس کو خلیفہ مقرر کیا ہے وہ میرا عزیز قریب نہیں بلکہ عمرؓ ہیں۔ تم ان کو قبول کرتے ہو؟ سب نے بیک آواز کہا "سمعنا و اطعنا"،

حضرت عمرؓ کو وصایا و نصائح اس سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ کو بلا یا اور فرمایا میں نے تم کو رسول اللہؐ کے اصحاب پر خلیفہ مقرر کیا ہے اس کے بعد ان کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی وصیت کی اور پھر حسب ذیل تقریر کی جو فصاحت و بلاغت جو منہ خطابت اور علم و حکمت کا گنجینہ ہے اس لیے ہم اصل تقریر مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

یا عمر ان الله حقا بالليل لا يقبله
وہاں کو دن میں قبول نہیں کرے گا اور جو حق
بالليل وانه لا يقبل نافلة حتى
دن سے متعلق ہے اللہ اس کو شب
تودی الفرجة الم تر يا عمر انما
میں قبول نہیں کرے گا (یعنی ہر عمل
ثقلت موازين من ثقلت موازينہ
اس کے وقت پر کرنا چاہیے) اور اللہ نقل اس وقت تک

يوم القيامة يا تابعهم الحق وثقلته
عليهم، وحق الميزان ان لا يوضع
فيه غدا الا حق ان يكون ثقيلاً، الم
تر يا عمر انما خفت موازين من خفت
موازينه يوم القيامة يا تابعهم الباطل؟
و خفته عليهم وحق الميزان ان لا
يوضع فيه الا باطل ان يكون خفيفاً
الم تر يا عمر انما نزلت الرخاء مع
الشدة وآية الشدة مع الرخاء ليكون
المومن راغباً راغباً لا يرغب رغبة
يتمنى فيها على الله ما ليس له ولا
يرهب رغبة يلقى فيها بديده الم
تر يا عمر انما ذكر الله اهل النار باسوأ
اعمالهم فاذا ذكرتهم قلت اني
لارجوان لا اكون منهم؟ وانه انما
ذكر اهل الجنة يا حسن اعمالهم
لانه تجاوزهم عما كان من شئ
فاذا ذكرتهم قلت اين عملي من
اعمالهم؟ فان حفظت وصيتي
خلا يكون غائب احب اليك من
حاضر من الموت ولست بمعجزه له
کیونکہ ان کے جو بے اعمال تھے اللہ نے ان سے درگزر فرمایا
جب تم لوگوں کو یاد کرو گے تو کہو گے میرا عمل ان جیسا کہ ان نے میری وصیت یا درکھی تو ایسا غائب جو تم کو حاضر کی نسبت زیادہ
محبوب ہر موت کے سوا، اور کچھ نہ ہوگا (یعنی موت تم کو سب سے زیادہ محبوب ہوگی) درآن حالیکہ تم موت کو عاجز کرنے والے نہیں ہو

حضرت ثنی جب عراق سے مزید امدادی قرض طلب کرنے کی غرض سے مدینہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ اس وقت تک حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ثنی کی طلب پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر عراق مزید قرض بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔ ذاتی معاملات کی طرف توجہ | قوم و ملت کے ان مسائل سے فارغ ہو نیکی بعد ذاتی اور خانگی امور و معاملات کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کو ایک جاگیر دی تھی۔ اب خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی اس لئے فرمایا بیٹی! امیری اور غزبی دونوں حالتوں میں تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز رہی ہو۔ میں نے تم کو جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر سکتی ہو؟ حضرت عائشہؓ نے اس کو بخوشی کر لیا۔

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ پوچھا مجھ کو (خلیفہ ہونے کے بعد سے) اب تک بیت المال میں سے کل وظیفہ کتنا ملا ہے؟ حساب کر کے بتلایا کہ چھ ہزار درہم، ہندوستانی سکہ کے حساب سے کم و بیش ڈیڑھ ہزار روپیہ، حکم فرمایا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال کو واپس کر دیا جائے۔ پھر دریافت کیا کہ میرے مال میں بیعت کے بعد سے کتنا اضافہ ہوا؟ پتہ چلا کہ (۱) ایک جلشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے وہ ابھی بچا تھا ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے (۲) ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے اور (۳) ایک چادر جو سوار و پیہ کے لگ بھگ دام کی ہوگی ارشاد ہوا کہ یہ تینوں چیزیں وفات کے بعد خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں اس حکم کی تعمیل میں جب یہ چیزیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچیں تو بیساختہ جی امانت آیا۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے، اے ابوبکرؓ! تم اپنے جانشینوں کیلئے کام بہت دستوار چھوڑ گئے، اے

معنیقیب دوسری ابوبکرؓ کے گھر کے منتظم تھے وہ خود بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے مرض وفات میں حاضر ہوا تو میں نے سلام کیا اس وقت حضرت ابوبکرؓ استخلاف کے معاملہ میں مصروف تھے۔ اُس سے فارغ ہو گئے تو مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا، اے معنیقیب تم ہمارے گھر کے منتظم تھے۔ بتاؤ میرا اور تمہارا کیا حساب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے

پچیس درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں وہ میں نے آپ کو معاف کئے، فرمایا نہ چپ رہو اور میرے تو شر آخرت کو قرض سے مت تیار کرو، یہ سن کر میں رونے لگا۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا اے معنیقیب! آنسو نہ بہاؤ اور گھبراؤ نہیں۔ صبر کرو میں امید کرتا ہوں کہ میں اس جگہ جا رہا ہوں جو میرے لیے بہتر اور پائیدار ہے اس کے بعد عائشہؓ صدیقہ کو بلا کر حکم دیا کہ مجھ کو پچیس درہم ادا کر دیے جائیں، تجہیز و تکفین کے متعلق وصیت | حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ بولیں بدین کپڑوں میں، حضرت ابوبکرؓ اس وقت جمود پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی طرٹ اشارہ کر کے فرمایا کہ تو بس میرے یہ دونوں کپڑے ہیں ہی اور ایک تیسرا کپڑا بازار سے خرید کر مجھ کو کفن دینا، ام المؤمنینؓ نے کہا، ابا جان! ہم تینوں نے کپڑے بازار سے خرید سکتے ہیں، ارشاد ہوا، بیٹی! کپڑوں کے زندہ لوگ بہ نسبت مردوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ کفن کے دونوں کپڑے تو لہو اور پیپ کیلئے ہیں (خراب ہونے کیلئے) اے۔

اپنی بیوی حضرات اسماء بنت عمیس کو وصیت کی کہ مجھ کو غسل تم ہی دینا۔ انہوں نے کہا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا، فرمایا، تمہارا بیٹا عبدالرحمن بن ابی بکر تمہاری مدد کرے گا وہ پانی ڈالتا رہے گا، اے

اس کے بعد دریافت کیا کہ آج کون سا دن ہے، لوگوں نے کہا دو دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہؐ کی وفات کس روز ہوئی تھی؟ جواب ملا ”دوشنبہ کے روز“ ارشاد ہوا کہ تو پھر میں امید کرتا ہوں کہ میری بھی آج کے دن ہی موت ہوگی اے پھر وصیت کی کہ میری قبر رسول اللہؐ کے پہلو میں بنائی جائے۔

ان وصیتوں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ سکران موت شروع ہو گئے عین اس وقت جبکہ جانکن کا وقت تھا حضرت عائشہؓ جو سرانہ بیٹھی تھیں حسرت سے یہ شعر پڑھنے لگیں
وَابِضْ نَفْسِي فِي الْغَمِّ لَوْ جِئْتُ نَهْلًا لِيَتَامَى عَهْدُكَ لِلْأَرَامِلِ

وہ پُر نور صورت جس کے چہرہ کا صدقہ دیکر بادلوں سے بارش مانگی جائے جو یتیموں پر مہربان ہو اور فقیر و نکمہ پناہ ہو حضرت ابوبکرؓ کے کان میں یہ شعر پڑا تو چونکہ شاعر نے یہ شعر آنحضرتؐ کی شان

میں کہا تھا اس لیے ان کے جذبہ احترام و ادب نبویؐ نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ وہ ہی شعر ان کیلئے بھی پڑھا جائے۔ فوراً آنکھیں کھول دیں اور بولے ”یہ شان تو صرف رسول اللہؐ کی تھی۔ اسی شدت و کرب کے عالم میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی زبان پر ایسا ختمہ یہ شعر جاری ہو گئے۔

وکل ذی اہل مہر و دث وکل ذی سلب مسلوب
وکل ذی غیبة یووب و غائب الموت لایووب
(اور ہر اونٹ والے کو ایک دن اپنا مال وراثت کو سوچنا ہے اور ہر لوٹنے والے کو خود لٹنا ہے اور ہر غائب ہونے والا واپس آ جاتا ہے۔ لیکن موت کا غائب واپس نہیں ہوتا)

حضرت ابو بکرؓ نے یہ شعر سنے تو فوراً فرمایا ”نہیں بیٹی! بلکہ اصل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے“
وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ
ذَلِكَ مَا لَئِنتُ مِنْهُ تُحْمَدُ
اور موت کی جانکنی حق کیسا تھا آگئی یہ وہی ہے جس سے تو کتراتا تھا۔
آخر وہ گھڑی بھی آگئی جو مقرر تھی۔ ایک بچکی آئی اور خلافت و امامت کا آفتاب عالم تاب دنیا سے روپوش ہو گیا۔ آخر وقت دیان مبارک پر یہ دعا تھی۔

رَبِّ تَوْفَنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ
اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحین کیساتھ
حشر کر۔

۲۲ جمادی الثانیہ ۳۵ بروز دوشنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان وفات ہوئی تھی، شعب میں ہی وصیت کے مطابق حضرت اسماء بنت عیسٰی نے غسل دیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر حضرت عمرؓ عثمان بن عفانؓ طلحہؓ اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے قبر میں اتر کر اس طرح آنحضرتؐ کے مرقد انور کے پہلو میں لٹا دیا کہ آپ کا سر حضور اقدسؐ کے شانہ مبارک تک آتا تھا اللہ اکبر آقاؐ نے دشمن ہمشاہہ کو نبین کج ادب و احترام کا کرنے کے بعد بھی یہ اہتمام ہے کہ بلبر نہ ہوں بجائے
نئے طبری ج ۲ ص ۶۱۴ | بعد دوش ہونے کے زیر سایہ دوش ہی ہو کر رہیں اے

رحمی اللہ عنہم ورضو عنہ وفات کے وقت عمر ۶۳ برس تھی۔ مدت خلافت دو برس تین مہینے اور گیارہ دن ہے۔

صحابہ کرام میں صفِ ماتم | خلیفہ رسولؐ کی وفات آنحضرتؐ کی وفات کے بعد پہلا حادثہ تھا جس نے مدینہ کے بام و در پر لرزہ ڈال دیا اور پورے جزیرہ نمائے عرب میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ جو شخص حضرت ابو بکرؓ کے جتنا قریب تھا ان کی خویوں کے براہ راست علم کی وجہ سے اسی قدر اسی کو زیادہ ملال تھا۔ اس سلسلہ میں ہم چند اکابر صحابہ کی تقریروں کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی تقریر طویل ہے۔ لیکن ہم بعینہ اس کو اس لئے درج کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی ہے اس تقریر سے ان کے خیال کی اصلاح ہو گی۔

حضرت علیؓ کا تعزیتی خطبہ | حضرت علیؓ کو خلیفہ رسولؐ کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی تو فوراً اِنَاللّٰہُ وَاَنَا لَیْہِ رَاجِعُونَ ۵۔ پڑھتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لے آئے اور فرمایا۔
الیوم انقطع خلافة النبوة
آج خلافت نبوت کا انقطاع ہو گیا۔

اور پھر جس مکان میں حضرت ابو بکرؓ کی نعش تھی اس کے دروازہ پر کھڑے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کی حیات طیبہ کا ایک نہایت حسین و جمیل اور ایمان افز و سر قیہ بھی ہے اپنے فرمایا

یرحمک اللہ یا ابا بکر کنت الف رسول اللہ
اے ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے تم رسول اللہ کے محبوب
والسہ و مستراحة وثقته و موثق سرہ
مونسے۔ راحت۔ معتمد اور ان کے محم لذ

مشاورتہ۔ کنت اول القوم اسلا ما و اخلصہم
و مشیر تھے اور ہم سب سے پہلے
ایمانا و اشد ہم یقینا و اخوفہم اللہ و اعظمہم
اسلام لائے اور تم سب سے زیادہ مخلص مومن تھے
غناء فی دین اللہ و احوطہم علی
تمہارا یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا تم سب سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
زیادہ اللہ کا خوف کرنے والے اللہ کے دین کے
واحد لہم
معاملہ میں سب سے زیادہ نیاز یعنی دوسری چیزوں
کی پرواہ نہ کر بنو اے رسول اللہ کے نزدیک سب

على الاسلام وامنهم على احوالهم و
احسنهم صحبة واکبرهم مناقباً و
افضلهم سوابق وارفهم درجة
واقربهم وسيلة واشبههم برسول الله
هدياً وسمه طائفة وفضلاً واشرفهم
منزلة واکرمهم عليه واولقهم
عنده فجزاك الله عن الاسلام وعن
رسوله خير اکت عندہ بمنزلة
السمع والبصر صدقت رسول الله
حين كذبه الناس فسمك الله عز وجل
في تنزيله صدقاً فقل والذي جاء
بالصدق وصدق به الذي جاء
بالصدق محمد وصدق به ابو بكر
واسينته حين نخلوا وفتت به عند
المكاره حين عنه فقد و
وصيته في الشدة اكرم الصحبة
ثاني اثنين وصاحبه
في الغار والمنزل
عليه

نے بخل کیا اور تم ناگوار باتوں کے وقت حضور کیساتھ اس وقت بھی کھڑے رہے جبکہ لوگ آپ سے
پھڑکے۔ تم نے سختیوں میں بھی حضور کے ساتھ صحبت و رفاقت کا حق با حسن و جود ادا
کیا۔ تم ثانی اثنين اور رفیق غار (نثر) تھے اور پتھر سکون نازل ہو ا تھا۔

السکينة ورفیقہ الهجرة وخلفته
فی دین الله وامتہ احسن الخلافة
حين ارتد الناس وفتت بالامر
ماله ليقوم به خليفة بنی فنهضت
حين وهن اصحابك وبرزت
حين استكافوا حقیت حسین
ضعفوا الزمت منها ج رسول
الله صلى الله عليه وسلم اذا
هو واکت خليفة حقاً له
تنازع ولم تصدع
بزعم المنافقين وکیت
الکافرين وکره الحاسدين
وغیظ الباعین وفتت بالامر
حين فشلوا وثبتت اذ تضعفوا
ومضیت بنور الله اذ وقفوا
فاتبعوك فهدوا وکنت اخفضهم
صوتاً واعلاهم فوقاً واملهم
کلاماً واصلهم منطقاً و
اطولهم صمتاً وابلغهم قولاً
واشجعهم نفساً واعرفهم بالامور
واشرفهم عملاً کنت والله للدين
لحسبوا ولا حين نفر

تم ہجرت میں آپ کے رفیق تھے اور اللہ کے
دین میں اور رسول اللہ کی امت پر۔ تم آپ کے لیے
خليفة بنے جس نے اس وقت خلافت کا حق ادا کر دیا جبکہ
لوگ مرتد ہو گئے تھے اور تم نے خلافت کا وہ حق ادا
کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں کیا تھا۔ چنانچہ تم نے
اس وقت مستندی دکھائی جیسے تمہارے ساتھ حقیت
ہو گئے اور تم نے اس وقت جنگ کی جب کہ وہ عاجز ہو گئے
تھے جب کہ وہ کمزور تھے تو تم قوی رہے اور تم نے رسول
اللہ کے راستہ کو اس وقت تھامے رکھا جبکہ لوگ پست
ہو گئے تھے تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ حق تھے اگرچہ
اس سے منافقوں کو غصہ اٹھا کر کوسر جھگڑا
کو کر پست اور باغیوں کو غیظ تھا۔ تم اس حق پر ڈٹے
رہے جبکہ لوگ بزدل ہو گئے اور تم ثابت قدم رہے
جب وہ ڈگمگا اٹھے تم اللہ کے نور کو لیے بڑھتے
رہے۔ جب لوگ کھڑے ہو گئے آخر کار انہوں
نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی آواز
ان سب سے زیادہ پست تھی۔ مگر آپ کا مرتبہ
ان سب سے اونچا تھا۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ
سنجیدہ تھا۔ سب سے زیادہ تمہاری گفتگو درست
تھی آپ سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے
آپ کا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں
آپ سب سے بڑھے ہوئے تھے معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے
والے تھے اور بخلائی کے اولین سردار تھے۔ جب وہ دین کی طرف متوجہ

رہے گو کمزور لیکن اللہ
س کے اعتبار سے متواضع
نکھوں اور دلوں میں
نسبت نہ کوئی طنز کرتا تھا
نہ کسی کو طعنے تھی اور نہ
نہ اہل پست آدمی تمہارے
تھے اور تو ہی تمہارے
سے حق لیتے تھے اور وہ
ی نگاہ میں یکساں تھے
حق ہوتا تھا وہی تمہارا سب
ان حق سمجھائی اور نرمی
اہل بردباری اور دور اندیشی
ہا اب آپ دنیا سے رخصت
بشکل آسان ہو گئی آگ بجھ
ہی ہو گیا اسلام اور مسلمان
ب آگیا۔ اگرچہ کافروں کو
عنت پیش قدمی کی اور
نہ فریاد کا سیلاب ہوئے تم
بکایا کیے تمہاری موت کی
ی طرح محسوس کی جا
بت نے تو تمام دنیا

فی السماء وهدت مصیبتک والافانہ
فاننا لله وانا الیہ راجعون ورضینا
ع۔ اللہ قضاه وسلمنا لامرہ
فواللہ لن یصاب المسلمون لجد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بمثلك ابدًا کنت للدين خزائن وحرزاً و
کھفاً و للمؤمنين فؤاداً وحصناً وعتماً
و علی المنافقين غلظة و غیظاً فالحمک
اللہ بنیل صلی اللہ علیہ وسلم ولا
حرماً احرك ولا اضلنا بعدک فاننا
لله فاننا الیہ راجعون۔ لے
جب تک حضرت علیؓ یہ خطبہ پڑھتے رہے سب لوگ جو وہاں موجود تھے خاموش
رہے لیکن خطبہ ختم ہوتے ہی سب بے تحاشا اس طرح رونے لگے جیسے نکل گئیں اور سب نے
بیک آواز کہا ہاں بیشک اے رسول اللہ کے داماد آپ نے سچ فرمایا
حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

و اے ابا! اللہ آپ کو سرسبز و شاداب کر دے اور آپ کو آپ کی بہترین کوششوں کا بدلہ
عطا فرمائے۔ آپ نے دنیا سے منہ موڑا تو اس کو ذلیل کر دیا۔ اور آخرت کا رخ کیا تو اپنے
اس کو عزت بخش دی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا حادثہ وفات سب
سے بڑا حادثہ ہے لیکن ہر حال اللہ کی کتاب ہم کو حکم کرتی ہے کہ ہم صبر کریں اور یہ صبر ہی
آپ کی وفات کا سب سے اچھا عوض ہے اور میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ مجھ کو میرے صبر
کا بدلہ دے کر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

لے الرياض النضره المحب الطبري ج ۱ ص ۱۸۳، ۱۸۴

حضرت علیؓ کا یہ خطبہ تھوڑے بہت لفظوں کے اختلاف کیساتھ منتخب کنز العمال برسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۶ پر بھی

اے ابا! آپ اپنی اس بیٹی کا آخری سلام قبول کیجیے جس نے آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے
ساتھ پر خاش نہیں رکھی۔ اور اب آپ کے رنے پر وہ جزع و فزع نہیں کر رہی ہے۔
حضرت عمرؓ فاروق کھرمیں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کی نعش کو خطاب کر کے فرمایا
و اے خلیفہ رسول اللہ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت محنت و مشقت میں
مبتلا کر دیا۔ آپ کا سا ہونا تو درکنار۔ اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گردنک پہنچ سکے
آنحضرتؐ کی بشارت | یہ نوحہ ماتم تو اس عالم آب و گل میں برپا تھا۔ لیکن عالم ملکوت میں اس
وقت کیا ہو رہا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہو گا۔ کہ خود حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں
نے ایک مرتبہ رسول اللہ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي
إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف
ہنسی خوشی چلا آ۔

اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا خوب ارشاد ربانی ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا وہاں! اے ابوبکر! جب تم کو موت آئیگی تو اس وقت جبریل امین تم سے یہی کہیں گے اے

نظامِ حکومت

آج کل کا سب سے ترقی یافتہ اور مہذب طرز حکومت جمہوری ہے۔ اس لیے ہمارے
مسلمان معنفین اور ارباب قلم بھی عام طور پر یہی کہنے لگے ہیں کہ اسلام خود جمہوری طرز حکومت کا
قائل ہے اور خلفائے راشدین کا طرز حکومت بھی جمہوری تھا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن
مجید۔ سنت رسول۔ اور خلفائے راشدین کے عمل سے جو طرز حکومت ثابت ہوتا ہے وہ اپنی اصل
حقیقت کے اعتبار سے آج کل کی دستوری اصطلاح میں نہ جمہوری ہے اور نہ شخصی۔ وہ نہ
دینی (THEOCRATIC) ہے اور نہ اشتراقی و خواصی (ARISTOCRATIC) بلکہ وہ یہ
سب کچھ ہے اور ان سب سے الگ بھی ہے۔

لے کتر العمال برسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۳۵

اس کی تفصیل یہ ہے کہ دینی حکومت (THEOCRATIC GOVERNMENT) میں بادشاہ کو خدا مانا جاتا ہے۔ جیسا کہ فراعنہ مصر کے ہاں دستور تھا یا اس کو ظل خداوندی تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ یورپ کے قرون وسطیٰ میں رواج پایا جاتا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں بادشاہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ اس کا ہر لفظ فرمودہ الہی ہوتا ہے اور اس بنا پر اس سے انحراف کرنا تو کجا کوئی شخص اس پر تنقید بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام میں اس تخیل کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حکمران و فرمانروا یا ایک خلیفہ تو انک رہا خود پیغمبر جس کے متعلق معصوم ہونیکا عقیدہ ہوتا ہے وہ بھی حقوق العباد یا دنیوی معاملات میں انہیں قوانین کا پابند ہوتا ہے جو عام لوگوں کیلئے ہوتا ہے اور ان امور میں بھول چوک کا احتمال دوسروں کی طرح پیغمبر کے ساتھ بھی لگا رہتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ اعلم بما ہور دنیا کسو، اور اس کے علاوہ احادیث و سیر کی کتابوں میں متعدد واقعات مذکور ہیں جن میں آپؐ نے خود اپنے خلاف مقدمات سنے اور ان کے بارہ میں منصفانہ فیصلہ کیا ہے پس جب خود رسول اللہؐ کے متعلق الوہیت کا عقیدہ نہیں ہو سکتا تو خلیفہ رسول اللہؐ کی نسبت یہ عقیدہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بیعت کے بعد جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ "یا خلیفۃ اللہ" کہہ کر مخاطب کیا تو آپؐ نے فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا۔ لست بخلیفۃ اللہ و لکنی خلیفۃ رسول اللہؐ میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں البتہ خلیفہ رسول اللہؐ ہوں۔

بنو سقیفہ میں بیعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو خطبہ دیا تھا اور جس کو تم بیعت کے موقع پر پڑھ آئے ہو اس میں صاف صاف کہا تھا کہ اے لوگو! میں تم سے بہتر آدمی نہیں ہوں۔ میری تمنا تھی کہ یہ ذمہ داری کسی اور کو سپرد کی جاتی۔ لیکن بہر حال اب جبکہ تم نے مجھ کو منتخب کر لیا ہے تو اگر میں ٹھیک ٹھیک چلوں تو میری اطاعت کرو ورنہ اگر غلط راستہ پر گامزن ہوں تو تم مجھ کو ٹھیک اور درست کر دو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج کل کی مروجہ دستوری اصطلاح میں جس طرز حکومت کو دینی

لے دیکھو سیرت ابن ہشام ص ۴۴۴۔ سیرت شامی میں بھی اس طرح کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

حکومت کہا جاتا ہے۔ اس کے اعتبار سے اسلامی طرز حکومت مرکز دینی نہیں ہے۔ البتہ ہاں اس حیثیت سے بے شبہ کہ دینی حکومت ہے کہ اس حکومت کا منشور اور دستور قانون الہی ہے۔ منزل من اللہ ہے جسکی رو سے فرماں روا اور مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرتے ہیں اور آوامردنی اسی شریعت کے پابند رہتے ہیں۔

اسی طرح بہ طرز حکومت اشراتی یا خواصی طرز حکومت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حکومت اونچے طبقہ والوں کی ادنیٰ طبقہ کے لوگوں پر خواص کی محام پر اور امراء کی غریبوں پر ہوتی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے خلافت کی حقیقت کی بحث میں بتا یا ہے۔ اسلام میں سر سے طبقاتی تقسیم کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ ہر وہ مسلمان جو فرض و واجبات خلافت کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ خلافت سنبھالنے و منتخب کیا جاسکتا ہے۔ حضرت خلیفہ کے غلام سالم کیلئے حضرت عمرؓ مانتی کا یہ فقرہ سب سے گزر چکا ہے۔ کہ آج سالم زندہ ہوتے تو میں ان کو والی بناتا۔

اسلام میں شخصی حکومت کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ آنحضرتؐ اپنے اہل بیت میں سے کسی کی خلافت و نیابت کی وصیت نہیں کی۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی رہا۔ پھر قرآن مجید میں مسلمانوں کی نشان دہی یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ کسی ایک معاملہ میں بھی استبداد کو راہ نہیں دیتے اور یا یہی مشورہ ہے اپنے معاملات انجام دیتے ہیں۔

والذین استجابوا للربھم و اقاموا الصلوٰۃ و اذین لگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے

و امرهم شورٰی بینہم و صما رزقہم قائم کی ہیں۔ اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے

ینفقون ۵

عبداللہ بوسف علی صاحب اپنے مشہور انگریزی ترجمہ قرآن مجید میں اس آیت پر اپنے

ایک نوٹ میں لکھتے ہیں۔

اس آیت میں مشاورت باہمی کا جو اصول بیان کیا گیا ہے اس پر آنحضرتؐ نے

اپنے خانگی اور پبلک دونوں قسم کی زندگی میں پورے طور پر عمل کیا اور آپ کے

بعد جو ابتدائی دور کے حکمران تھے انہوں نے بھی اسکی مکمل پیروی کی۔ موجودہ

نامندہ حکومت ریاستی امور میں اسی اصول پر عمل کرنے کی ایک نامکمل کوشش ہے۔

اس کے علاوہ خاص آنحضرتؐ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا۔
 وشاورہم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ
 اور آپ معاملات میں لوگوں سے مشورہ لیجئے
 لیکن جب عزم کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے۔
 ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ پیغمبر برحق تھے اس لئے آپ کو کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت
 نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن چونکہ آپ کو نبوت قائم کرنا اور اسوہ بننا تھا۔ اسلئے قرآن میں
 آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا اور آپ برابر اس پر عمل کرتے رہے یہاں
 تک کہ عمال اور امراء کا تقرر بھی آپ مشورہ سے ہی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن
 مسعود کی نسبت فرمایا۔
 لو کنت مؤمناً احداً غیر مشوراً
 اگر میں کسی شخص کو مشورہ کے بغیر مینا تو
 لاموت ابن ام عبد اللہ
 ابن ام عبد اللہ (عبداللہ بن مسعود) کو بنانا۔
 آپ کے بعد حضرت ابو بکر کا عمل بھی یہی رہا۔ معمولی سے معمولی کوئی معاملہ بھی جس کا
 تعلق نظم و نسق اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہوتا تو مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ
 نہیں کرتے تھے۔

تخرین میں بزاخر نام کا ایک مقام ہے یہاں کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ بعد
 میں ان کو پشیمانی ہوئی تو حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو خواہ ہو گئے
 اور اپنے گزشتہ اعمال سے توبہ کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا "تم اب جو جنگوں میں جا کر
 اونٹ چراؤ میں مہاجرین سے مشورہ کر کے تم کو جواب دوں گا، چنانچہ آپ نے ایک اجتماع
 طلب فرمایا اور جو کچھ ان کے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی تھی وہ پبلک کے سامنے رکھ کر
 مشورہ کے بعد مسلمانوں کی شان پر بھی بیان کی گئی ہے کہ مشورہ سے جو بات طے
 پائے اس کی پابندی کی جائے۔

طاعة و قول معروف فاذا عزم الامر فلو صدقوا اللہ
 اطاعت اور قول معروف ہے۔ اور جب ایک بات
 طے ہو جائے تو پھر جو لوگ اللہ سے سچے ہوں گے

لہ سنن ترمذی ج ۱ کتاب المناقب لہ صحیح بخاری ج ۱ باب من نکث بیعتہ۔

لکان خیر اللہ
 ان کس لئے یقیناً بہتر ہوگا۔
 اب رہا طرز جمہوری حکومت! تو اس میں شبہ نہیں کہ اپنی اصل اسپرٹ اور روح کے
 اعتبار سے اسلامی طرز حکومت جمہوری ہی ہے۔ چنانچہ:-
 را خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ سے ہوتا ہے، خلیفہ کی بیعت کی نوعیت بالکل وہی ہے
 جو آج کل دوٹ کی ہوتی ہے۔
 ۱) ہر شخص کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ خلیفہ کے کسی عمل یا فعل پر نکتہ چینی کرے۔
 ۲) خلیفہ اپنے آپ کو لوگوں سے ممتاز یا برتر نہیں جانتا۔ بلکہ ان کا خادم سمجھتا ہے
 اور اس وجہ سے اس تک پہنچنے میں کسی کو دشواری نہیں ہوتی لہ
 ۳) خلیفہ جب کبھی کوئی اہم کام کرتا ہے۔ تو رائے عامہ ضرور طلب کر لیتا ہے اور بات
 و نظر سے مشورہ کرتا ہے۔ اور قطعاً استبداد نہیں برتتا۔
 ۴) لیکن ہاں اس مشورہ کے بعد وہ اس کا پابند نہیں ہے کہ اکثریت کی رائے پر عمل بھی
 کرے بلکہ اگر چاہے تو اپنا فیصلہ اسکے خلاف بھی دے سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کا
 معمول یہی تھا۔ قرآن میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔

وشاورہم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ
 اور آپ معاملات میں لوگوں سے مشورہ لیجئے
 لیکن جب ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کیجئے
 تم پڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ہی صحابہ کرام کی عظیم اکثریت
 اسکے حق میں نہیں تھی کہ حضرت اسامہ کو عرب و شام کی سرحد پر بھیجا جائے لیکن حضرت
 لہ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بڑی عمدہ بات کہی۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے مشیر خاص سے پوچھا
 میں ایک شخص کو لیربانا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کس کو بناؤں؟ لوگوں نے دریافت کیا۔ آپ کو کس قسم
 کا آدمی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ رجل اذا کان امیرہم کانہ رجل منہم و اذا لم
 امیرہم کانہ امیرہم (مجھ کو اب شخص چاہئے کہ جب مسلمانوں کا امیر ہو تو ایسا معلوم ہو کہ گویا
 انہیں میں کا ایک ہے۔ لیکن جب امیر نہ ہو تو (اپنے کمالات و ادباف کی وجہ سے ان کو لوگ

امیر ہی معلوم ہوتا ہے۔) منتخب کنز العمال بر مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۱۴۳

ابو بکر نے اسکو نہیں مانا۔ اسی طرح اکثر صحابہ مانعین نکوۃ سے قتال کرنے سے بھی نہیں تھے لیکن حضرت ابو بکر نے اس رائے کی مخالفت کی اور آخر وہی کیا جو خود ان کے نزدیک حق تھا اسکے بعد شام پر لشکر کشی کا ارادہ ہوا تو تمام صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا صحابہ پس و پیش میں تھے۔ لیکن حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے موافق رائے دی اور آخر اپنی ٹانگ لگی لیکن آج کل کی اصطلاح میں جس کو جمہوری نظام حکومت کہتے ہیں اسمیں اور اسلامی جمہوریت میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں عددی اکثریت ہی تمام فیصلوں کا دار و مدار ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی طرف اکا دن دو ٹھ ہوں اور وہ سب کے سب جاہل خود غرض اور معاملہ نا فہم لوگوں کے ہوں اور اس کے برخلاف دوسری ایک دو ٹھ کم سو یعنی پچاس ہوں۔ لیکن یہ سب معاملہ فہم اور صائب الرائے لوگوں کے ہوں تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ جس کو ایک دو ٹھ کی اکثریت حاصل ہے۔ اسلامی جمہوریت میں اس عددی اکثریت کی کوئی اہمیت نہیں ہے جیسا کہ خلیفہ کے انتخاب کے عنوان کے ماتحت گذر چکا ہے۔

علاوہ بریں موجودہ جمہوریت میں جتنے کام ہوتے ہیں پارٹی کی بنیاد پر ہوتے ہیں پارٹی کا ہر فرد مجبور ہوتا ہے کہ ہر معاملہ میں اپنی پارٹی کے حق میں موٹ دے اور اس کی حمایت کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاتی ہے لیکن اسلامی جمہوریت میں اس پارٹی عصبت کا کہیں وجود نہیں ہے حضرت ابو بکر کے عہد میں خود صحابہ میں پارٹیاں تھیں۔ ایک مہاجرین کی مدبری انصار کی اور ہمسری بنو ہاشم کی لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض پارٹی عصبت کی بنیاد پر کسی نے کوئی رائے دی ہو جس بات کو جو شخص حق جانتا تھا اس کی حمایت میں رائے دیتا تھا۔

غرض کہ اسلام کا طرز حکومت کچھ اس قسم کا ہے کہ آج کل کے مرد جب طرز ہائے حکومت میں

لے انہیں وجوہ کی بنا پر عمارت زمانہ کی جمہوریت بھی درحقیقت ایک ٹکڑ ٹکڑ کی ہے ایک قسم ہر کہ رہ گئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹکڑ ٹکڑ ہر فرد و عہد کی مطلق العنان حکومت ہوتی ہے اور اس جمہوریت میں ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے جو پارلیمنٹ یا اسمبلی میں اپنی عددی اکثریت کے بل

سے ہر طرز میں جتنی خوبی اور عمدگی ہے وہ اسلام نے لے لی ہے اور اس میں جو حقہ مضار اور لائق مذمت تھا اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک اسلامی طرز حکومت کے لیے موزوں پر "نورادی حکومت" کا نام ہوگا۔

حضرت ابو بکر کا دستور حکومت اسلامی طرز حکومت پر ایک عام اجمالی تبصرہ کرنے کے بعد اب ہم کو بتانا چاہئے کہ حضرت ابو بکر کا دستور دین حکومت کیا تھا؟ چونکہ اسلامی حکومت پانچت کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہوتی ہے اس بنا پر حضرت ابو بکر کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو سب پہلو اس کا حکم قرآن مجید میں تلاش کرتے تھے اگر وہاں نہ ملتا تو حدیث کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر اس خاص معاملہ کے متعلق حدیث میں بھی کچھ نہ ملتا تو مسلمانوں کا ایک طلب فرماتے ان میں سے اگر کسی کو کوئی حدیث یاد ہوتی اور وہ پڑھ کر سنا دیتا تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ سنت رسول کے جاننے والے ان کو مدد کو موجود ہیں۔ اگر کسی کو کوئی حدیث بھی یاد نہ ہوتی تو پھر اہل رائے سے مشورہ لیتے تھے۔

مجلس شولہی صحابہ کرام میں جو حضرات معاملہ فہمی اور تدبیر دیاست میں امتیاز رکھتے تھے حضرت ابو بکر نے ان کو اپنا مشیر خاص بنا رکھا تھا۔ جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا ان حضرات سے مشورہ کرتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے۔

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به امر یؤید فیه مشاورة اهل الراى و اهل الفقه و دعا رجا الامن المهاجر و الانصار د عامر و عثمان و علیا و عبد الرحمن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت لہ اور زید بن ثابت کو بلاتے تھے۔

ملکی نظم و نسق یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر کی مدت خلافت کل دد برس تین مہینے تھے لہ طبقات ابی سعد قسم ثانی جز ثانی ص ۱۹ لہ دد برس تین مہینے گیارہ دن ہے۔

بھی اسلامی مملکت کے اندرونی اور بیرونی استحکام اور فتوحات میں بسر ہو گئی لیکن اسکے باوجود حضرت ابوبکر نظم و نسق سے غافل نہیں تھے اور اسلامی مملکت کا رقبہ جتنا وسیع ہوتا جاتا تھا اسی قدر نظم و نسق کے دائرہ کو وسعت ہوتی جاتی تھی حضرت ابوبکر نے آج کل کی مہذب اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرح پوری مملکت کو مختلف محلوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا حاکم مقرر کئے تھے جیسا کہ نقشہ ذیل سے اسکی وضاحت ہوگی۔

مقام حکومت	حاکم کا نام	کیفیت
۱) مکہ (حجاز)	حضرت عتاب بن اسید	
۲) طائف	حضرت عثمان بن ابی العاص	
۳) صنعاء (یمن)	مہاجر بن ابی امیہ	
۴) حرموت	زیاد بن لبید الفزاری	
۵) خولان	یعلیٰ بن منیہ	
۶) زبید و ریمح	ابو موسیٰ اشعری (یمن میں ایک علاقہ کا نام)	
۷) جند	معاذ بن جبل	
۸) بحرین	علاء بن الحنفی	
۹) بخران	جریر بن عبد اللہ البجلی	
۱۰) رومۃ الجندل	عیاض بن الغم	
۱۱) عراق	نشیٰ بن عمارہ	
۱۲) جرش	عبد اللہ بن ثور	
۱۳) حمص (شام)	ابو عبیدہ بن الجراح	
۱۴) اردن	نضر بن حسان	
۱۵) دمشق	یزید بن ابی سفیان	
۱۶) فلسطین	عمرو بن العاص	
۱۷) مدینہ	دہ دارا حکومت تھا جو براہ راست خلیفہ کے ماتحت تھا	

عہدہ داران حکومت کا انتخاب ایک حکومت کے بہترین نظم و نسق کا دار مدار بنیادی طور پر اس بات پر ہے کہ جس عہدہ کیلئے جس شخص کا انتخاب کیا جائے وہ بہم وجوہ اس کیلئے موزوں ہو اس سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ فرماں روا کے وقت میں مردم شناسی کا جوہر ہونا چاہئے۔ مالک بن نویدہ کے واقعہ میں تم پرٹھ آئے ہو کہ حضرت خالد کے متعلق حضرت عمر کو کس قدر شدید اصرار تھا کہ ان کو محض زول کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر نے ایک نہ سنی۔ آخر جب حضرت خالد کے جواب پر کھلے تو حضرت عمر کو خود اقرار کرنا پڑا کہ صحابہ میں حضرت ابوبکر کے برابر کوئی مردم شناس نہیں تھا۔

انتخاب کے معاملہ میں حضرت اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کے دو اصول تھے۔
 ۱) جو شخص جس عہدہ پر آنحضرت کے عہد میں مقرر تھا۔
 ۲) جو شخص جس عہدہ پر رکھتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت سے زیادہ صحیح انتخاب کس کا ہو سکتا تھا چنانچہ عیش اسامہ کی روانگی کے وقت حضرت امہ کی امارت پر سب سے ہی اعتراض کیا مگر آپ نہ مانے۔ حضرت عمر نے جب حضرت خالد کا محض زول کا مطالبہ کیا تو انہی نے صاف فرمایا کہ "جس تلوار کو رسول اللہ نے نیام سے باہر کیا ہو میں اس کو کیونکر نیام میں رکھ سکتا ہوں" مکہ میں عتاب بن اسید طائف میں عثمان بن ابی العاص صنعاء میں مہاجر بن ابی امیہ حضرت موت پر زیاد بن لبید اور بحرین پر علاء الحنفی۔ آنحضرت کے عہد میں عامل تھے تو عہد صدیقی میں بھی اسی عہدہ پر رہے۔ ۲) دوسرا اصول جس کی طرف حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں متعدد مواقع پر اشارہ کیا ہے یہ تھا کہ وہ اس شخص کا انتخاب کرتے تھے جس کو آنحضرت کی فیضان تربیت سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کا موقع ملا ہو۔ چنانچہ جو لوگ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو ترجیح دیتے تھے۔

اقربانوازی سے اجتناب | ایک فرماں رد اکیلیئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ عہدوں کی تقسیم کے معاملہ میں اقربانوازی اور جنبہ داری سے اجتناب کرے اور عہدہ اس شخص کو ہی سپرد کرے جو بہمہ وجوہ اس کا اہل ہو۔ حضرت ابو بکر کا خود بھی اس پر بڑی سختی کے ساتھ عمل تھا اور اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

یزید بن ابی سفیان کو شام کی امارت پر روانہ کیا تو فرمایا۔

یا یزید ان لك قربة
عیت ان تو شہہ بالامارة
وذلك اكبر ما اخاف عليه
فان رسول الله قال من حلی
من امر المسلمين شيئاً قام عليهم
احداً حاباً فاعليه لعنة الله
لا يقبل الله عنه صرفاً ولا عدلاً
حتى يدخله جهنم له

یہ یزید! وہاں تمہارے عزیز قریب ہیں لیکن
ہے کہ تم ان کو امارت کے دینے میں ترجیح دو
یہ وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کا میں تم سے اندیشہ
کرتا ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو
شخص مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار ہو اور وہ
محض رشتہ کی وجہ سے انہر کسی شخص کو امیر بنادے
تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ اس کھڑن
سے کسی قدر یاد رکھارہ کو قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ اسکو
جہنم میں بھیج دے گا۔

عمال کے تقرر میں عالی ظرفی | ایک طرف اقربانوازی سے یہ اجتناب اور دوسری جانب
عالی ظرفی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی شخص کی نسبت یہ بھی معلوم ہوتا کہ وہ آپ کی ذات
کے ساتھ رنجش رکھتا ہے لیکن آپ جو عہدہ اس کو دینا چاہتے اسکے لئے وہ آپ کے
رائے میں موزوں ہوتا تو اسکی ذاتی رنجش کا خیسال اس کو عہدہ دینے میں
مانع نہیں ہوتا تھا۔ شام کی مہم روانہ کرنے کے وقت خالد بن سعید کو بھی آپ نے
ایک علم عنایت فرمایا تو اگرچہ حضرت عمر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ خالد آپ کی
خلافت سے خوش نہیں تھے اور انہوں نے آپ کی برخلاف بنو ہاشم کو بھڑکایا تھا لیکن
حضرت ابو بکر نے اس کی فدا برداری کی اور تقرر بجا لے رکھا کہ

عمال حکومت کی دجوبی اور انکا احترام | ایک حکومت کی سانشنگی اور اسکے مہذب ہونے کی ایک
بڑی دلیل یہ ہے کہ عمال حکومت کا ان کے مرتبہ و منصب کے لحاظ سے پورا احترام
ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ جبر و تحکم کا برتاؤ نہ کیا جائے حضرت ابو بکر ان دونوں
باتوں کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ حبش اسامہ کو روانہ کرنے کے وقت حضرت ابو بکر جاسٹے
تھے کہ حضرت عمر اس حبش میں نہ جائیں اور مدینہ میں رہ کر ان کے خصوصی مشیر کار کی
حقیقت سے کام کریں لیکن چونکہ امیر الحبش حضرت اسامہ تھے اسلئے آپ نے حضرت عمر کے
متعلق خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اسامہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو حضرت
عمر کو ان کے پاس ہی چھوڑ جائیں۔ پھر دجوبی کا یہ عالم تھا کہ حضرت اسامہ کا
لشکر روانہ ہوا تو اسامہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے لیکن خلیفہ رسول دور تک ان کی
مشالعت کو پیدل گیا اور حضرت اسامہ کے سخت اصرار کے باوجود نہ خود سواری پر
بیٹھے اور نہ اسامہ کو سواری سے نیچے اترنے دیا۔ اسی طرح یزید بن ابی سفیان شام کی مہم
پر روانہ ہوئے تو آپ نے دور تک ان کی پاپیادہ مشالعت کی۔

انتخاب میں احتیاط | عمری کا مشہور مقولہ ہے ”سل المجرب ولا تسأل الحکیم“ اسکے
مطابق جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنا اعتماد دکھو دیا تھا حضرت ابو بکر تائب ہو جانے
کے بعد بھی انکو ذمہ داری کا کام سونپنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خالد کو عراق
کی مہم پر روانہ کیا تو انکو جہاں اور ہدایات دیں ایک ہدایت یہ بھی کی کہ جو لوگ مرتد ہو گئے
تھے ان کو فوج میں بھرتی نہ کیا جائے ان لوگوں کے ساتھ حضرت ابو بکر کا یہ معاملہ اس
وقت تک رہا جب تک کہ ان کے صدق و خلوص امایان کی بختگی کا آپ کو یقین نہیں ہو گیا
یہی وجہ ہے کہ عراق کی مہم کے زمانہ میں ان لوگوں پر جو رکاوٹ تھی۔ شام کی مہم کے زمانہ میں
باقی نہیں رہی تھی۔

آزمائشی تقرر | آج کل کے عام قاعدہ کے مطابق جب تک کسی شخص کے متعلق اسکی حسن کار
نکاری کی وجہ سے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ وہ اس عہدہ کا اہل ہے اس کا تقرر عارضی طور پر کرتے
تھے مستقل ہونے اور ترقی پانے کی شرط حسن کارکردگی ہوتی تھی۔ یزید بن ابی سفیان

کو شام کی ہم پر ایک دستہ فوج کا امیر مقرر کر کے روانہ کیا تو ان کو بہت سی ہدایات دیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے ان ہدایات کا آغاز اس طرح کیا تھا۔

انی قد ولتک لا بلولک
واجربک و اخرجک
فان احنت ردتک الی
عملک و زدتک وان
اسات عزلتک لہ

میں تم کو اس لئے دالی بنا رہا ہے کہ میں تم کو آزادی
تمہارا تجربہ کر دوں اور تمام کو ٹریننگ دوں اگر تم
اچھا کام کیا تو میں اس عہدہ پر تم کو برقرار رکھوں گا
اور ترقی کر دوں گا۔ اور اگر تم نے برا کام کیا تو میں
عہدہ سے الگ کر دوں گا۔

عقال کی معزولی | تقریر کے بعد اگر کوئی عہدہ دار نا اہل ثابت ہوتا تھا تو حضرت ابو بکر
کو فوراً معزول بھی کر دیتے تھے اور اس میں تاخیر و انہیں رکھتے تھے۔ گز چکا ہے کہ
حضرت ابو بکر نے خالد بن سعید کو عرب و شام کی سرحد پر اس کی نگرانی اور دیکھ بھال
کیلئے مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جب تک ان کو اجازت نہ ملے پیش قدمی نہ کریں
لیکن خالد بن سعید سرحد پر رومی افواج کا اجتماع دیکھا اور ادھر خالد کی مدد کیلئے مدینہ
تازہ دم فوج پہنچ گئی تو انہیں پیش قدمی کی اجازت کا انتظار نہیں کیا اور حملہ کیا نتیجہ
پر ہوا کہ اسلامی فوج ہرا ہو گئی۔ حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی تو خالد بن سعید کو سخت
تہدید کی خط لکھا اور ان کے عہدہ سے ان کو معزول کر دیا۔ خط کے الفاظ یہ ہیں۔

اقم مکاتک۔ فلمری انک مقدم
مجامع فجاج من العنزات لا تخصھا
الی حق ولا تصبر علیہ

تم اپنی جگہ ہی رکھو۔ تم بڑے پیقہ کی کہنوائے
ہو لیکن گہرائیوں میں گھسنے سے بھاگتے ہو نہ تم ان
میں درست طریقہ پر گھسنے ہو اور نہ ان پر سیر کرتے ہو۔

پھر جب خالد مدینہ آئے تو ان سے زبانی کہا کہ تم لڑائی کے موقع پر بڑی جلدی
دکھاتے ہو۔ جب خالد چلے گئے تو اس وقت جو لوگ آپ کے پاس تھے ان سے فرمایا
کہ عمر اور علی خالد سے اچھی طرح واقف تھے اگر میں ان کی بات مان لیتا تو خالد سے پہلے ہی
بچتا۔ لہٰذا یعنی ان کو عامل نہ بنانا۔

گورنروں کے فرائض | آج کل کی اصطلاح میں حضرت ابو بکر کی حکومت کو فوجی حکومت
کہہ سکتے ہیں۔ یعنی جو گورنریا دالی ہوتا تھا وہی فوج کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک گورنر
کے فرائض حسب ذیل تھے۔

۱) مسجد میں جماعت کی امامت اور خصوصاً جمعہ کے روز خطبہ دینا۔
۲) فوج کی نگرانی اور ان کی تنخواہ وغیرہ کا بندوبست کر کے اے تقسیم کرنا۔
۳) تمام محصولات کا جمع کرنا اور درآمد و برآمد اشیاء کی نگرانی کرنا۔ کی کوشش کرنا۔
۴) اپنے علاقہ میں امن و امان کی حفاظت کرنا اور لوگوں کی اخلاقی حالت سدھارنا۔
۵) حدود و اشعار کی کر کے مجرموں کو سزا دینا۔

۶) فتنہ پردوں کے خلاف جنگ کرنا اور اس میں جو مال غنیمت ہوتا آئے اس کو مسلمان
فوجیوں میں تقسیم کرنا۔ اور اس کا خمس مرکز کو بھیجنا۔
۷) ہر سال حج کیلئے جانوالے مسافروں کے قافلوں کا بندوبست کرنا اور ان کو حفاظت
کے ساتھ سہولت بہم پہنچانا۔

۸) ضعیف العمر سپاہیوں کی پیش آمد ان کے متعلقین کی معاشی مدد کا انتظام و انصرام
۹) کسانوں کا خاص طور پر خیال رکھنا اور جہاں تک ممکن ہو علاقہ کی زراعت کو
ترقی دینا۔ [عہدوں کی تقسیم] لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک گورنر ہی تنہا سب کا
انجام دیتا تھا بلکہ انتظامی امور کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے ہر شعبہ کو الگ الگ ذمہ
دار افسروں کی نگرانی میں دیدیا جاتا تھا۔ خود آنحضرتؐ کے عہد میں یہی دستور تھا۔ اور
آپ کے بعد حضرت ابو بکر نے بھی اسی پر عمل کیا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں عمال و ولات
کے علاوہ اور جن عہدوں کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہیں۔

عہدہ قضائہ عام طور پر مشہور ہے کہ قضا کا حکم سب سے پہلے حضرت عمر فاروق نے قائم کیا
مولانا شبلی نے الفاروق میں اور پروفیسر بی "تاریخ عرب" میں یہی لکھا ہے۔ لیکن
حقیقت یہ ہے کہ خود عہد نبوت میں قائم ہو چکا تھا۔ کتب حدیث میں "کتاب الاقصیٰ"

کے عنوان سے جواب ہے اس میں ایسی احادیث و روایات مقبول ہیں جو صحیح معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے قاضی کے فرائض و واجبات - عہدہ کے شرائط و آداب شہادت کے احکام و غیرہ نہایت تفصیل سے بیان فرمائے تھے۔ اگرچہ معاملاتِ خصومت میں آخری فیصلہ آپ ہی کا نافذ ہوتا تھا۔ لیکن مملکت میں توسیع کے باعث ہر معاملہ اور مقدمہ آپ خود فیصلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے قاضی بھی مقرر فرما دیتے تھے۔ اور ان کو اس سلسلہ میں خاص خاص ہدایات دی تھیں چنانچہ حضرت علیؓ کو مین کا قاضی مقرر فرمایا تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کم عمر ہوں اور مجھ کو قضا کا کوئی علم نہیں ہے آنحضرتؐ نے جواب دیا ”اللہ تمہارے قلب کو راہ دکھلائیگا اور تمہاری زبان کو استدلالی بختے گا۔ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے بیٹھو تو جس طرح تم نے پہلے فریق کی بات سنی ہے اسی طرح جب تک دوسرے کی نہ سن لو۔ کوئی فیصلہ نہ کرو۔ یہی طریقہ ہے جس سے فیصلہ کرنا تمہارے لئے آسان ہوگا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل کو مین بھیجا تو آنحضرتؐ نے پوچھا ”جب تمہارے سامنے خصوصیات آئیں تو تم کیونکر حکم (قضا) کر دو گے۔ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں پھر دریافت فرمایا۔ لیکن اگر کتاب اللہ میں نہ پاد تو؟ عرض کیا ”سنت رسول اللہ کی روشنی میں اب سوال ہوا۔ اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاد تو؟ انہوں نے جواب دیا ”ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کرو لگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دو لگا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے مسرت سے حضرت معاذ کا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا ”جمع حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس کی توفیق دی جو رسول اللہ کا پسندیدہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد میں حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ اور بعض اور صحابہ کو جس کے نام آگے آتے ہیں۔ اس خدمتِ قضا پر مامور رکھا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کتب تاریخ و سیر میں ان حضرات کو عہد صدیقی کے اربابِ افتاک کہا گیا ہے اور حلیا کہ علامہ سرخسی نے تصریح کی ہے۔ صدیقِ اول میں قاضی کو بھی مفتی کہتے تھے۔ یہ حضرات

لے سن ابی داؤد باب کیف القضاء لکے سن ابی داؤد باب اجتہاد الراعی بالقضاء لکے المسبوح ج ۱ ص ۱۰۹

لیکن حضرت عمر فاروق قاضی القضاۃ۔ یعنی چیف جسٹس کے عہدہ پر مامور تھے اور اہم معاملات کا فیصلہ آپ ہی کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں حضرت عمرؓ کے لئے افتاد کا نہیں بلکہ صرف قضا کا لفظ آتا ہے۔

طبری میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے خود فرمایا ”انا الکفیل القضاۃ“ میں آپ کیلئے قاضی کا کام کر دوں گا۔ لیکن چونکہ وہ خیر القرون کا دور تھا اس لئے سال بھر تک باہمی خصومت کا کوئی معاملہ ہی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ طبری کے علاوہ ابن اثیر میں ہے۔

وفیہا استقضى ابو بکر عمر بن الخطابؓ اور اس سال ابو بکر نے عمر بن الخطابؓ کو قاضی بنایا کان یقضى بین الناس خلافتہ کلھا اور خلافت صدیقی مہر قضا کا کام کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ اپنے اس حق قضا کو آزادی کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور ایک بے کار زمین جو ان کی طرف پرطی ہوئی تھی۔ اس کا مطالبہ کیا۔ چونکہ یہ دونوں مولفۃ القلوب میں سے تھے اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور زمین کا پٹہ انکے نام لکھ دیا۔ اب یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تاکہ پروردانہ خلافت کی ان سے توثیق کرائیں لیکن حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی سخت عجب ناک ہوئے اور پروردانہ ان کے ہاتھوں سے لے کر چاک کر دیا اور فرمایا رسول اللہؐ اس زمانہ میں تمہاری دل جوئی کرتے تھے جبکہ اسلام کمزور تھا اب اسلام کافی مضبوط ہے۔ تم سے جو کچھ ہو سکے کر دیکھو یہ دونوں وہاں سے لوٹ کر بیٹھو حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آئے اور بولے خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا خلیفہ تو عمر ہی ہوتے اگر وہ چاہتے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی عصبہ میں بھرے ہوئے آپہنچے اور حضرت ابو بکرؓ سے باز پرس کرنے لگے کہ آپ نے یہ زمین کا ٹکڑا ان دونوں کو کس طرح دیا؟ یہ آپ کی ملکیت ہے یا مسلمانوں کی؟

لے طبری ج ۲ ص ۶۱۰ لے ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶ لے الامامہ ج ۳ ص ۵۲ ذکر عیینہ بن حصن الفزاری۔

حضرت ابوبکرؓ بولے "مسلمانوں کی" حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر آپ کو کیا حق تھا کہ ان دو آدمیوں کو بخش دیں، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس وقت جو لوگ میرے پاس موجود تھے میں نے ان سے مشورہ کر لیا تھا۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو بحال رکھا بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تحریر چاک کر دی تھی۔ اس کے بعد عیینۃ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آیا اور درخواست کی کہ ایک دوسری تحریر لکھ دیں تو آپ نے فرمایا "لا اجلہ شیئاً من ذلک عمر" میں اس کی تجدید نہیں کروں گا جس کو عمرؓ نے رد کر دیا ہے۔

ایک نکتہ اس واقعہ سے ایک یہ نکتہ بھی پاتھا آتا ہے کہ اگرچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس طرح صیغہ عدالت (JUDICIAL) محکمہ امر و تنفیذ (EXECUTIVE) سے باقاعدہ الگ قائم کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایسا نہیں تھا۔ لیکن جہاں تک اصل اسپرٹ اور اس احساس کا تعلق ہے کہ یہ دونوں صیغے الگ الگ ہونے چاہئیں جیسا تہذیب و تمدن کے دور ترقی میں ہوتا ہے وہ بہر حال عہد صدیقی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔

وزارت عظمیٰ اگرچہ اس زمانہ میں وزارت کا عہدہ باقاعدہ نہیں تھا۔ لیکن جہاں تک وزارت کے فرائض کا تعلق ہے وہ بھی حضرت عمرؓ سے متعلق تھے۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے میسر خصوصی اور امور مملکت میں دست راست تھے اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ ان کو اپنے ساتھ مدینہ میں ہی رکھتے تھے کسی ہم پر نہیں بھیجتے تھے، آنحضرتؐ نے جیش اسامہ میں شرکت کیلئے جن کو نامزد کیا تھا ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ لیکن لشکر کی روانگی سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہ سے درخواست کی کہ اگر وہ عمر فاروقؓ کو مدینہ ہی میں چھوڑ جائیں تو بہتر ہے تاکہ وہ امور خلافت میں ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

وزارت خزانہ بیت المال کا قیام آنحضرتؐ کے عہد میں ہی عمل میں آگیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا اہتمام و انتظام حضرت عبیدہ کے سپرد کیا جو بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا پورا احباب رکھتے اور اس کی نگرانی کرتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ

۱۔ کتاب الاموال ابوعبیدہ ص ۲۷۲ لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۲ لے طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۲ ص ۱۵۱

سے پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں مال کس قدر آیا ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا۔ "دو لاکھ دینار" لے

عہدہ کتابت | چونکہ اہم فرامین و احکام کتابت کو ہی لکھتے ہوتے ہیں اس لئے کتابت کا عہدہ بھی بڑا اہم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اس عہدہ کا کام وقتی طور پر ان لوگوں سے بھی لیتے تھے جو ضرورت کے وقت ان کے پاس موجود ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ جو حضرت خاص اسی کام پر متعین تھے۔ وہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ عمال کے نام احکام | عمال حضرت ابوبکرؓ کوئی حکم بھیجتے تھے تو آپ کا طریقہ وہی ہوتا تھا بھیجے کا طریقہ | جو خود آنحضرتؐ کا تھا۔ یعنی من ابی بکر الی فلاں سے آغاز کرتے تھے۔ یہ طریقہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کے ابتدائی دور تک قائم رہا۔ جب ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اس نے اس کو بدل دیا۔ اور حکم دیا کہ لوگ ہم کو اس طرح خطاب نہ کریں۔ جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے سے خطاب کرتے ہیں۔ لے

عہدہ افتاء | افتاء یعنی شرعی حکم بتانے کے لئے تقویٰ و طہارت کے علاوہ تفقہ کی ضرورت ہے۔ اور بہ محض ایک وہی دولت ہے خدا جس کو چاہے بخش دے۔ ہر عالم دین اس سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جو حضرات فقیہ سمجھے جاتے تھے اور اس بنا پر افتاء کا عہدہ ان کے سپرد تھا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت علی۔ حضرت معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود لے

پولیس | روزمرہ کے انتظام کیلئے غالباً مستقل پولیس کی شکل میں کوئی خاص عہدہ نہیں تھی اور حق یہ ہے کہ اس زمانہ خیر القرون میں اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ تاہم ضرورت پیش آتی تھی تو فوری طور پر چند بہادروں کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا تھا چنانچہ جیش اسامہ کی مدینہ سے روانگی کے بعد بعض قبائل کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ ہوا تو حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ سے یہ کام لیا گیا۔

عمال کوہدایات | حضرت ابوبکرؓ جب کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سونپتے یا کسی عہدہ پر لے طبری ج ۱ ص ۶۱ لے العقد الفریدی باب التبعات فصل استفتاح الکتاب لے تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱

اسکو مقرر فرماتے تو اس کے متعلقہ فریق ایک ایک کر کے بیان کرتے اور اس عہد لیتے کہ وہ اس پر عمل کرے گا حضرت اسامہ کی قیادت میں آپ نے جو لشکر عرب و شام کی سرحد پر روانہ کیا تھا جب وہ چلنے لگا۔ تو آپ نے اس کو روک کر دس ہدایتیں دیں آپ نے فرمایا۔

ایہا الناس تفوا وصیکم بعشر
فاحفظوها عني ولا تحزنوا ولا تغلوا
تعدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلاً
صغيراً ولا شيخاً كبيراً ولا امرأة
ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوه ولا
تقطعوا شجرة مثمرة ولا تدجوا
شاة ولا بقرة ولا بعيراً الا لمالکة
وسوف تمرون باقوام قد فرغوا انفسهم
في الصوامع قد عوهم وما فرغوا انفسهم
له وسوف تقدمون على قوم يا تونكم بانيه
فيها الوان الطعام فاذا اكلتم منها شيئاً بعد
شيئاً فاذا كروا اسم الله عليها و
تلقون اقواماً قد محصوا اوساط
رؤوسهم وتركوا حولها مثل
المصابب فاحفظوهم بالسيف خفياً
انذروا باسم الله اقلناكم الله بطعن
والطاعون له

اسی طرح شام کی طرف لشکر روانہ کئے تو ایک لشکر کے قائد حضرت یزید بن ابی سفیان کو مفصل ہدایات دیں۔ یہ اگر چہ طویل ہیں لیکن دشمنوں دنیا کا شکار ہیں اس لیے ہم ذیل میں تمہارا نقل کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔

لے طبری ج ۲ ص ۲۶۳

عليك يتقوى الله، فانه يركن
باطنك مثل الذي من ظاهر لك
وان اولى باس اشد هم توليا لك
واقرب الناس من الله اشد هم
تقرباً اليه بعمله وقد وليت لك
عمل خالداً قايماً وعبية الجاهلية
فان الله يبغضها ويبغض اهلها
واذا قدمت على جندك فاحسن
صحبتهم وابدأهم بالخير۔
وعدهم اياه۔ واذا وعظمتهم
فاوجز۔ فان كثير الكلام ينسى
بعضه بعضاً واصلم نفسك ليصلح
لك الناس ومن الصلوات لا وقاتها
باتهام ركوعها وسجودها والتختم
فيها۔ واذا قدم عليك رسول
عدو لك فاكرمه وامل لبثهم۔
حتى يخرجوا من عسكرك وهم
جاهلون به۔ ولا ترينهم فيروا
خلدك ويعلموا علمك وانزلهم
في ثروة عسكرك وامنع من قبلك
من محادتهم وكن انت امتولى لكل
ولا تجعل سرك لعل انيتك فيخلط
امرك واذا استشرت فاصدق الحديث

تم اللہ سے تقویٰ کو لازم پکڑو۔ کیونکہ وہ تمہارے
باطن کو تمہارے ظاہر کی طرح دیکھتا ہے اور اس
میں شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک سب زیادہ
بہتر آدمی وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے
محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ کا سب سے زیادہ مقرب
بندہ وہی ہے جو اپنے عمل کے ذریعہ سب سے زیادہ
قریب ہے۔ میں نے تم کو خالد کا کام سپرد کیا ہے
اس لئے تم جاہلیت کی باتوں سے بچو۔ کیونکہ اللہ
ان باتوں کو اور ایسے لوگوں کو مبغض رکھتا ہے۔
تم جب اپنے لشکر کے پاس پہنچو تو خوش خلقی
کے ساتھ پیش آؤ اور بھلائی کے ساتھ اپنے مقام
کا آغاز کرو اور ان سے اس کا وعدہ نہ کرو۔
اور جب ان کی نصیحت کرو تو اختصار سے کام لو۔
کیونکہ کثرت کلام میں آدمی بھول جاتا ہے کہ
اس نے کیا کہا تھا۔ اپنے نفس کی اصلاح کرو تو لوگ
تمہارے لئے ٹھیک رہیں گے اور نمازیں مع مکمل
رکوع و سجود اور مشروع کے انگہادات میں
ادا کرو جب دشمن کے قاصد تمہارے پاس آئیں تو
ان کا اکرام کرو۔ اور ان کا قیام محترم رکھو تاکہ وہ
تمہارے لشکر سے جاہل تو اس سے باخبر نہ ہوں
اور ان کو اصل لشکر مت دکھاؤ ورنہ وہ تمہارا
خلل دیکھ لیں گے۔ اور تمہارے حال سے واقف
ہو جائیں گے۔ ان قاصدوں کو لشکر کی اچھی خبریں

تصدق المشورة ولا تخزن عن المشير
خير لك فتوتى من قبل نفسك واسم
بالليل في اصحابك. تاكيد الاخبار
وتكشف عندك الاماكن. واكثر
حسبك وبدوهم في عسكرك
واكثر مفاجاتهم في عمارتهم وغير
علم منهم بك فمن وجدته
عقل عن محسده فاحسن اديه
وعاقبه في غير افراط وعقب بيه
بالليل واجعل الفوبه الا ولى اطول
من الاخرة فانها اليسرهما لقربها
من النهار ولا تخف من عقوبة
المستحق ولا تلج فيها ولا تسرع
اليها ولا تتخذ لها ولا تنقل
عن اهل عسكرك فتفسده ولا
تجسس عليهم فتفرضهم ولا تكتف
الناس عن اسرارهم واكتف بلائهم
ولا تجالس العباثين وجالس اهل
الصدق والوفاء واصدق القاد ولا
تجمن فيجبن الناس واجتنب الغلول فانه
يقرب الفقر ويدفع النمر وسجدوا قواما
حبوا النفسهم في الصوامع. فدرهم
وما حبسوا أنفسهم له

اور اپنے لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع
کرد۔ تم خود ہی ان سے گفتگو کر۔ اپنے بھید کسی پر
کھولو ورنہ معاملہ گڑ بڑ ہو جائیگا۔ بات سچ کہو ورنہ
بھی سچ ہوگا۔ امد اپنی کئی بات اپنے مشیر سے چھپاؤ
ورنہ بات تمہاری ستر پڑے گی۔ اور بات کو اپنے ساتھیوں
کے ساتھ بات چیت کیا کرو۔ تاکہ کوئی خبریں ہلوم ہوں اور پتہ
باتوں کا تم کو علم ہو۔ اپنے محافظین کی تعداد زیادہ
رکھو اور اپنے لشکر میں ان کو پھیلا دو۔ امد بیا اوقات
ان کی بے خبری میں ان کی جو کمپوں پر پہنچ جا کر دیکھو
جس شخص کو اپنی چوکی سے غافل پاؤ اسکی اچھی طرح
سرزنش کرو۔ اور بغیر زیادتی کے اس کو سزا دو۔
رات کو انکے درمیان باری مقرر کرو اور پہلی باری کو
بہ نسبت دوسری کے زیادہ طویل کرو۔ کہو کہ دن سے
قریب ہونیکے باعث یہ زیادہ آسان ہوگی مستحق سزا
کو سزا دینے میں نہ جھجکنا۔ اس کے معاملہ میں زیادہ
تردد کرو اور نہ جلدی کرو۔ اور نہ اسکو بے اثر کرو اور
وہ اپنے اہل لشکر سے غافل مت بنو ورنہ تم اسکو خراب کر دو گے
اور زیادہ انکی کھوج کرید بھی نہ کرو ورنہ تم انکو سرا کر دو گے
لوگوں کے بھید معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اور جوان کے ظاہر حال
ہوں ان پر بس کر۔ بیکار آدمیوں کے پاس نہ بیٹھو اور جم کر نہ
اور بزدلی نہ دکھاؤ ورنہ لوگ بزدلی دکھائیں گے۔ خیانت نہ پتہ
کہو کہ خیانت فوج کا باعث ہوتی ہے۔ اور مدد کو درکار ہوتی ہے
اور تم کو اپنے لوگوں کی جو عمارت گاہوں میں گزرتی ہو اسکو دیکھو کہ تم انکو
انکے مال پر چھوڑ دو۔

تقوی و طہارت کی عام تاکید | یہ ہدایات وہ ہیں جو ہر شخص کو الگ الگ اس
کے عہدہ اور منصب کے اعتبار سے دی جاتی تھیں ان کے علاوہ تقوی و طہارت۔
خوف خدا۔ فرائض کی انجام دہی میں امانت و دیانت ان چیزوں کی تاکید و ہدایت تو
آپ ہر خطبہ میں، ہر فرمان اور خط میں، ہر مجلس اور محفل میں کرتے رہتے تھے۔
مثلاً عمرو بن العاص اور ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنو قضاۃ پر عامل صدقات مقرر کر کے روانہ کیا تو
انکی مشایعت کے لیے کچھ دور تک خود تشریف لائے اور رخصت ہوتے وقت ہر ایک کو یہ ہدایت کی۔
اثق الله في السر والعلانية
فانك من يثق الله يجعل له
مخرجاً ويرزقه من حيث لا
يحتسب ومن يثق الله يكفر
عنه سيئاته ويعظم له اجره
فان تقوى الله خير ما تواسى به
عباد الله. انك في سبيل من سبيل
الله لا يسعك فيه الادهان و
التفريط والغفلة عما فيه قوام
دينكم وعصمة امركم. فلا تن ولا تقتر. پس تم سستی اور کاہلی مت اختیار کرو۔
یزید بن ابی سفیان کو ہدایات دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے لکھا
ومن اعطى احد احمى الله فقد
انتمك في حمى الله شياً بغیر حقہ
فعليه لعنة الله
عالم و امرائے احتساب | مفصل ہدایات اور احکام دینے کے بعد کوئی عہدہ دار خواہ کتنی ہی
دور اور نظروں سے اوجھل ہوتا حضرت ابوبکر بہر حال اسکی ایک ایک حرکت پر کڑی نگاہ رکھتے تھے
لے طبری ج ۲ ص ۵۸۸ لے مسند امام احمد ج ۱ ص ۶

اور جہاں اور جب کوئی نقص نظر آتا فوراً اس پر متنبہ فرماتے یا باز پرس کرتے تھے۔ چنانچہ
ہاجر بن ابی امیہ کی نسبت معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک عورت جو مسلمانوں پر سب و شتم کرتی
تھی اس کے دانت اکھڑا دیئے ہیں۔ تو فوراً ان کو سخت سرزنش کا خط لکھا جس میں
دلائل سے یہ ثابت کیا تھا کہ ان کا یہ عمل صریح ظلم اور ناجائز ہے اور آخر میں تحریر کیا کہ چونکہ
یہ تمہارا پہلا جرم ہے اس لیے معاف کرتا ہوں۔ ورنہ سزا دیتا۔

حضرت ابوبکر حضرت خالد کے کس درجہ قدرداں اور مداح تھے؟ یہ صفحات گزشتہ سے
معلوم ہو چکا ہے بایں ہمہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد ہی انہوں نے مجاہدہ کی لڑکی سے نکاح
کر لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو سخت تہدید کی خط لکھا کہ۔

لعصری یا ابن ام خالد انک بے شبہ اے خالد کی ماں کے بیٹے! تیرا دل بڑا
لفارغ تنکح النساء و بفناء بیتک بے رحم ہے تو عورتوں سے نکاح اس وقت کر رہا
دم الف و مائتے رجل من المسلمین جبکہ تیرے گھر کے صحن میں بانہٴ مسلمانوں کا
خون ابھی تک خشک نہیں ہوا ہے۔

طبری بیان ہے یہ خط اس درجہ غضب آلود تھا کہ گویا اس سے خون ٹپک رہا تھا۔
اس کے بعد عراق میں جنگ فراض کے ختم ہوتے ہی حضرت خالد حضرت ابوبکرؓ کی اجازت کے
بغیر چھپ چھپا کر حج کر آئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع ہوئی تو سخت عتاب کا خط لکھا۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد کو شام کی ہم پر جو روانہ کیا تھا وہ حضرت
خالد کے اسی جرم کی پاداش میں تھا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ آئندہ وہ اس کا ارتکاب نہ کریں۔
معمولی غلطیوں سے اغماض ایک فرمانروا کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ عمال و کارکنان حکومت

کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے اور جب ان سے کوئی غلطی ہو تو احتساب کرے ساتھ ہی
اس میں اس درجہ تحمل ہونا چاہیے کہ معمولی بھول چوک سے چشم پوشی کرے اور اگر ضرورت
ہو تو تھوڑی بہت تنبیہ کر دے۔ معمولی معمولی باتوں پر سرزنش کرنا اصول حکمرانی کے خلاف

ہے حضرت ابوبکرؓ میں احتساب کی قوت کے ساتھ یہ وصف بھی بدرجہ اتم تھا۔ طبری میں ہے۔

طبری ج ۲ ص ۵۵۰ طبری ج ۲ ص ۵۱۹ ۳۵۰ ایضاً ص ۵۸۴

وکان ابوبکر لا یقید من عمالہ ابوبکر اپنے عمال اور کارپردازان حکومت پر زیادہ
ولا وزعتہ لہ دارو گیر اور خردہ گیری نہیں کرتے تھے۔

عمال کی تنخواہ اعمال و کارپردازان حکومت کی تنخواہ کا رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ تنخواہ کی مقدار کی تعیین میں عہدہ کی حیثیت اور اس کے فزوی
اخراجات و لوازم کی رعایت بھی ہوتی تھی مثلاً گھوڑا۔ ہتھیار۔ خادم وغیرہ۔ حضرت علی فرمایا
کرتے تھے۔ ”ہم میں سے جو کوئی شخص بھی والی ہو“ اگر اس کے بیوی نہ ہو تو بیوی کرے نوکر
نہ ہو تو نوکر رکھے۔ گھر نہ ہو تو گھر بنائے یا کرایہ پر لے۔ سواری کا جانور نہ ہو تو وہ لے اس سے
زیادہ جو لے گا وہ یا خائن ہے یا چور۔

گورنر یا کوئی اور عہدہ دار تو الگ رہا۔ خود خلیفہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس
کی روایت ہے کہ اللہ کے مال میں سے خلیفہ کے لیے صرف دو پیالے لینا جائز ہیں ایک
پیالہ اہل و عیال کیلئے اور دوسرا لوگوں کی خاطر مدارت کے لیے۔

عتاب بن اسید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مکہ کے عامل تھے اور عہد
صدیقی میں بھی اسی عہدہ پر فائز رہے۔ انکو تیس درہم ماہانہ تنخواہ ملتی تھی لکھ ظاہر ہے یہ قلیل
تنخواہ ناگزیر ضروریات زندگی کی ہی کفیل ہو سکتی تھی اس میں اتنی گنجائش کہاں تھی کہ وہ پس انداز
کر سکیں چنانچہ اس منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد اس زمانہ کی کمائی کی یادگار جو چیز ان کے
پاس بچی تھی وہ صرف دو کپڑے تھے جو انہوں نے اپنے غلام کے سان کو پہنا دیتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بہ نسبت عہد نبویؐ کے ریاستی آمدنی بڑھ گئی تھی۔ اس بنا پر
تنخواہوں کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا ہوگا۔ بہر حال حضرت ابوبکرؓ کا اصول یہ تھا کہ تنخواہیں اصل
ضروریات زندگی کے لحاظ سے سب کی برابر رکھتے تھے۔ مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے۔

وقسم ابوبکر بین الناس بالسویۃ اور ابوبکرؓ لوگوں میں برابر سب تقسیم کرتے تھے کسی
لہ یفضل احداً علی احد۔ کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

طبری ج ۲ ص ۵۰۳ کنز العمال بر حاشیہ منہ امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۴۲ کنز العمال بر حاشیہ منہ احمد ج ۲ ص ۲۲
۱۴۲ لہ ترتیب الادبیۃ الکتابی ج ۱ ص ۲۶۴ ۵۵۰ الاصابہ ج ۲ ص ۲۴۲ تذکرہ عتاب بن اسید لہ الاصابہ

ایک مرتبہ مال آیا اور آپ نے اس کو حسب معمول برابر برابر تقسیم کر دیا اور فرمایا ”مجھ کو یہ پسند ہے کہ میں بقدر ضرورت لینے پر اکتفا کروں۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا ہے وہ خالص اللہ کے لیے رہے۔“

حضرت ابو بکرؓ کی تنخواہ | حضرت ابو بکرؓ شروع میں تو کوئی تنخواہ لیتے ہی نہیں تھے مسیح میں جو تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اسی پر گزر بسر کرتے تھے۔ لیکن جب امور خلافت میں انہماک بڑھا تو اب چونکہ تجارت میں مشغولیت فرائض خلافت کی بجائے اس میں رخنہ انداز ہو سکتی تھی اس لیے حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کے کہنے پر آپ نے بقدر ضرورت اپنی تنخواہ بھی مقرر کر لی لیکن اس تنخواہ کی مقدار کیا تھی؟ اس میں مختلف روایات ہیں۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ آپ تین درہم یومیہ لیتے تھے کچھ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار درہم سالانہ لیتے تھے اور ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے کل مدت خلافت میں بیت المال سے اپنے گھر کے خرچ کے لیے صرف چھ ہزار درہم لیے تھے۔ لیکن وفات کے وقت اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کو وصیت کی کہ یہ رقم بھی ان کی جائیداد کو فروخت کر کے بیت المال میں جمع کر دی جائے۔

اس بناء پر ہمارا خیال ہے کہ شروع میں حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کے کہنے سننے سے اپنا وظیفہ مقرر ضرور کر لیا تھا لیکن اس کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ زندگی بہت سادہ اور گھر کی ضرورتیں مختصر تھیں۔ اس لیے صرف بقدر ضرورت لیتے تھے اور اگر کبھی گنجائش دیکھی اور کوئی غیر معمولی ضرورت اچانک پیش آگئی تو مقررہ رقم سے زیادہ بھی لے لیتے تھے اور یہ جو کچھ کرتے تھے اہل شوریٰ کے مشورہ اور ان کی اجازت سے کرتے تھے۔

غور کرو! کیا اس سے بڑھ کر جمہوری سوشلسٹ گورنمنٹ دنیا کی تاریخ میں کوئی اور بھی ہوئی ہے۔

مالی نظام

ریاست کے ذرائع آمدنی اور مصارف

حضرت ابو بکرؓ کا مختصر عہد خلافت جو کچھ بھی تھا تمام تر جزیرہ عرب کے اندرونی استحکام قومی وحدت اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت کے کاموں میں مصروف رہا اس لیے آپ کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ حضرت عمرؓ فاروق کی طرح حکومت کے مختلف کاموں کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے ہر ایک شعبہ کیلئے جدا جدا محکمہ قائم کرتے ہر محکمہ کے الگ الگ عہدہ دار مقرر فرماتے اور اس کیلئے آئین و ضابطہ کی حد بندی کرتے۔ اس بنا پر عہدہ صدیقی کے نظم و نسق اور معاملات و مسائل حکومت و ریاست میں وہی سادگی پائی جاتی ہے جو آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں پائی جاتی تھی۔ اس بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے مالی انتظامات کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ خود عہد نبوت میں مالی نظام کیا تھا۔

عہد نبوت میں نظام مال | دوسرے احکام کی طرح اتفاق مال سے متعلق احکام دفعہ نازل نہیں ہوئے بلکہ تدریجی طور پر حسب موقع و ضرورت نازل ہوئے یا زبان حق ترجمان نبوت سے ادا ہوتے رہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی منزل تو ترغیب دعوت کی تھی۔ یعنی اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آنحضرتؐ مکہ میں قیام رکھتے تھے اور مختلف ضرورتوں کے لئے روپیہ درکار تھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا، اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کیلئے تم کو خرچ کرنا چاہیے خواہ وہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو، اس کے علاوہ قرآن میں بھی

بہت سی ترغیبات ہیں اس کے بعد جب آپ نے ہجرت کی اور صحابہ کرام اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ آنے لگے تو اب سب سے بڑا مسئلہ ان مہاجرین کی آباد کاری کا تھا اور ظاہر ہے روپیہ کے بغیر یہ حل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اس پیچیدہ ترین گتھی کو اس خوبی کے ساتھ حل کیا کہ تاریخ میں اس جیسی نظیر مشکل سے ہی مل سکتی ہے آپ نے انصار اور مہاجرین میں مواخات کرادی۔ اس مواخات میں یہ شرط تھی کہ مہاجر اور انصار دونوں ایک ساتھ مل کر کام کریں گے اور وراثت تک میں ایک دوسرے کے شریک رہیں گے۔ اس طرح مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ لیکن دوسرے کاموں کیلئے روپیہ کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے اب صدقات و خیرات کے کار خیر ہونے کا اعلان ہوا آنحضرتؐ نے اس کا یہ نظم قائم کیا کہ تمام صدقات و خیرات خود وصول فرماتے اور ارباب حوارج پر تقسیم فرمادیتے، لیکن یہ خیرات خود آپ کے اور بڑا ہاشم کیلئے حلیم تھی۔ اس طرح آنحضرتؐ نے ان بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا جو عام طور پر پبلک فنڈ کے منوالوں سے صادر ہوتی ہے بلکہ دنیا کی عظیم الشان بادشاہتوں کا تو تخیل ہی یہ رہا ہے کہ پبلک کا جو روپیہ خزانہ نہیں آتا ہے وہ بادشاہ کی ملک ہے اور اس کو حق ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر جس طرح چاہے خرچ کرے

رد بہ ہیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجائے

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ۲۰ھ میں صدقہ الفطر واجب ہوا۔ اس کے بعد صدقہ و خیرات کا عام حکم نازل ہوا۔ لوگوں نے پوچھا، حضور! ہم کیا خرچ کریں؟ ارشاد ہوا، ضروریاتِ زندگی پوری کرنے سے جو کچھ بچ رہے، ”لَيْسَلَوْ نَكَ مَا زَانِفَقُونَ“ قِلِّ الْعَفْو۔ پھر جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں، زمینیں اور جاگیریں ہاتھ آئیں اور تجارتی کاروبار کو فروغ ہوا تو اب حکم ہوا،

یا ایہا الذین امنوا افقوا من طیبات اسے ایمان والو! جو اچھی چیزیں تم کو دے گا اور جن کو ہم نے
ماکبتم و ما اخرجنا لکم من الارض۔ (بقوم) تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اس میں سے

لیکن اس وقت تک چونکہ تمام عرب مطیع نہیں ہوا تھا، اسلام صرف ایک تحریک کی صورت میں تھا اور باقاعدہ کوئی سیاست (STATE) قائم نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے اتفاق مالی اور اس کے جمع و خرچ کا کوئی باقاعدہ نظم قائم نہیں ہوا۔ جس میں مکہ کی فتح کے بعد آخر اس کا بھی وقت آگیا اور اس کا پورا انتظام قائم کر دیا گیا اس سلسلہ میں پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ۖ
تَطَهِّرُ هُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔
اے محمد! آپ ان لوگوں کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول
کیجیے تاکہ آپ انکو اس ذریعہ سے پاک و صاف بنا دیں۔
اس کے بعد ۱۰ھ کے آخر میں سورہ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں زکوٰۃ کے احکام اسکی
اہمیت و ضرورت۔ اور اس کے مصارف اور ساتھ ہی جزئیہ کا حکم۔ یہ سب کچھ نازل ہوا۔ ان کی
روشنی میں ۹ھ میں آنحضرتؐ نے باقاعدہ عمال و محصلین کا تقرر فرمایا۔ زکوٰۃ کے احکام و قوانین
مرتب فرمائے اور ان احکام کیساتھ عمال کو زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے مختلف علاقوں اور قبیلوں
میں روانہ کیا یہ وہ وقت ہے جب زکوٰۃ کی حیثیت ایک ریاستی ٹیکس (STATE DUTY)
کی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بیت المال کا قیام بھی عمل میں آیا۔

زکوٰۃ کی شرح | دولت کے سرچشمے دراصل تین ہی ہیں۔ سونا۔ چاندی۔ جانور اور زمین کی پیداوار
آنحضرتؐ نے ان میں سے ہر ایک کی شرحیں الگ الگ مقرر فرمائیں۔ سونے چاندی میں سبب حصہ
جانوروں کی زکوٰۃ کی شرح ان کی مختلف قسموں کے لحاظ سے جدا جدا متعین ہوئی اور بڑی تفصیل
کیساتھ۔ مثلاً اونٹ کیلئے نصاب زکوٰۃ پانچ مقرر کیا گیا۔ اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اونٹ
ہوں تو ایک بکری نو اونٹوں تک، دس سے چودہ تک دو بکریاں، پندرہ سے انیس تک تین بکریاں
بیس سے چوبیس تک چار بکریاں۔ پچیس سے پینتیس تک اونٹ کا ایک سال کا بچہ۔ چھتیس سے
پینتالیس تک دو سال کا بچہ۔ چھیالیس سے ساٹھ تک تین سال کا۔ اسیٹھ سے پچھتر تک چار
سال کا۔ چھتر سے نو تک دو برس کے دو بچے۔ اکیانوے سے ایک سو بیس تک تین سال
کے دو بچے۔ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس پر دو سال کا بچہ اور پھر ہر پچاس پر تین برس
کا بچہ اسی طرح کے مفصل احکام بکری، گائے، بھینس وغیرہ کے متعلق ہیں۔

یہ تمام شرحیں وہ ہیں جو آنحضرتؐ نے اپنے ایک فرمانِ خصوصی میں درج فرمادی۔
تھیں۔ لیکن ابھی ان کو عمال کے ہاتھ روانہ نہیں کیا گیا تھا کہ دنیا سے تشریف لے گئے آپ کی بعد

حضرت ابوبکرؓ نے اسپر عمل کیا اور اس کی نقول عمال صدقات کے پاس بھیج دیں
عبداللہ بن النہسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے والد النہسؓ کو عامل صدقہ
(مصدق) بنا کر روانہ کیا تو انہیں اپنی ایک تحریر عنایت فرمائی جس پر آنحضرتؐ کی ہر گئی ہوئی تھی۔
حضرت النہسؓ نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مفصل احکام و ہدایات
تھے۔

زمین پر محصول | زمین اگر مسلمانوں کی مملوکہ ہے تو وہ دو قسم کی ہو سکتی ہے ایک وہ جس کے جوتے
اور بونے میں نہروں کے ذریعے آبپاشی یا موسمی خصوصیات کے باعث کاشتکار کو محنت نسبتاً
کم کرنی ہوتی ہے اور دوسری وہ جس کی آبپاشی کیلئے کاشتکار کو کنویں سے پانی نکالنا ہوتا ہے اس
لیے اس کو مشقت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ پہلی قسم کی زمین پر عشر یعنی پیدوار کا ایک حصہ دینا ہوگا
خواہ وہ روپیہ کی شکل میں ہو یا جنس کی صورت میں، دوسری قسم کی زمین کا محصول عشر کا آدھا
یعنی $\frac{1}{4}$ ہے۔

لگان اجارہ | حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ لگان اجارہ یا ٹھیکہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ زمین
کا کوئی ٹکڑا کسی کاروبار کیلئے ایک شخص کو دے دیا جاتا ہے اور یہ شرط ہوتی تھی کہ وہ اس کاروبار
کے منافع میں سے ایک متعین رقم بیت المال میں داخل کرے گا۔ چنانچہ بنو متعان کا ایک شخص
جس کا نام ہلال تھا اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ایک وادی جس کا نام سلبہ تھا اس کیلئے
مخصوص کر دی جائے تاکہ وہ اس میں شہد کی مکھیوں کی پرورش کر سکے۔ آنحضرتؐ نے اس شرط
پر کہ وہ شہد جو کچھ پیدا ہوگا اس کا عشر بیت المال میں جمع کرے گا اس کی درخواست منظور فرمائی۔ حضرت
عمرؓ کے دور خلافت میں طائف کے گورنر سفیان بن وہب نے خلیفہ دومؓ سے ایک مرتبہ اس کی
بابت دریافت کیا تو اپنے فرمایا: اگر یہ شخص شہد کا عشاء بھی اس طرح ادا کرے جس طرح وہ آنحضرتؐ
کو ادا کرتا تھا تو یہ وادی اس کیلئے مخصوص رہنے دو۔ ورنہ اس وادی کی مکھیاں جنگل کی مکھیوں
کی طرح ہیں جو شخص چاہے ان کا شہد کھا سکتا ہے۔

خراج | آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ جو اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ خراج بھی تھا۔ خراج
مل یا زمین کی پیدوار کی اس مقدار معین کو کہتے ہیں جو مفتوحین کی زمین پر بطور محصول مقرر کر دی گئی

چنانچہ جب آنحضرتؐ نے خیبر فتح کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان زمینوں کے مالک ہیں اور ان کو جوتنا
بونام تم سے زیادہ جانتے ہیں، اس لئے ہمارے ساتھ بٹائی پر معاملہ کر لو۔

آنحضرتؐ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور نصف الضعیف پر معاملہ ہو گیا، فدک کے لوگوں
کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی معاملہ کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی درخواست بھی قبول کر لی
حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں ان لوگوں کیساتھ یہی معاملہ تقاسمت یعنی بٹائی کا
رکھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق اور شام کے جو حصے فتح ہوئے تھے۔ اپنے ان پر سری
طور پر کچھ رقم متعین کر دی تھی اس سے یہ ثابت ہوا کہ امام کو اختیار ملتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو مفتوحہ
زمین پر بٹائی کا معاملہ کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ایک خاص رقم مقرر کر دے۔ بہر حال یہ یاد رکھنا چاہیے
کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ زمین بزور شمشیر فتح کی گئی ہو۔ اور امام نے اسکو مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو
جز یہ کہ یہ ٹیکس بھی غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ لیکن اس میں اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خراج
کیلئے کوئی قرآنی نص نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کی سنت اور آپ کے عمل سے ثابت ہے۔ اس کے برخلاف
جزیہ کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج زمین کا ٹیکس ہے۔ بعد میں اگر مالک زمین
مسلمان بھی ہو جائے تو زمین خراج ہی رہتی ہے لیکن جزیہ فرد کا ٹیکس ہے اور اس حیثیت سے وہ
بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلمان پر زکوٰۃ اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو جزیہ اس سے ساقط ہو جائیگا۔
اگرچہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جزیہ کی شرح متعین کر دی تھی۔ لیکن عہد نبوی
اور اس کے بعد عہد صدیقی میں اس کی کوئی شرح مقرر نہیں تھی۔ بلکہ سہولت کیساتھ جو شخص جتنا دے
سکتا تھا اس سے اتنا ہی لیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔

لیس فی اموال اهل الذمۃ اہل ذمہ کے مالوں میں سے اتنا ہی لیا جائیگا جو ان کی
الاغصو۔ ۳۷ ضرورتوں سے زائد ہو۔

اہل یمن تجارت پیشہ ہونیکے باعث مالدار اور خوش حال تھے اس لیے آنحضرتؐ نے ان پر
فی کس ایک دینار جزیہ مقرر کیا تھا۔ تجران اور بحرن کے لوگوں کو آپ نے مکتوب گرامی
ارسال فرمایا تھا اس کی تصریح تھی کہ اگر اسلام قبول نہیں کیا تو انہیں جزیہ دینا ہوگا۔

لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۵۰ راہ ۲ کتاب الخراج ص ۵۰ مکتبہ کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۴۲ کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۴۲

حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں حیرہ صلحا فتح ہوا تھا اس لیے خراج کا تو سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ حضرت خالدؓ نے ان لوگوں سے فی کس دس درہم کے حساب سے جزیہ وصول کیا اور اس کو مدینہ روانہ کیا۔

فے اور غنیمت آمدنی کا ایک ذریعہ فے اور غنیمت بھی تھا۔ دونوں میں یہ فرق ہے کہ فے اس مال کو کہتے تھے جو فریق محارب سے بغیر قتال و جہل کے حاصل ہوتا تھا۔ اور بحالت جنگ جو مال ملتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں اس کی تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہو جاتے تھے اور ایک حصہ کو پھر پانچ حصوں پر تقسیم کر کے اس طرح بانٹ دیا جاتا تھا کہ ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول کا۔ دوسرا آنحضرتؐ کے ذوی القربی کا۔ تیسرا یتیموں کا۔ چوتھا مسکینوں کا اور پانچواں مسافروں کا عہد نبویؐ میں اسی پر عمل ہوتا تھا۔

جاگیر بخشی | عہد نبوت میں جاگیر بخشی کا رواج تھا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو زمین کا ایک ٹکڑہ اس شرط پر عطا فرما دیتے تھے کہ وہ اس کو جوت بو کر آباد کرے گا اور اس کی آمدنی کا ایک حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ ایک مرتبہ اپنے قبیلہ مزینہ کے چند لوگوں کو ایک زمین عطا فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے اس کو جوت نہ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ کچھ دوسرے لوگوں نے اسمیں کاشتکاری کر لی۔ اب مزینہ والوں نے اس زمین کو پھر واپس لینا چاہا۔ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فیصلہ دیا جو شخص تین برس تک زمین کو یونہی ڈالے رکھے اور پھر کوئی شخص اس کو آباد کر دے تو یہ دوسرا ہی زمین کا زیادہ حقدار ہو گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی اس طریقہ کو اسی طرح قائم رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے یمامہ کے مجاہد نامی ایک شخص کو ایک درخواست پر اپنے ایک فرمان خصوصی کیساتھ یمامہ کو کچھ زمینیں عطا فرمائی تھیں، اور فرمان میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم سے کوئی شخص جھگڑا کرے تو میرے پاس آنا، آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مجاہد بن مرارہ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

۱۔ کتاب الاموال ص ۲۷۲ ۲۔ کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۲ ۳۔ المخطوط ج ۱ ص ۱۸۲ ۴۔ علاوہ احکام السلطانیۃ

لما مدی میں از صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۵ ایسی زمینوں کا ذکر تفصیل کیساتھ مذکور ہے۔

اور مزید ایک زمین کی درخواست کی تو حضرت ابو بکرؓ نے ایک زمین جس کا نام خضارہ تھا اس کو عطا فرمادی۔

ایک مرتبہ اپنے طلحہ بن عبد اللہ کو ایک جاگیر عطا فرمادی اور اس کیلئے ایک تحریر بھی لکھ دی طلحہ یہ تحریر لیکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس پر مہر لگا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور بولے کہ یہ کیا اور لوگوں کو چھوڑ کر یہ ساری زمین تم کو ہی ملے گی، طلحہ کو یہ سن کر غصہ آگیا۔ اسی حالت میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس واپس لوٹے اور کہا بخدا میں نہیں جانتا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا درہم نہیں عمرؓ ہی خلیفہ ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔

لیکن اس موقع پر یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عہد نبوت میں اور اس کے بعد عہد خلافت میں بھی جو زمین جاگیریں کسی کو دی جاتی تھیں وہ اس کی اپنی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان زمینوں کو جوت بو کر کارآمد بنایا جائے اور ان سے وہ شخص اور اس کے متعلقین فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان زمینوں کو بیکار چھوڑ دیتا تھا تو وہ اس سے واپس لے لی جاتی تھی اور کسی اور کو دیدی جاتی تھیں، جاگیر اور زمین چونکہ کسی ملکیت نہیں ہوتی تھی اس بنا پر ہر خلیفہ کے عہد میں بڑی تجدید کی ضرورت بھی ہوتی تھی چنانچہ آنحضرتؐ نے تمیم بن ادس الداری کو جیرون اور بیت عینون نام کے دو قریے عنایت فرمائے تھے اور ایک فرمان کے ذریعہ اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں پھر اس کی تجدید ہوئی اور آپ نے بھی قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان صادر کیا،

معاذ بن جیس | عہد نبوت میں یہ تو ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے معادن بعض لوگوں کو دیئے ہیں مثلاً بلال بن الرزنی کو قبیلہ (ساحل سمندر پر مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر ایک علاقہ کا نام ہے) کے معادن عنایت فرمائے۔ اسی طرح صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رکاز (مدفون خزانہ یا معدن) پرتک ایک خمس واجب ہے۔ لیکن یہ ٹیکس خود آپؐ نے وصول کیا ہو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ابن سعد کا بیان ہے کہ نبو سلیم کی معدن حضرت ابو بکرؓ کے

۱۔ کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۸۱ ۲۔ کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۶ ۳۔ کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۲۷۵

عہد میں فتح ہوئی تو اس کی آمدنی بیت المال میں داخل کی گئی۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے پاس قبیلہ اور جہینہ کی معدنوں سے بھی کثیر مال آتا تھا۔

بعض اور آمدنیاں [مذکورہ بالا ذرائع کے علاوہ آمدنی کے دوسرے ذرائع اور بھی تھے مثلاً] کوئی شخص اگر لادارت ہوتا تھا یا اس کا وارث تو ہوتا تھا لیکن غلامی یا وجوب قتل وغیرہ کوئی چیز اس کے لیے مانع وراثت ہوتی تھی تو متوفی کی پوری املاک و جائیداد حکومت کے قبضہ میں چلی جاتی تھی اس کے علاوہ تجارتی اموال و بضائع پر بھی ٹیکس لگتا تھا اور اس سے حکومت کو آمدنی ہوتی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں آمدنی کے بعض نئے ذرائع پیدا ہوئے جو عہد نبوت اور عہد صدیقی میں نہیں تھے۔ مثلاً اسلامی مملکت میں باہر کے ملکوں کا جو مال آتا تھا اُس پر محصول درجہ (IMPORT DUTY) کی وصولیابی عہد فاروقی کا کارنامہ ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ رحمت عالمؐ کی شان اسی کی مقتضی تھی کہ بین المملکتی تجارت کو آزاد رکھا جائے اور اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے اور چونکہ عہد صدیقی درحقیقت عہد نبوت کا ہی آئینہ تھا اس لیے جو چیز آنحضرتؐ نے اختیار نہیں کی حضرت ابو بکرؓ اسے کیونکر مروج کر سکتے تھے اور حضرت عمرؓ نے اپنے یہاں اس کو رائج کیا بھی تو اس مجبوری سے کہ دوسرے ممالک کی حکومتیں مسلمان تاجروں سے یہ ٹیکس وصول کرتی تھیں۔

البتہ ہاں سمندروں سے جو منافع حاصل ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بھی ٹیکس لگایا لیکن عہد نبوت اور عہد صدیقی میں اس کا پتہ نہیں چلتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کا قبضہ سمندروں پر نہیں ہوا تھا۔

یہ وہ ریاستی آمدنی کے ذرائع تھے جو آنحضرتؐ کے عہد میں پائے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو جوں کا توں باقی رکھا اور اس میں جہاں کہیں کوئی رخنہ پڑتا نظر آیا اس کو پوری قوت کے ساتھ روکا اور بند کیا۔

زکوٰۃ کی حیثیت اسٹیٹ ڈیوٹی کی ہے [آنحضرتؐ کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ کا جو فتنہ اٹھا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے اس کا جس طرح قلع قمع کیا اس کا ذکر گزر چکا ہے اس سلسلہ میں یہاں

۱۔ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱ ۲۔ فقہاء اصطلاح میں اس کو عشر کہتے ہیں۔

یہ جان لینا ضروری ہے کہ مانعین زکوٰۃ دراصل دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو سرے سے زکوٰۃ کی فرضیت کے ہی قائل نہیں رہے تھے اور دوسرے وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ کو فرض تو مانتے تھے لیکن اس بات کیلئے آمادہ نہیں تھے کہ ان کی زکوٰۃ مدینہ بھیجی جائے۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا ”تَوَحَّدُ مِنْ اَعْيَانِهِمْ وَتَوَكَّلُ اِلَى فُتْرِ الْهَمِّ“، دوسرا گروہ اس ارشاد نبویؐ سے استدلال کرتا تھا کہ زکوٰۃ جس قبیلے کے امیروں سے وصول کی جائے گی۔ اسی قبیلے کے غریبوں پر خرچ ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ چونکہ آنحضرتؐ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اس بنا پر آپ کو تو بیشک اس بات کا حق تھا کہ سب قبائل کی زکوٰۃ وصول کریں۔ لیکن آپؐ کے بعد یہ حق کسی اور کو نہیں پہونچتا۔ اس لیے ان پر ضروری ہیں کہ وہ اپنی زکوٰۃ مدینہ بھیجیں۔ زکوٰۃ کو مدینہ بھیجنا ان کے نزدیک ایک طرح کا ڈانڈ یا تاوان تھا۔ جیسا کہ قرۃ بن ہبیرہ اور حضرت عمرو بن العاص کی گفتگو سے ظاہر ہے جس میں قرۃ نے زکوٰۃ کیلئے مداناوہ، کا لفظ استعمال کیا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کا جہاد ان دونوں گروہوں کے خلاف تھا آپؓ نے فرمایا کہ جس طرح آنحضرتؐ زکوٰۃ لیتے تھے اسی طرح میں بھی لوں گا۔ اور اگر انہوں نے اونٹ کی ایک رسی جس کو عہد نبویؐ میں دیتے تھے مجھ کو اس کے دینے سے بھی انکار کیا (لو منعونی عقلاً) تو میں ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کا یہ ارشاد فقہی اعتبار سے نہایت اہم ہے جس کی طرف کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے۔ آپؓ نے یہ فرما کر جہاں پہلے گروہ کی خام خیالی کا رد کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ زکوٰۃ بھی اسی طرح فرض اور عبادت ہے جس طرح کہ نماز ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ساتھ ہی دوسرے گروہ کی تردید کر کے صاف بتلادیا کہ زکوٰۃ دراصل اسٹیٹ ڈیوٹی یعنی اسلامی حکومت اگر قائم ہو تو یہ اس کا ٹیکس ہے۔ اس لیے جب تک آنحضرتؐ رہے آپ وصول فرماتے رہے اب صدر ریاست میں ہوں تو میں وصول کروں گا۔ پس زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت یہی ہے۔ کسی شخص یا کسی قبیلہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر زکوٰۃ نکال دے اور حکومت کے خزانے میں اس کو جمع نہ کرے۔

حضرت ابو بکرؓ کا یہ فیصلہ چونکہ نہایت اہم تھا اور دقیق و غامض بھی اسی لیے حضرت عمرؓ جیسے نکتہ شناس شریعت نے اس کی داد دی اور صاف طور پر فرمایا -

فعرفت انه الحق لے پھر مجھ کو معلوم ہو گیا کہ واقعی حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہی درست تھی -

حکومت کے مصارف | مذکورہ بالا ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ خلیفہ کے اختیار اور اس کی رائے سے حکومت کے تمام شعبوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ عمال صدقات کا روزینہ تو انہیں کے جمع کیے ہوئے صدقہ سے دیا جاتا تھا اس کے علاوہ باقی تمام کار پر دازان حکومت کی تنخواہیں خلیفہ کی تنخواہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے فوج کیلئے سامانِ رسد، آلاتِ حرب کی فراہمی انکی دیگر ضروریات سماجی اور معاشرتی کام - دینی اور مذہبی امور - رفاہ عامہ ان سب کی تکمیل بیت المال سے ہوتی تھی -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی تکمیل | چونکہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جو علاقے فتح ہوئے ان میں سے بعض وہ تھے جن کی فتح کی پیشگوئی آنحضرتؐ کر چکے تھے اس لیے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کا کسی سے وعدہ بغیر تکمیل کے رہ جائے آپ نے اعلان عام کر دیا تھا کہ جس کسی شخص سے آپ نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بصرہ کا مال آیا تو ایک شخص ابن ابی بھجج نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے آنحضرتؐ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر بصرہ کا مال آیا تو (دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے) میں تم کو اتنا اور اتنا دوں گا حضرت ابو بکرؓ نے کہا دراپھا تو یہ دونوں ہاتھوں سے اٹھا لو، اس شخص نے اٹھایا اور گنا تو پانچ سو درہم تھے۔ چونکہ اس شخص نے ہاتھوں سے دو مرتبہ اشارہ کیا تھا اور ایک مرتبہ کی مٹھی بھرنے میں پانچ سو درہم آئے تھے اس لیے اس رقم کو دگنا کر کے حضرت ابو بکرؓ نے اس کو ایک ہزار درہم عطا فرما دیئے۔

لے بوداؤ کتاب الزکوۃ - یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ حکم اسی وقت تک کیلئے ہے جبکہ مسلمانوں کی اپنی کوئی حکومت اور اجتماعی نظام قائم ہو اور حکومت کی جانب سے زکوۃ وصول کرنے کیلئے عمال و محصلین مقرر ہوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک یہی نظام قائم رہا اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ لیکن حضرت عثمان کے زمانہ میں حکومت بہت متزلزل ہو گئی اور روپیہ کی ریل میں بڑھ گئی تو زکوۃ کو انفرادی طور پر ادا کرنے کی اجازت دیدی گئی لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۳۲

تقسیم میں مساوات | آنحضرتؐ کے وعدوں کی اس طرح تکمیل کرنے کے بعد باقی جو رقم بچتی تھی حضرت ابو بکرؓ اس کو عورت مرد، چھوٹا بڑا، غلام اور آزاد سب پر برابر تقسیم کر دیتے تھے کیونکہ یہی دستور آنحضرتؐ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ بصرہ سے مال آیا آپنے اس کو علی السوۃ تقسیم کیا تو فی کس سوا سات درہم آکر پڑا۔ دوسرے سال مال زیادہ آیا اور حسب سابق برابر تقسیم کیا گیا تو فی کس بیس درہم حصہ میں آئے بعض لوگوں نے ازراہ نکتہ چینی کہا کہ اے خلیفہؓ رسولؐ آپنے مال برابر تقسیم کر دیا ہے حالانکہ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو دوسروں پر تقدم اور تفوق حاصل ہے اگر آپ ان کے سبقت الی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا آپنے جواب دیا تمہیں جن فضائل و سوابق کا ذکر کیا ہے ان کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے؟ لیکن یہ چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ یہ بہر حال معاش کا معاملہ ہے اس میں برابر ہی کا معاملہ کرنا ترجیح دینے سے بہتر ہے۔

خمس مال غنیمت کی تقسیم | پہلے گزر چکا ہے کہ عہد نبوت میں جو مال غنیمت آتا تھا اس کا خمس پانچ حصوں پر تقسیم کر لیا جاتا تھا اور اس میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا اور دوسرا حصہ آنحضرتؐ کے ذوی القربی کا ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی خمس کی تقسیم کے اسی قاعدہ کو باقی رکھا اور اس میں ذرا کمی بیشی یا قطع برید نہیں کی۔ عہد نبوت میں حضرت علیؓ پورا خمس خود لیتے تھے اور پھر اس کو ذوی القربی پر حسب مراتب و مدارج تقسیم کر دیتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں خمس آنحضرتؐ کی حیات میں تقسیم کرتا تھا۔ اس لئے ابو بکرؓ نے بھی مجھ کو اس کا متولی بنا دیا اور ان کی زندگی میں بھی خمس میں ہی تقسیم کرتا تھا لے ابو عبیدہؓ نے ابن شہاب الزہری کا ایک قول نقل کیا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق و تائید ہوتی ہے انہوں نے فرمایا

وکان ابو بکر یقسم من الخمس نحو قسم ابو بکر خمس کو اسی طرح تقسیم کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے

ایک غلط روایت | اس پر یہ قیادینا بھی ضروری ہے کہ قاضی ابویوسف نے ایک روایت نقل کی ہے لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۲۲ اصل کتاب میں "الاسوۃ" چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے صحیح السوۃ ہے اور اصل فقرہ یوں ہے "السوۃ خیر من الاثرۃ" لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۲ لے کتاب الاموال ص ۳۱ باب سہم ذی القربی من الخمس -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خمس میں سے رسولؐ اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا تھا۔ اور صرف تین حصے باقی رکھے تھے اے لیکن یہ روایت بالکل لغو ہے۔ کیونکہ اس کا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک مجروح اور ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت سفیان الثوری کہا کرتے تھے

القول الکلبی _____ کلبی سے بچو

لوگوں نے کہا: "تو پھر آپ اس سے کیوں روایت کرتے ہیں؟" فرمایا: "میں اس کے جھوٹ پر کھڑا ہوں،" یزید بن زریع جو مشہور امام حدیث ہیں انہوں نے ایک مرتبہ کلبی سے کوئی روایت کی تو ساتھ ہی فرمایا کہ کلبی سبائی تھا حضرت اعمش نے یہ سن کر کہا کہ سبائیوں سے بچنا چاہیے میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ لوگ ان کو کذاب کہتے ہیں۔"

کلبی کا یہ حال تو عام ہے پھر روایت زیر بحث کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اسناد ہے عن ابی صالح عن ابن عباس اور محمد بن السائب الکلبی کی اس خاص اسناد کے متعلق ائمہ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس اسناد سے جو روایت ہوگی وہ جھوٹی ہوگی۔ چنانچہ خود حضرت سفیان جنہوں نے کلبی سے روایت کہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک مرتبہ کلبی نے کہا تھا کہ میں ابوصالح سے جو روایت بھی کروں گا وہ جھوٹی ہوگی ابن عدی کا قول ہے۔

واضافی الحدیث فعندہ مناکیر _____ حدیث کے سلسلہ میں کلبی سے بہت سی منکر و خاصۃ اذاردی عن ابی _____ احادیث مردی ہیں اور خاص طور پر وہ روایت

صالح عن ابن عباس _____ جو ابن عباس سے براستہ ابوصالح مردی ہیں۔ حدیث کے علاوہ اس شخص کا تفسیر میں یہی حال تھا کلبی نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کیا محمد بن السائب الکلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز ہے؟ فرمایا: "نہیں،" اے غیر مسلموں کا سماجی تحفظ | غیر مسلم جب جزیہ دینے کی حامی پھر اسلامی حکومت کی اطاعت

اے کتاب الخراج ص ۱۹ باب قسمہ الغنائم ۲ کلبی کے متعلق یہ تمام معلومات میزان الاعتدال فی نقد الرجال حافظ ذہبی ج ۳ ص ۶۱، ۶۲ حرف المیم سے ماخوذ ہیں۔

قبول کر لیتا ہے تو وہ ذمی کہلاتا ہے اور اس کیلئے اسلام کا صاف حکم یہ ہے: "لھم ما للمسلمین و علیھم ما علی المسلمین"، ان کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہوں گے اور ان پر وہ سب کچھ واجب ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے اس مساوات حقوق کی بنا پر جس طرح مسلمان محتاجوں اور یتیموں کی خبر گیری اور ان کا معاشی تکفل اسلامی بیت المال کا فرض ہے ٹھیک اسی طرح ازکار رفتہ غیر مسلموں کی حفاظت اور ان کے روزینہ کا انتظام بیت المال کے ذمہ ہے۔ چنانچہ حیرہ کی فتح کے موقع پر خالد بن الولید نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی طرف سے اہل حیرہ کے نام جو عہد نامہ لکھا تھا اور جو دنیا کی تاریخ جنگ و صلح میں اپنی نظیر نہیں رکھتا اس میں اور چیزوں کے ساتھ ایک اہم دفعہ یہ بھی تھی۔

ایما شیخ ضعیف عن العمل او _____ جو کوئی (غیر مسلم) بوڑھا ازکار رفتہ ہو جائے یا جس کی غیر مسلم احبابہ افۃ من الافات اور غنیاً _____ کو کوئی آفت پہنچے یا وہ مالدار ہو اور پھر فقیر ہو جائے اور فاقرو و صارا اهل دینہ یتصدقون اس کے اہل مذہب اس کو خیر خیرات دینے لگیں تو اس کا علیہ کسرت جرئیۃ و عیل من _____ جزیہ معاف ہو جائیگا اور مسلمانوں کے بیت مال میں سے اس کا بیت المال المسلمین و عیالہ ما اقام _____ اور اس کے متعلقین کا اس وقت تک برابر تکفل کیا جائے بدار لھجرة و دار الاسلام _____ گا جب تک لوگ مدینہ اور اسلامی ملک میں رہیں گے۔ عہد نامہ کے آخر میں یہ بھی تحریر تھا، جو بوڑھے، جوان، عزیز اور امیر۔ تندرست اور بیمار سب غیر مسلموں کیلئے عام تھا۔

فان طلبو عوناً من المسلمین _____ یہ لوگ مسلمانوں سے اگر کوئی مدد طلب کریں گے تو ان کی اعینوبہ و مؤنۃ العون من _____ مدد دی جائے گی اور اس مدد کے سلسلہ میں جو اخراجات بیت مال المسلمین نے _____ ہوں گے وہ بیت المال کے ذمہ ہوں گے جن چیزیں پر نہیں ہیں اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو عطیہ فطرت، سمجھا گیا ہے۔ یعنی یہ چیزیں خود پیدا ہوتی ہیں اور انسانی محنت کو

اس میں دخل نہیں۔ اے ابن خلدون نے ان کو "الفلاحۃ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۱۔ مثلاً گھانس۔ بانس۔ لکڑی۔ نمک۔ پانی۔ جنگل جانور۔ جنگل وغیرہ۔ اگرچہ ہمارے زمانہ کی مہذب حکومتوں تک نے ان پر ٹیکس لگایا ہے۔ لیکن اسلام نے ان چیزوں کو ٹیکس سے بالکل آزاد رکھا ہے اور ہر شخص کو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم پوری آزادی ہے کہ وہ حسب ضرورت ان سے استفادہ کرے۔ اس سے کسی قسم کا کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ کتاب الخراج قاضی ابویوسف اور کتاب الاموال ابو عبیدہ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ عہد نبوت اور اس کے بعد عہد صدیقی میں اسی پر عمل ہوتا تھا۔

فوجی نظام

یوں تو عرب پیدا لشی جنگجو تھے لیکن ان کا باقاعدہ کوئی فوجی نظام نہیں تھا، وہ گریزا جنگ جس کو آج کل کی اطلاع میں گوریلا دار کہتے ہیں۔ اسکے عادی تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ زندگی کی بھی تنظیم کی، اسی تنظیم کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں اس زمانہ کی سب سے زیادہ مہذب، متمدد اور طاقتور حکومتوں ایران اور روم کی فوجوں کو اپنی قلت تعداد اور سامان کی کمی کے باوجود شکست پر شکستیں دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ یونہی بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لہ ہم نے عربوں کے جس طریقہ جنگ کو گریزا جنگ کہا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اس کو روفر کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس طریقہ کے برخلاف عجم میں صفت بستہ ہو کر لڑنے کا (جس کو عربی میں زحف کہتے ہیں اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی آیا ہے) طریقہ رائج تھا۔ آنحضرتؐ نے حسب موقع و محل دونوں طریقے اختیار کیے۔ لیکن لے میجر جنرل محمد اکبر خاں صاحب نے حال ہی ایک بڑی قابل قدر کتاب "حدیث دفاع کے نام سے بھی ہے جو بڑی تقطیع کے ۳۲۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور فیروز سنز لاہور نے اسکو شائع کیا ہے۔ جدید فن حرب کے ماہر کی حیثیت سے میجر صاحب نے اس کتاب میں شائع کیا ہے کہ آنحضرتؐ خالص فنی نقطہ نظر سے بھی دنیا کے سب سے بڑے فاع جنرل اور اصول حرب و ضرب کے ماہر تھے آپ نے جنگ کے دو اصول وضوابط متین کے صحابہ کو جنگ کرنیکی جسطرح تربیت دی اور پھر خود جسطرح فتح کی قیادت کی اور اسکے لئے جو طریقہ اختیار کئے، چودہ سو برس سے زیادہ گزرنے کے باوجود علوم و فنون کے اس مدد ترقی میں بھی اس پر ایک حرب کا اضافہ نہیں ہو سکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل لائق مطالعہ ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ مجتہبان پریس ص ۲۵۹ مالہ لتعمل یدالک

۲۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۱ - ۳۲۲

جہاں دشمن کی فوجیں صف بستہ ہوتی تھیں وہاں زحف کا طریقہ بھی اختیار کرتے تھے قرآن مجید نے اسی کو ”كَانَ هُوَ بَنِيَانٌ مِّمَّنْ دُفِنُوا“ گویا وہ لوگ ایک مضبوط بنیاد ہیں۔ کہلے ہوئے۔

شکر کے مختلف حصے | عربی میں شکر کو خمس بھی کہتے ہیں جو خمس (پانچ حصے) میں سے ایک ہے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شکر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ایک دستہ فوج جس میں امیر شکر ہوتا تھا۔ قلب کہلاتا تھا۔ امیر شکر کے دائیں جانب والے حصہ کو میمنہ اور بائیں جانب والے حصہ کو میسرہ کہتے تھے۔ شکر کا پچھلا حصہ ساقہ اور اگلا حصہ مقدمہ الجیش یا طلیعہ کہلاتا ہے۔ شکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی ایک ترتیب قریب جس میں شکر کے سب حصے پاس پاس ہوتے تھے۔ اس کو تعبیه کہتے تھے اور دوسری ترتیب بعید جس میں شکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلے پر ہوتے تھے اس وقت شکر کے ہر حصہ کو کر دس کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کے عہد میں تعبیه کا رواج تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالدؓ نے شام پہونچ کر جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار ہے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف چھتیس ہزار ہے۔ تو اپنے اسلامی فوج ۳۶ سے ہم تک دستوں (کرادیں) میں بانٹ دیا۔ اس طرح گویا ہر دستہ میں ایک ایک ہزار مجاہد تھے۔ اور ہر دستہ کا ایک ایک امیر مقرر کر دیا۔ قلب کے جو دستے تھے ان کے امیر ابو عبیدہ بن الجراح۔ میمنہ کے دستوں کے امیر عمر بن العاص اور شریک بن حصنہ، میسرہ کے دستوں کے امیر یزید بن ابی سفیان تھے اور پھر ہر دستہ کا الگ الگ بھی امیر تھا۔ جو شجاعت اور بہادری میں نامور تھا مثلاً قعقاع بن عمروؓ عبداللہ بن مسعودؓ قباث بن اشیمؓ لے دشمن کی کثرت تعداد کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ ہائے ارمیوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں مسلمان کس قدر کم ہیں، حضرت خالدؓ نے فرمایا، انہیں مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور وہ جی کتنے تھوڑے ہیں، اس کے بعد کہا کہ کثرت و قلت کا دار و مدار کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

لے مقدمہ ابن خلدون باب القسم السابع فی الحرب لے تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۲

یعنی ان کو یقین تھا کہ نتیجہ جنگ انہیں کے حق میں ہوگا۔ لے لشکر میں دغظ گو | حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں اس کا بھی اہتمام ہوتا تھا کہ چند ایسے حضرات شکر کے ساتھ بھیجے جاتے تھے جو اپنے دلولہ انگیز خطبول اور قرآن مجید کی آیات جہاد کی تلاوت سے مجاہدین میں جوش پیدا کرتے تھے چنانچہ شام کی جنگ کے موقع پر یہ خدمت ابو سفیان بن حرب کے سپرد تھی، ان کے علاوہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے مقدادؓ تھے طبری نے روایت کی ہے کہ غزوہ بدر کے بعد سے آنحضرتؐ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کے بعد آپؐ سورہ انفال کی آیات تلاوت فرماتے تھے آپ کے بعد بھی یہ دستور باقی رہا۔ لے

جنگ کے ہتھیار | لشکر میں شہسوار اور پیادہ دونوں قسم کے لوگ ہوتے تھے اور جنگ میں یہ لوگ جو ہتھیار استعمال کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ زره۔ تلوار۔ رمح یعنی بڑا نیزہ۔ حربہ (چھوٹا نیزہ) الخط الحمر بن کا ایک ساحلی علاقہ ہے یہاں نیزہ بہت عمدہ بنتے تھے اور الرمح الخطی کہلاتے تھے۔ اسی طرح ہند میں تلواریں بہت عمدہ بنتی تھیں اور السیف الہندی کہلاتی تھیں۔ یہ اسلحہ تو وہ ہیں جو عام طور پر مروج ہیں ان کے علاوہ آنحضرتؐ سے جن اور دوسرے اسلحہ کا استعمال مروی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ منجنيق، اس کی شکل توپ یا گمان کی سی ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ دشمن پر تھپڑ چھکے جاتے تھے جو گولہ باری کا کام کرتے تھے۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ اسلام میں منجنيق کا استعمال سب سے پہلے آنحضرتؐ نے کیا ہے لے

دبابہ۔ اس کا ایک بڑا خول ہوتا تھا۔ فوجیوں کی ایک بڑی تعداد اس کے اندر بیٹھ جاتی تھی اور اس کو دھکیلتے ہوئے دشمن کے قلعہ کی دیوار تک لے جاتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ ان فوجیوں پر دشمن کے قلعہ کے اوپر سے اگر تیر بھی پڑتے تھے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور اس طرح وہ محفوظ طریقہ پر قلعہ کی دیوار تک پہنچ جانے کے بعد قلعہ پر حملہ کر سکتے تھے۔

لے تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۹۴ لے سیرت ابنی ج ۲ ص ۳۰۳

الضیور۔ یہ بھی دبابہ کی طرح ہوتا ہے اور ایسی لکڑی سے تیار ہوتا تھا جسپر کھال چڑھی ہوتی تھی۔ اس کا فائدہ بھی یہی تھا کہ حملہ آور سپاہی اس کے خول میں چھپ کر بیٹھ جاتے تھے اور حفاظت سے دشمن کے قلعہ تک پہنچ کر حملہ کرتے تھے۔ یہ دونوں ہتھیار خود آنحضرتؐ نے استعمال کئے تھے۔ لہ

فوجی لباس | جہاں تک لباس کا تعلق ہے اگرچہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ خاص جنگ کے وقت کوئی لباس لکڑی یا نیل کی طرح ہوتا تھا یا نہیں تاہم حفاظت کیلئے زرہ اور اور خود پہننے کا عام رواج تھا اور سپر بھی رکھنے کا دستور تھا۔ البتہ ڈاکٹر محمد حسن ابراہیم نقل کیا ہے کہ با پیادہ سپاہی چھوٹی قبائیں جو گھٹنوں تک دراز ہوتی تھیں پہنتے تھے اور تہمد کی بجائے پا جامے اور جوتے جو ہمارے زمانہ میں اہل افغان کا شعار پہنتے تھے۔ عورتیں بھی ساتھ ہوتی تھیں | فوج کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی تھیں جن کا کام زحمیوں کا مرہم پیچ کر زنا اور پانی پلانا وغیرہ ہوتا تھا۔ دف اور طبل جنگ بھی بجاتی تھیں تاکہ فوج میں جوش پیدا ہو۔ اگر کوئی نازک موقع آتا تھا تو جنگ میں بھی حصہ لیتی تھیں چنانچہ عہد نبوت میں اور پھر عہد صدیقی میں اس قسم کے بعض مواقع پیش آئے تھے۔ لہ فوج کا معائنہ آنحضرتؐ کا طریقہ جس کو آپؐ نے غزوہ بدر کے موقع پر خاص طور سے برتا تھا یہ تھا کہ جنگ شروع ہونے سے قبل اسلامی لشکر کو قطاروں میں تقسیم کر کے باقاعدہ صف بندی کرتے اور ان کا معائنہ کرتے تھے اور جہاں کوئی آدمی آگے پیچھے نظر آتا تھا۔ چھڑی کے اشارے سے اس کو درست کر دیتے تھے۔ اس کے

لہ عربوں کے جنگی ہتھیاروں کی مفصل معلومات کیلئے دیکھو ابن قتیبہ کی عیون الاخبار ج ۱ ص ۱۲۲ لکھ تاریخ الاسلام سیاسی ج ۱ ص ۳۴۲ حضرت خالد بن الولیدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف اہل حرم کیلئے جو عہد نامہ لکھا تھا اسی میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ذمی جو لباس پہنتے ہیں وہ پہنیں اور سر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ البتہ وہ مسلمانوں کا سا جنگی لباس (ذی الحرج) نہیں پہنیں گے۔ دیکھو کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۱۴۲ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنگ کا لباس ضرور کوئی تھا جس میں پہننے والا جست اور چاق و چمر بند رہتا تھا۔ لہ فتوح الشام لواء قدی ذکر عہد صدیقی۔

ساتھ ہی آپؐ فوج کے مختلف حصوں پر افسر تعینات کرتے اور ان کے الگ الگ علمبردار بھی مقرر فرماتے تھے۔ اس کے بعد فوج کو ہدایات دیتے کہ جیت تک اجازت نہ ملے صف بندی ہرگز نہ توڑیں۔ خود اپنی طرف سے لڑائی شروع کرنے میں پہل نہ کریں۔ دشمن اگر فاصلہ پر ہو تو تیر چلا کر اس کو ضائع نہ کریں، زبرد پر آئے تو تیر چلائیں، قریب ہو تو متجلیق استعمال کریں اور زیادہ نزدیک آئے تو نیزوں سے روکیں۔ اور سب سے آخر میں تلوار نکالیں۔ لڑائی میں شو و غل عام بات ہے لیکن آپؐ نے منع فرما دیا تھا کہ منہ سے آواز تک نہ نکلے۔ لہ

کمانڈر انچیف | عہد نبوت میں چونکہ آنحضرتؐ غزوات میں خود شریک رہتے تھے کا عہدہ | اس لئے فوج کی اعلیٰ قیادت۔ اس کا معائنہ اور اس کو ہدایات دینا یہ سب کام آپؐ ہی کرتے تھے لیکن عہد خلافت میں حضرت ابو بکرؓ خود جنگوں میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپؐ کی حیثیت جنگ کے معاملہ میں وزیر جنگ کی سی تھی اور خاص محاذ جنگ کے لئے آپؐ نے یہ انتظام کیا کہ ایک کمانڈر انچیف کا عہدہ قائم کیا جو پورے میدان جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور تمام فوج کی نقل و حرکت اس کے زیر حکم و قیادت ہوتی تھی۔ چنانچہ جلیسا کہ گزر چکا ہے محاذ شام پر حضرت ابو بکرؓ نے ہر دستہ فوج کا الگ الگ ایک امیر مقرر کیا تھا لیکن ان سب کے امیر حضرت خالد بن ولیدؓ مقرر کئے گئے تھے لہ

حضرت ابو بکرؓ کو حضرت خالدؓ پر کس قدر اعتماد تھا جو بالکل حق بجانب ثابت ہوا، اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب محاذ شام پر مسلمانوں کی اور رومیوں کی فوجیں بہت دلوں تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور کسی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

واللہ لا نغنی الروم وساوس الشیطان بخالد لہ

خدا کی قسم اردمیوں کے دلوں میں جو دوسرے ہیں وہ سب میں خالد کو (عراق سے شام) بھیج کر بھلا دوں گا

فوج کیلئے انتخاب میں احتیاط | عہد نبوت اور عہد صدیقی میں فوج کا کوئی مستقل
اعداد لگ صیغہ نہیں تھا۔ اور نہ فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام تھا۔ بلکہ پیدی قوم
ہی ایک فوج تھی، ضرورت پڑنے پر اعلان کر دیا جاتا تھا اور جو لوگ رضا کارانہ طور
پر اپنی خدمات پیش کرتے تھے ان کو لے لیا جاتا تھا۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق
انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مشتبہ لوگوں کو شریک فوج نہ ہو
دیں۔ چنانچہ شام کی ہم کو سر کرنے کیلئے آپ نے جو فوج ترتیب دی اس میں
ابتداءً ان لوگوں کو شرکت کی اجازت نہ تھی جن کے دامان اطاعت فرمانبرداری
پر امتداد کا داع لگ چکا تھا، خالد بن سعید بن العاص کو روانہ کرتے وقت حکم دیا
و ان يدعو من حولہ من العرب کہ تمہارے ادھر ادھر جو عرب ہیں انکو جنگ میں
الامین اسرئد۔ لے شرکت کی دعوت دینا مگر جو لوگ مرتد ہو گئے تھے انکو نہیں
مجاہدین اسلام کی قدر اندازی | اگرچہ مسلمانوں کی فوجی تعلیم و تربیت کا اس وقت کا باقاعدہ
انتظام نہیں ہوا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ عرب فطرتاً جنگجو
ہوتے تھے اور شمشیر زنی اور تیر اندازی ان کا خاص فن تھا، چنانچہ عراق میں انبار کی
جنگ کے موقع پر ایرانیوں کا لشکر جو ایک نہایت تجربہ کار اور آزمودہ جنرل شیراز
کے ماتحت تھا بڑی شان و شوکت اور بطریق کے ساتھ تھا۔ اور اس کو اپنی طاقت
کا بڑا گھنٹہ تھا، لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت خالد بن ولید نے خندق کا
چکر لگایا، اتنے میں گھسان کا سن پڑنے لگا تو آپ تیر اندازوں کے دستہ کے پاس
پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ (دشمن) طریقہ جنگ سے
ناواقف ہیں تم ان لوگوں کی آنکھوں کو نشانہ بنا کر تیر چلاؤ، قدر اندازوں نے اس
حکم کی پاس طرح تعمیل کی کہ دشمن کی فوج کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھوں کو
تیروں سے چھید دیا دشمن نے یہ منظر دیکھا تو چیخ اٹھا اور جبراً اسی گئی کہ اہل انبار سب
کے سب اندھے ہو گئے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اس جنگ کو "ذات العیون" آنکھوں

لے طبری ج ۲ ص ۶۰۲

والی جنگ بھی کہتے ہیں۔ شیراز نے گھبرا کر صلح کی پیش کش کی۔ لے
سامان جنگ کی فراہمی | اسلحہ اور سامان جنگ کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنے اپنے اسلحہ لے کر
آتے تھے اور جو خود ان کا انتظام نہیں کر سکتے تھے، ان کا انتظام چندہ کے ذریعہ کر دیا
جاتا تھا۔ تاہم حضرت ابو بکر نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی
اُس کا ایک حصہ اسلحہ اور دوسرے سامان جنگ کی خریداری کیلئے وقت کر دیتے تھے قرآن
نے مال غنیمت میں اللہ اور اُس کے رسول کا جو حصہ مقرر کیا تھا۔ اسکو بھی اسی کام میں لاتے تھے کہ
مدینہ میں ایک جگہ بقیع تھی۔ آنحضرتؐ نے اسکی چراگاہ کو جنگی گھوڑوں کے لئے مخصوص
کر دیا تھا لے حضرت ابو بکر نے بھی اس کو اسی طرح باقی رکھا، بعد میں البتہ حضرت عمرؓ نے دینہ
کی چراگاہ کو بھی صدقہ اور زکوٰۃ کے اونٹوں اور گھوڑوں کیلئے اس غرض سے مخصوص کر دیا تھا۔
اگرچہ اتنا کام حضرت ابو بکر بھی کرتے تھے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کے جو اونٹ مبلے پتلے ہوتے
تھے ان کو ریدہ اور اس کے قرب وجوار میں بھیج دیتے تھے لے

امراء فوج کو ہدایات | لیکن یہ سب فوج کے ظاہری اور مادی انتظامات تھے اصل چیز
جس پر فوج کی کامیابی کا انحصار ہے وہ ہے اعلیٰ نصب العین زندگی اور بلند اخلاقی
کردار اور کیر کر حضرت ابو بکر کو اس چیز کا خاص اہتمام رہا تھا، اہ حب فوج روانہ ہوتی
تھی تو آپ پا پیادہ اس کو رخصت کرنے کیلئے مدینہ سے باہر دور تک تشریف لاتے تھے
امراء فوج کی سخت اصرار کے باوجود ان کو سواری سے اترنے نہیں دیتے تھے اور خود
سواری پر بیٹھتے نہیں تھے۔ اور جب فوج روانہ ہوتی تھی تو آپ اس کو مفصل احکام و
ہدایات دیتے تھے جن میں جہاد کا مقصد اس کی اہمیت و ضرورت غلو ص و ولہیت اجر
خداوندی و ثواب اخروی دنیا اور اس کی زندگی کی بے حقیقی وغیرہ جیسی چیزیں پر بڑے
موثر انداز میں روشنی ڈالتے تھے اور ساتھ ہی ایسے جنگی احکام دیتے تھے جن سے
آپ کی مہارت فن حرب، حسن تدبیر، بیدار مغزی اور دشمن اور اس کے ملک سے کمال
واقفیت کا ثبوت ملتا تھا۔

لے کتاب الخراج قاضی یوسف ص ۱۱۱ کتاب الاموال ابو سعید ص ۲۹۸ لے کنز العمال ج ۵ ص ۲۵۹ ق ۲۱ لے طبری ج ۲ ص ۲۸۸

حضرت اسامہ اور یزید بن ابی سفیان کو آپ نے جو ہدایات دی تھیں انکا ذکر گزر چکا ہے حضرت خالد خود ایک نامور جہل تھے۔ لیکن جب ان کو ذوالقصد کی طرف مرتدین سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا ہے تو ان کو بھی ہدایات دیں اور فرمایا۔

”تمہارے ادھر ادھر قبیلہ طے پڑیگا، اگرچہ تمہارا رخ براخہ ہی کی طرف ہوگا۔ لیکن تم ابتداء طے ہی سے کرنا۔ براخہ سے فارغ ہو کر بطاح جاؤ، بطاح کا مرکز سرکرہ لو تو اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹو جب تک میں تم کو ملک نہ بھیج دوں۔“

حضرت ابو بکر نے ایک طرف تو حضرت خالد کو یہ ہدایت دیکر روانہ کیا۔ دوسری طرف تبیر یہ کی کہ مشہور کر دیا کہ وہ خود خیبر جا رہے ہیں اور وہاں سے پلٹ کر وہ اکناف سلمیٰ میں خالد بن انولید کے لشکر سے آملیں گے۔ اس خبر کے اٹنے سے دشمنوں پر دہشت بیٹھ گئی اور قبیلہ طے کے سرکش لوگ رام ہونے لگے۔

عراق کی مہم پر حضرت خالد اور عیاض بن غنم کو روانہ کیا تو حضرت خالد کو حکم دیا کہ وہ عراق کے حصہ زیریں سے جائیں اور عیاض کو ہدایت دی کہ وہ بالائی علاقہ سے سفر کریں اور پھر فرمایا کہ تم دونوں میں سے جو شخص بھی حیرہ پہلے پہنچ جائیگا وہی حیرہ کی مہم کا امیر ہوگا اس کے بعد آپ نے کہا کہ حیرہ پہنچتے پہنچتے تو تم لوگ عرب اور ایران کے درمیان جو فوجی چھاؤنیاں ہیں۔ ان کو برباد کر ہی چکے ہو گے اور اب تم کو اس بات کا اطمینان ہو چکا ہوگا کہ مسلمانوں پر پشت کی جانب سے حملہ نہیں ہو سکتا اس بنا پر حیرہ پہنچنے کے بعد تم دونوں میں سے ایک شخص حیرہ میں ہی قیام کرے اور دوسرے آگے بڑھ کر دشمن سے جنگ آزمائے ہوں۔

یہ ہدایات تو خاص جنگی ہدایات تھیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ! ”اے وہاں! اللہ سے مدد مانگنا۔ اس سے ڈرنا۔ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا۔ تم ایسا کرو گے تو دنیا اور آخرت تم کو دونوں چیزیں ملیں گی۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا۔ ورنہ دونوں کا خسارہ ہوگا۔ اور خدا نے تم کو جن چیزوں سے بچنے کا حکم کیا ہے ان سے بچنا۔“

لے طبری ج ۲ ص ۲۸۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۴۳ - ۵۴۲ -

معاصی سے الگ رہنا۔ اگر کوئی معصیت ہو جائے تو فوراً توبہ کرنا اور کبھی کسی پر امر مرت کرنا۔ حضرت ابو بکر کی بیدار مغزی اور واقفیت کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ خود مدینہ میں ہوتے تھے لیکن بیٹروں میں دور کامیدان جنگ نگاہ میں رہتا تھا اور حسب موقع مصلحت اس کے لئے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ خالد بن سعید کو تیار روانہ کیا تو تاکید کر دی کہ جب تک ان کا حکم نہ پہنچے اقدام نہ کریں۔ لیکن خالد بن سعید اس کی پابندی نہ کر سکے تو نہر میت سے دھپا ہونا پڑا لے حضرت خالد بن ولید حضرت ابو بکر کی ان معاملات میں اصابت رائے سے واقف تھے اسلئے حضرت ابو بکر کا کوئی حکم ان کی طبیعت کے خلاف بھی ہوتا تھا تو بھی اسکی پابندی کرتے تھے، چنانچہ حیرہ کی فتح کے بعد حضرت ابو بکر نے حکم بھیجا کہ اب پیش قدمی نہ کریں حضرت خالد اس حکم کی تعمیل کیلئے سال بھر تک معطل پڑے رہے اور اس سے اس قدر اکتا گئے تھے کہ اس سال کو وہ خود عورتوں کا سال کہتے تھے۔ لیکن ان کی مجال نہ تھی کہ بارگاہ خلافت کے حکم کے خلاف عمل کر سکیں۔ ایک اور موقع پر بھی ایسا ہی ہوا اور اس کی وجہ بعض لوگوں میں کچھ چرمی گوئی ہوئی تو حضرت خالد نے ان لوگوں سے کہا کہ خلیفہ کی رائے یہی ہے، اور ان کی رائے پوری قوم کی رائے کے برابر ہے لے

اس طرح شام کی طرف آئے متعدد لشکر بیک وقت روانہ کئے تو چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ رومیوں کی جنگی چالیں کیا ہیں اور انہوں نے کہاں کہاں محاذ بنایا ہے اسلئے اہلئے عساکر اسلام کو ہدایت کی کہ کون کس راستے سے جائے۔ اس سلسلہ میں طبری کا بیان ہے کہ وسمی لہو امصار الشام۔ ان لوگوں کے لئے شام کے شہر تک متعین کر دئے۔ اس کے بعد فرمایا۔ ان الروم ستغلھو فاحب ان یصعد رومی تلکوا یک محاذ پر جمع کر کے تم سے ٹھیک کرنا چاہیں گے اطمبوب و یصوب المصعد لئلا اسلئے میں چاہوں گا کہ تم میں سے نشیبی علاقہ سے جانوالا بالائی راستے سے جائے اور بالائی راستہ سے جانوالا نشیبی راستہ سے

یتواکلوا لے

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۴۲ لے طبری ج ۲ ص ۵۸۹ اسی طرح حضرت خالد جب عراق پہنچ گئے تو ان کو حکم لکھا کہ وہ کاردائی اور سندھ کی سرحد یعنی انہ سے شروع کریں اور طرفیہ کہ اس کاردائی کو شروع کرنے کیلئے دن تک کا تعین بھی خود ہی کر دیا تھا۔ (طبری ج ۲ ص ۵۵۲)

(یعنی راستے بدل بدل کر جاؤ) تاکہ رومی دستوں کو مجتمع ہونے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عروہ جو اس روایت کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر نے جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

فوجی مراکز کا معائنہ حضرت ابو بکر صدیق فوج کو صرف ہدایات بھیج دینے پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً خود بھی چھاؤنیوں اور فوجی مراکزوں کا معائنہ کرتے تھے اور جہاں کہیں کوئی خرابی نظر آتی تھی اس کا فوراً تدارک کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مہم کے سلسلہ میں مقام جرف میں فوجیں اکٹھی تھیں آپ معائنہ کیلئے پہنچ گئے، ہنوز ان کے کیمپ میں پہنچے تو یہ لوگ سرور قد کھڑے ہو کر تعظیم بجالائے حضرت ابو بکر نے انکو خیر مقدم کہا اس کے بعد ان لوگوں نے کہا ”یا خلیفہ رسول اللہ! ہم لوگ گھوڑے کی سواری بہت عمدہ جانتے ہیں، اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ ارشاد ہوا ”خدا تم کو اور ہمت اور برکت عطا فرمائے۔ لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا۔ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے۔ ایک فراری کھڑا ہو کر بولا ”ہم لوگ بنو عبس سے بہتر ہیں۔ حضرت ابو بکر نے خفا ہو کر کہا ”چپ بدتمیز تجھ سے ہر عبسی بہتر ہے۔ ایک عبسی شخص بھی کچھ بولنا چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے اس کو بھی جھڑکی کر خاموش کر دیا۔ اور فرمایا فقد کفیت یعنی میں تمہاری طرف سے کہہ چکا ہوں۔

حضرت ابو بکر کے احکام و ہدایات کا اثر حضرت ابو بکر کی اس بیدار مغزی، روشن ضمیری احکام و ہدایات اور غلطیوں پر بروقت تنبیہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پوری فوج اور اسکے امراء ہر وقت ہوشیار رہتے تھے۔ ان میں ڈسپلن قائم رہتا تھا۔ بلند تریض العین زندگی نظر کے سامنے رہتا تھا اور ان میں کبھی اخلاقی پست ماندگی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور حقیقت یہی ہے کہ مادی آلات و اسباب سے قطع نظر یہی چیزیں ایک فوج کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، چنانچہ۔

لے کنز العمال ج ۵ ص ۲۶۱ رقم ۲۳۱۰

متغری مصنفین کی رائے مغربی مصنفین نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر ہی لکھتے ہیں ”مسلمان عرب فوجوں کی طاقت کا اصل راز نہ تو انکی اسلحہ و جنگ کی برتری میں ہے اور نہ انکی اعلیٰ درجہ کی تنظیم میں ہے، بلکہ درحقیقت اس اعلیٰ گیر کسر اور اخلاقی کردار میں ہے جس کے پیدا کرنے میں بے شبہ ان کے مذہب کا بہت بڑا حصہ تھا اور اس صبر و تحمل کی طاقت میں ہے جس کو ریگستانی زندگی سے بڑا سہارا ملا تھا، لے

مشہور ولندیزی مستشرق دھونی (DR-GUEGE) اقرار کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں اعتدال اور معقولیت کی جو روح کارفرما ہے۔ اسکے باعث ان کی بجا طور سے داد دینی پڑتی ہے۔ لے یہی مستشرق اپنی کتاب فتوحات شام میں (از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۶) لکھتا ہے کہ۔

”درحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ عربوں نے مفتوحین سے جو برتاؤ کیا اگر اسکا مقابلہ وہاں کے سابق مالکوں کے بے اصول ظلم سے کیا جائے تو بڑا ہی سخت فرق نظر آتا ہے۔ شام کے جو عیسائی فیصلہ کالسی ڈون (CHALCEDON) کو نہیں مانتے تھے، قیصر روم کے حکم سے ان کے ناک کان کاٹے جاتے اور ان کے گھر ڈھائے جاتے تھے، اس کے برخلاف عرب مسلمان جو حضرت ابو بکر کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے وہ مقامی باشندوں کا دل موہ لیتے تھے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے، ان فتوحات کے پتدرہ سیال بعد ایک نسٹوری پادری لکھتا ہے کہ یہ عرب جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں۔ مگر وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسر پیکار نہیں۔ اسکے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور قدسیوں کا احترام کرتے ہیں۔ اور ہمارے گرجاؤں اور

لے ہسٹری آف دی ایس جو تھا اڈیشن ص ۱۰۲ لے بحوالہ رسول اللہ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۸

عبادت خانوں کو جاگیریں (DON) عطا کرتے ہیں“ لے
مشہور پادری کار الیفس (C. KARALEVSKS) فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں
شہر انطاکیہ کے حالات لکھتے ہوئے رقم طراز ہوتا ہے۔

”مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں (JACOBITES) نے بھی اپنے
نجات دہندہ کی حیثیت سے ہاتھیوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے
بڑی جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا۔ یہ تھی کہ
ہر مذہب کے پیروں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے۔ اور اسی مذہب
کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیوی عدالتی اقتدار عطا کیا جائے لے
کسانوں کا خاص خیال ہدایات میں حضرت ابوبکر کی جہاں یہ تاکید ہوتی تھی کہ مذہبی
پیشواؤں اور عبادت گزاروں سے تعرض نہ کیا جائے، بوڑھوں، عورتوں اور
بچوں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، درخت نہ کاٹے جائیں،

نخلستان پر باد نہ کئے جائیں، ساتھ ہی جس ملک میں جنگ ہوتی
تھی اس کے کسانوں اور باب زراعت کی نسبت اس بات کی سخت تاکید ہوتی تھی ان
لوگوں کو ذرا ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چنانچہ غزوات السلاسل کے ذکر میں طبری لکھتے ہیں۔
ولہ یجرل خالد و امراؤہ اور خالد اور ان کے امرائے اپنی فتوحات کے دوا
الفلاحین فی شئی من فتوحہم میں کسانوں کو ذرا نہیں چھڑا۔ کیونکہ ابوبکر ان لوگوں
لتقدم الی بکر الیہ فیہم لے کے بارہ میں پہلے ہی حکم بھیج چکے تھے۔

اہل دیہات کے ساتھ معاملہ قاعدہ ہے کہ حیب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو شہری
آبادی کی بہ نسبت اہل دیہات پر اس کا زیادہ برا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہاں
حفاظت اور بچاؤ کے سامان ایسے نہیں ہوتے جیسے کہ شہر دل میں ہوتے ہیں۔

لے بحوالہ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۸۲ لے ایضاً ۲۸۳

لے طبری ج ۲ ص ۵۵۷

لیکن حضرت ابوبکر اس بات کا برابر خیال رکھتے تھے کہ دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ ہو۔
چنانچہ حضرت عیاض بن غنم نے جب حران کو صلحا فتح کیا تو اس شہر کے دیہات والوں
نے کہا ”نحن اسوة اہل مدینتنا ورؤسائنا“ ہم سے وہی معاملہ کیجئے جو
آپ نے اہل شہر اور ہمارے رؤسا سے کیا ہے، حضرت عیاض بن غنم نے اس کا کیا
جواب دیا۔ قاضی ابویوسف نے اس سے لا علمی ظاہر کی ہے لیکن اسکے بعد ہی لکھا ہے کہ
قاما من ولی من خلفاء المسلمین بعد مسلمانوں کے جو خلفاء اسکی فتح کے بعد اس کے
فتحہا فانہم قد جعلوا اہل الرساتیق دالی ہوئے اہل رساتیق گاؤں والوں کے ساتھ وہی معاملہ
اسوة اہل المدائن لے کیا جو اہل شہر کے ساتھ کیا تھا۔

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عیاض بن غنم کا جواب کیا ہوگا۔
فریق محارب سے برتاؤ ایک قوم کی اخلاقی بلندی اور اس کے کردار کی عظمت کا
اندازہ زیادہ صحیح طور پر اس سے ہوتا ہے کہ فریق محارب کے ساتھ جنگ میں اسکا
برتاؤ کیا ہوتا ہے، اس پر اس کو بزدل شمشیر فتح حاصل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس کے ساتھ
کیا سلوک کرتی ہے اور اگر فریق محارب مغلوب ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے
تو اس کی طرف سے صلح کی شرائط کی نوعیت کیا ہوتی ہے اور وہ ان شرائط کی پابندی کس
حد تک کرتی ہے، قدیم زمانہ میں ان اور روم کی حکومتیں دشمنوں کے ساتھ جنگ میں کیا معاملہ
کرتی تھیں۔ اسکو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے یہ دیکھو کہ اس دور تہذیب و تمدن میں بھی
گذشتہ دو عالمگیر جنگوں میں دول متحدہ نے جرمنی کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟
اطلی اور جاپان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا؟ اور جب ان سے صلح کی گئی تو اس کے شرائط
کیا تھے؟ ان مفتوح اقوام کی شہری آزادی کس حد تک باقی رکھی گئی، ان کی قومی
انفرادیت کہاں تک آزاد رہی؟ اور ان کے انسانی حقوق کا احترام کس درجہ تک ملحوظ
رکھا گیا۔

لے کتاب الخراج ص ۳۰

حضرت خالد کی شجاعت و دلیری، اُنکی حربی قابلیت اور جنگی قیادت کی اعلیٰ صلاحیت کا حال تم پر کھچکے ہو۔ اب یہ بھی سنو کہ یہی شیر بیشہ شجاعت بحالت جنگ یا بحالت صلح دشمنوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا تھا، سواد (عراق) کے دیہات بالقیہا بارما اور الیس کا سردار ابن حلو با تھا۔ حضرت خالد سے وہ صلح کرنے پر مجبور ہوا تو حضرت خالد نے جو صلح نامہ لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔

انك آمن بامان الله اذ حقن دماءك
باعتطاء الجزية وقد اعطيت عن نفسك
وعن اهل خربك وجزيرتك ومن
كان في قريتك بالقيہا وباروسما الف
درهم فقبلتها منك ورضى من معي
من المسلمين على ذلك ولك ذمة الله
وذمة محمد صلى الله عليه وسلم وذمة
المسلمين على ذلك۔ لہ

صلح نامہ حیرہ اہل حیرہ کے نام جو عہد نامہ حضرت ابو بکر کے حکم سے لکھا گیا تھا وہ کافی طویل تھا۔ اُس کے اہم دفعات یہ ہے۔

۱) ان لوگوں کا اگر حملہ یا عبادت گاہ یا کوئی قعر جس میں یہ لوگ جنگ میں قلعہ بند ہوتے تھے، منہدم نہیں کیا جائے گا۔

۲) ناقوس بجانے سے ان کو نہیں روکا جائے گا۔

۳) نیز تہوار کے موقع پر صلیب کا جلوس نکالنے سے انکو منع نہیں کیا جائے گا۔

۴) یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہے تو ان کے ساتھ معاہدے کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور ان کی حفاظت ہمارا فرض ہوگا۔

۵) ان لوگوں کے مذہبی پیشوا اور عابد و زاہد جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۶) ان میں جو بڑھے اور نا کارہ ادا پایا، سب ہونگے ان کا خرچ بیت المال کے ذمہ ہوگا۔
۷) ان کو مسلمانوں کے فوجی لباس کے علاوہ اپنا ہر قسم کا لباس پہننے کی آزادی ہوگی۔

۸) ان کا کوئی غلام اگر مسلمان ہو جائے گا۔ تو بازار میں اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہو سکتی ہے اُس قیمت میں بغیر غلبت کے اور بغیر کسی گھٹے کے اسکو فروخت کیا جائے گا اور وہ قیمت اس کے مالک کے حوالہ کر دی جائے گی۔

۹) یہ لوگ اگر مسلمانوں سے کسی قسم کی امداد طلب کریں گے تو ان کو وہ مدد بیت المال سے دی جائے گی۔

ان دفعات و شرائط صلح کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ کتنی رقم کے بدلہ میں ہوا تھا؟ ان لوگوں کی اصل تعداد سات ہزار تھی، ایک ہزار ان میں وہ تھے جو اپنا بیج معذور یا مذہبی پیشوا تھے۔ ان کو خارج کر کے اب صرف چھ ہزار بچے ان پر جو جزیہ لگایا گیا وہ ساٹھ ہزار درہم سالانہ تھا یعنی دس درہم فی کس لے غور کرو۔ نواداری اور دشمنی کے ساتھ حسن معاملہ کی اس سے بہتر کوئی اور بھی مثال ہو سکتی ہے۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صلح یا امان بخشی کا یہ معاملہ خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں حالتوں میں یکساں ہوتا تھا۔

اسلامی فوج کے اس فیاضانہ سلوک کا اثر یہ تھا کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی اصل شہری زندگی پورے امن و اطمینان کے ساتھ لوٹ آتی تھی، کھیتی باڑی، باغات و نخلستان کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مقامی باشندے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اور ان کو مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کا خوف و ہراس یا بے اطمینانی نہیں ہوتی تھی۔

تعزیرات و حدود

تعزیرات و حدود (سزائیں) کا اصل مقصد انسدادِ جرم ہے لیکن مجرم مجرم میں فرق ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے جرم کی نوعیت بدل جاتی ہے بعض اوقات ایک شریف اور نیک نفس انسان سے بحالتِ اضطراب کسی جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے ایسی حالت میں عدالت والصفات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مجرم خود اپنے جرم پر نادم اور پشیمان ہے اور سچے دل سے وہ اس سے توبہ کر رہا ہے تو حکام کو چاہئے کہ اس سے اعراض کرے، اور سزا دیکر اس کو ارتکابِ جرم پر مزید جبری نہ کرے۔ گویا ایسے مجرم کو سزا نہ دینا ہی تعزیرات و حدود کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس سزا دینے سے اس کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ بات ڈھکی چھپی ہو۔ اور اگر جرم فاش ہو جائے تو پھر سزا دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ کا معمول یہی تھا۔ جیسا کہ آپؐ نے ماعز بن مالک اور بعض دوسرے اشخاص کے بارے میں کیا، اس کے علاوہ خود آپؐ کا ارشاد یہی ہے کہ !

تعا فوالحدود فیما بینکم فما بلغنی من حد فقد وجب۔
مجھ تک پہنچے گی تو حدود واجب ہو جائیں گے۔

مجرم سے اعراض اس ارشادِ نبویؐ کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کا دستور تھا کہ جب تک جرم فاش نہیں ہوتا تھا۔ وہ کوشش کرتے کہ مجرم سزا سے بچ جائے، خود ان کا بیان ہے کہ ماعز بن مالک نے جب تیسری مرتبہ بھی اعترافِ جرم کر لیا۔ اور آنحضرتؐ نے اس کو بھی رد کر دیا تو اب خود حضرت ابو بکرؓ نے ماعز سے کہا کہ اگر تم نے جو بھی مرتبہ بھی اعترافِ جرم کر لیا تو پھر رسول اللہؐ تم کو رجم کر دیں گے۔ لہٰذا اس کہنے کا بالواسطہ منشا یہی تھا کہ ماعز جو بھی مرتبہ اقرار نہ کریں تاکہ سنگسار ہونے سے بچ جائیں۔ لیکن ان پر خوفِ خدا غالب تھا وہ نہ مانے اور آخر رجم ہونا پڑا۔

لے ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۰ مہری لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸

مرتدین کے احوال میں تم پڑھ چکے ہو کہ اشعث بن قیس جب گرفتار ہو کر آیا ہے اور اس نے صدق دل سے توبہ کر لی تو حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف یہ کہ اس کی جان بخشی کی بلکہ اس کی درخواست پر اپنی بہن ام فردہ کا اس سے نکاح بھی کر دیا۔

عبرتِ ناک سزا لیکن اگر جرم کی نوعیت شدید ہوتی اور بجائے ذاتی ہونے کے قومی جرم ہوتا ہے تو پھر حضرت ابو بکرؓ اس کو معاف نہیں کرتے تھے بلکہ بے حد سخت سزا دیتے تھے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ایسا السلمی جس نے ارتداد سے توبہ کرنے کے بعد عہدی کی اور مسلمانوں کو قتل کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے متعلق حضرت ابو بکرؓ نے نہایت سخت حکم بھیجا کہ اس کو گرفتار کر کے آگ میں جلا دیا جائے لے

حدِ شربِ خمر آنحضرتؐ کے عہد میں شاربِ خمر کے لئے کوئی خاص سزا متعین نہیں تھی، بلکہ حسبِ موقع و مصلحت کبھی اس کو سزا دیتے تھے تاکہ وہ نادم ہو کر آئندہ کیتے توبہ کر لے۔ اور کبھی کوڑے لگواتے تھے۔ ان کوڑوں کی تعداد چالیس تھی حضرت ابو بکرؓ نے بھی بعینہ اسی کو جاری رکھا۔ اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اس طرح کے واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپؓ نے کوڑوں کی تعداد دو گنی یعنی چالیس سے اسی کر دی۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔

عن السائب بن یزید قال کنا فوجی
بالشارب علی عہد رسول اللہؐ
وامرؤ ابی بکر وصدرا من خلافتہ
عمر فنقوم الیہ بایدینا
سائب بن یزید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ
آنحضرتؐ کے عہد میں اور ابو بکرؓ کے عہد خلافت
اور عہدِ فاروقی کے آغاز میں کوئی شابِ خمر
ہمارے پاس لگاتا تو ہم اپنے لم تھقوں جوڑوں اور

لے طبری ج ۲ ص ۴۹۳۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بمقتضائے سیاست و مصلحت اس وقت تو ایسا کر یہ سزا دلا دی، لیکن چونکہ کسی انسان کو آگ میں زندہ جلاتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو اسلام میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو اس کا برابر ملال رہا۔ اور وفات کے وقت آپؓ نے یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ اسے کاش آپؓ اپنے ایسا نہ کیا ہوتا۔ اس کا مفصل ذکر آگے اپنے موقع پر آئے گا۔

ولعنا وادیتنا حتی کان
 چادر میں کے ساتھ اسکی طرف کھڑے ہو
 کان آخر امرۃ عمر مجلد
 جاتے تھے لیکن آخر عہد فاروقی میں حضرت عمر
 اربعین حتی اذا اعتوا وفسقوا
 اس کو چالیس کوڑے مارنے لگے اس کے بعد
 جلد ثمانین لے
 جب ان لوگوں میں سرکشی اور فحش بڑھ گیا تو پھر
 اسی کوڑے مارنے لگے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کوڑوں کی سزا حضرت عمرؓ نے ایجاد کی تھی
 حالانکہ یہ سزا خود عہد نبوت اور عہد صدیقی میں بھی دی جاتی تھی، چنانچہ عثمان بن عفان
 کی خلافت کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ولید بن حقیقہ گرفتار ہو کر آیا اور دو شخصوں
 کی گواہی سے اس کا شراب نوشی کا جرم ثابت ہو گیا تو حضرت عثمان نے حضرت علیؓ سے کہا
 کہ آپ اس پر حد جاری کیجئے، حضرت علیؓ نے عبد اللہ بن جعفر کو حکم دیا۔ انہوں نے ولید
 کے کوڑے مارنے شروع کئے، حضرت علیؓ انہیں شمار کرتے جاتے تھے جب پورے
 چالیس ہو گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ بس ختم کرو۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے چالیس ہی کوڑے
 مارے ہیں۔ اور میں نے ان کو شمار کیا ہے اور اس کے بعد ابوبکر کے عہد میں بھی چالیس
 ہی کوڑے مارے گئے ہیں۔ البتہ عمرؓ نے اسی کوڑوں کی سزا دی ہے۔ لیکن مجبوریہ اور
 اس کے علاوہ رسول اللہؐ کی دوسری سنتیں زیادہ محبوب ہیں لہٰذا اور بھی روایت زیادہ
 قرین قیاس ہے کیونکہ لوگوں کا ہاتھوں یا جوتوں سے پیٹنا ایک ہنگامی تعزیر ہو سکتی ہے
 اس کو حد نہیں کہہ سکتے اسکے علاوہ اگر کوڑوں کی سزا عہد نبوی میں بالکل نہوتی تو
 حضرت ابوبکرؓ اپنے مذاق طبعی کے مطابق خود یہ بدعت ایجاد نہیں کر سکتے تھے۔

حد سرقہ اسرقہ کی حد قرآن میں منصوص ہے اس لئے اسکی نسبت اختلاف نہیں ہو سکتا
 البتہ حاکم کو اس بات کا اختیار ہے کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ سارق نے بحالت اضطرار سرقہ کیا ہے تو
 اسکو معاف کر سکتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں اس طرح کے متعدد واقعات پیش
 آتے تھے جن میں سارق پر حد سرقہ جاری نہیں کی گئی تھی حضرت ابوبکرؓ کا بھی معمول یہ تھا نابالغ چور پر حد جاری نہیں کرتے

لے بخاری ج ۲ ص ۱۰۲ لے ابو داؤد باب الحد فی الخمر ج ۲ ص ۲۴۱ لے کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۱۲۵

حد زنا آنحضرتؐ نے ایک غیر شادی شدہ شخص کو جس سے زنا صادر ہو گیا تھا کوڑے
 لگانے اور اس کے بعد جلا وطنی کی سزا دی تھی حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس پر عمل کیا اور
 ان کے عہد میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تو یہی سزا دی لے
 ذاتی معاملہ میں مساحت اگرچہ حضرت ابوبکر قومی و اجتماعی جرم کے باب میں کسی قسم
 کی نرمی اور ملاطفت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر کوئی جرم خود ان کی ذات یا
 شخصیت سے متعلق ہوتا تھا تو اس میں چشم پوشی یا اغماض سے کام لیتے تھے، ایک مرتبہ ایک
 شخص نے کوئی ناگوار حرکت کی۔ تو ابوبکرؓ اس پر سخت غضب ناک ہوئے۔ ایک شخص نے کہا،
 اے خلیفہ رسول! حکم کیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ کا
 عصبہ بالکل فرو ہو گیا۔ اور اس شخص سے تعجب سے کہا کہ اگر میں تم کو حکم کرتا تو کیا واقعی تم
 اس کی گردن اڑا دیتے، اس کے بعد فرمایا یاد رکھو! آنحضرتؐ کے بعد یہ کسی
 کے لئے جائز نہیں ہے۔ لے

لے ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۳۸ بحوالہ لغوی لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶

دینی خدمات

اصلاح عقائد اگرچہ حضرت ابو بکر کا مختصر عہد خلافت اندرونی ادب و بیرونی استحکام کی مہمات میں مصروف رہا اور یہ جو کچھ بھی تھا دین کیلئے ہی تھا، تاہم عام اصطلاح میں جس کو دینی خدمات کہا جاتا ہے۔ آپ اس سے بھی غافل نہیں رہے، اس سلسلہ میں آپ کی بڑی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں میں اسلام اپنی اصل شکل و صورت میں قائم رہے۔ اور اس کے رخ روشن پر غلط افکار و توہمات اور بدعات کی گردن پڑنے پائے چنانچہ وفات نبوی کے وقت آپ نے جو خطبہ دیا اس نے یہ حقیقت ثبت کر دی کہ پیغمبر صاحب شریعت ہوتا ہے۔ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے اس کا ہر عمل اسوہ اور اس کا ہر قول واجب الاتباع ہوتا ہے۔ لیکن بہر حال وہ ہوتا ہے بشری اور اس کے لئے بشری حوائج و ضروریات کا جہاں تک تعلق ہے اس میں اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے اگر حضور دنیا سے تشریف لے گئے تو یہ کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہے جو خلاف واقع ہو۔

پھر خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں صاف صاف یہ بتا دیا کہ خلیفہ بھول چوک اور غلطی سے مبرا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر کی طرح اس کے پاس وحی نہیں آتی۔ اس بنا پر اگر خلیفہ سے غلطی ہو جائے تو اسلامی جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس پر خاموش نہ رہے اور خلیفہ کی اصلاح کرے۔ آپ نے صاف فرمایا۔

”وان زغت فقومونی“ بتاؤ اس آزادی ضمیر و قول کی مثال کسی جمہوریت میں مل سکتی ہے؟ کسی نے آپ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر لپکا تو اس کی بھی اصلاح کر دی کہ نہیں میں اللہ کا نہیں بلکہ رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔

تعیین زکوٰۃ کے خلاف آپ نے جو جہاد کیا وہ اس بات کی دلیل تھا کہ فرض فرض سب برابر ہیں۔ شریعت میں قطع و برید نہیں ہو سکتا جو اس کو قبول کر لیا، کل کو قبول کر لیا

اور ایک جز کا انکار کرنا کل کے انکار کے مترادف ہو گا۔

امر بالمعروف | قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا تَمْلِكُوا أَنْ يَمْلِكُوا تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يُخَوِّضُ الْوَعْدَ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
تو وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔

اس آیت سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ جب معاملہ اپنی اپنی ہی فکر کرنے کا ہے تو پھر اب امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر اور تبلیغ و دعوت الی الحق کی ضرورت ہی نہیں ہے، حضرت ابو بکر نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے یہ آیت پڑھی اور اس کے بعد فرمایا ”تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کی مراد صحیح نہیں سمجھتے، میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ اگر لوگ اپنے درمیان منکرات و فواحش ہوتے دیکھیں اور اس پر اپنی طرف سے ناراضگی کا اظہار نہ کریں تو بعید نہیں کہ ان گناہوں کی پاداش میں مرتکب اور غیر مرتکب دونوں ہی شامل کر لئے جائیں گے۔“

بدعات پر تنبیہ | ایک مذہب کے لئے سب سے بڑا فتنہ بدعات ہیں، حضرت ابو بکر کو اس کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور جب ان کے علم میں کوئی بدعت آتی تھی تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے تھے ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ کو معلوم ہوا کہ قبیلہ اہمس کی ایک عورت جس کا نام زینب تھا حج کر رہی ہے اور اس دوران میں کسی سے بات نہیں کر رہی ہے آپ فوراً اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو بتایا کہ حج کے اثناء میں گفتگو نہ کرنا اور خاموش رہنا جاہلیت کا طریقہ ہے۔ لے

تبلیغ و اشاعت اسلام | حضرت ابو بکر جو فوج یا دستہ کہیں بھیجتے تھے اس کو یہ تاکید ہوتی تھی کہ محض اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعت اسلام ان کا مقصد ہوتا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عدی بن حاتم کی کوشش سے بنو طے خود بخود ارتداد سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے مثلی بن حارثہ کی دعوت پر بنو اہل کے بہت سے بت پرست اور عیسائی حلقہ بگوش اسلام

لے مسند امام احمد ابن حنبل ج ۱ ص ۹ لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۱ باب ایام الحجاب

ہوئے، حضرت خالد کی مساعی سے عراق عرب اور حدود شام کے اکثر قبائل نے اسلام قبول کیا۔ طلحہ جو خود مدعی نبوت تھا۔ شام میں پناہ گزین ہو کر مسلمان ہو گیا اور بطور معذرت یہ شعر لکھ کر بھیجے۔

فهل يقبل الصديق اني مراجع
ومعط بما احدثت من حديثي
والى من بعد الضلالة شاهد شهادة
حق لست فيها بملحد له
کیا ابو بکر صدیق اس کو قبول کریں گے کہ میں
دائیں آجاؤں، اور جو کچھ میں نے گناہ کئے ہیں
ان کی تلافی کر دوں، اور گمراہی کے بعد میں سچی
گوئی دیتا ہوں جس میں ٹھٹھکاؤں والا نہیں ہوں۔
اس کے علاوہ حیرہ کے متعدد عیال نے خود بخود اسلام قبول کیا۔

جمع قرآن

اس سلسلہ میں آپ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی کام قرآن مجید کا جمع کرنا ہے اس کی تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ جنگ یمامہ میں ایک ہزار دو سو مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں انیس (۳۹) کبار صحابہ اور حفاظ قرآن شامل تھے، یہ صرف ایک جنگ کا حال تھا۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اور دوسری جنگوں میں جو نقصان ہوا اگر اس کو بھی ملا لیا جائے تو تعداد کہاں تک پہنچتی ہے اس کا احساس یقیناً حضرت ابو بکر کو ہو گا لیکن وہ اپنے مذاقِ طبعی کے بنا پر کسی ایسے کام کو کرنے کیلئے آمادہ نہیں تھے۔ جو خود انھیں نے نہ کیا ہو۔ حضرت عمر نے جرات کی اور خدمتِ صدیقی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یمامہ کی جنگ میں قرآن و حفاظ قرآن کا شدید نقصان ہوا ہے۔ اس لئے اگر آپ نے قرآن کو جمع کرنے کا بندوبست نہیں کیا تو اندیشہ ہے کہ قرآن کا بڑا ضائع ہو جائے گا۔ حضرت ابو بکر کا جواب وہی تھا کہ جس کام کو آنحضرتؐ نے نہیں کیا میں اسے کیسے کر سکتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا یہ کام تو خیر ہے، انہوں نے بار بار یہی بات کہی تو حضرت ابو بکر کو اطمینان اور شرح

لہ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۵

اب انہوں نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا اور ان سے کہا، تم جو ان آدمی ہو مجھدار ہو۔ ہم تم کو متہم نہیں کر سکتے، تم رسول اللہ کے کاتب و وحی تھے، اس لیے قرآن کا تتبع (ادھر ادھر سے فراہم) کرو اور اس کو یک جا کرو۔ زید بن ثابت کا بیان ہے۔ کہ اگر حضرت ابو بکر مجھ کو کسی ایک پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دینے کا حکم کرتے تو وہ اس حکم سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے بھی وہی اشکال ظاہر کیا جو شروع میں حضرت ابو بکر نے کیا تھا۔ لیکن ان کے جواب میں حضرت ابو بکر نے وہی بات کہی جو حضرت عمر نے خود آپ سے کہی تھی یعنی یہ کام تو خیر ہی ہے آخر کچھ رد و کد کے بعد زید بن ثابت کو بھی اطمینان ہو گیا۔ اور انہوں نے قرآن مجید کے مختلف اجزا جو کپڑوں کے ٹکڑوں، درخت کی چھالوں اور کھجور کے پتوں پر لکھے ہوئے، یا سینوں میں محفوظ تھے ان سب کو یکجا لے لیا۔ یہاں تک کہ خود زید بن ثابت کہتے ہیں کہ سورہ توبہ کی دو آیتیں ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزَمْنَا عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ“ اور ”فَإِنْ تَوَلَّوْاْ أَفْقَلْ حَسْبِيَ اللَّهُ“ خزیمۃ الانصاری کے پاس ہی محفوظ تھیں وہ بھی ان سے لے لیں اس کے علاوہ سورہ احزاب کی ایک اور آیت تھی جو زید بن ثابت آنحضرتؐ سے سن چکے تھے، جب مصحف کی تدوین ہو چکی تو دیکھا کہ اس میں وہ آیت نہیں ہے آخر وہ بھی حضرت خزیمہ کے پاس ملی۔ دو آدمیوں کی شہادت لے کر اس کو بھی قرآن میں شامل کر دیا گیا۔ یہ تمام صحیفہ جن میں قرآن یک جا کیا گیا تھا، حضرت ابو بکر کے پاس محفوظ تھے، آپ کے بعد حضرت عمر نے ان کی حفاظت کی، جب آپ کی بھی دنیا ہو گئی تو یہ امانت حضرت حفصہ کے حصہ میں آئی ملے

ایک غلط روایت | ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے جمع قرآن کا کام حضرت عمر بن خطاب نے کیا ہے۔ ملے لیکن جیسا کہ ابھی معلوم ہوا یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ جمع قرآن کی سب سے پہلے تحریک کر نیوالے حضرت عمر ہی ہیں لیکن اس کی تکمیل خلافتِ صدیقی کا کارنامہ ہے، راوی نے غلطی سے تحریک جمع قرآن کو خود جمع قرآن سمجھ لیا

لہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱

چنانچہ خود حضرت علی سے منقول ہے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر پر اللہ کی رحمت نازل ہوئی۔ جمع مصاحف کے باب میں ان کا اجر سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ پہل انہوں نے ہی کی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کی شہادتیں اسی مہم کو کی ہیں جو حدیث تو اتر کر پہنچتی ہیں۔ لے

جمع قرآن کی اصل حقیقت | قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق عام طور پر خیال یہ ہے کہ اور ایک غلط فہمی کا ازالہ | آنحضرتؐ کی وفات تک قرآن کی آیات منتشر تھیں، وہ ایک دوسرے سے مربوط نہ تھیں اور نہ سورتوں میں کسی قسم کی ترتیب تھی اور نہ ان سورتوں کے نام متعین ہوئے تھے، اس لئے عہد صدیقی میں جو کام ہوا وہ انہیں آیات و سورتوں کی ترتیب تھی۔ اس خیال کو بعض مستشرقین اور خصوصاً آئینہ سلیم میور اور آرتھر جیفرے جس نے کتاب المصاحف لابن ابی داؤد کو بڑی محنت سے ادا کر کے مصر سے شائع کیا ہے۔ بہت زیادہ پھیلا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ موجودہ قرآن اس قرآن سے مختلف ہے۔ جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھا۔

اس قسم کا خیال کرنا صرف علمی گمراہی نہیں بلکہ علمی بددیانتی بھی ہے کیونکہ قوی دلائل و براہین سے یہ ثابت ہے کہ قرآن کی آیات و سورتوں کی ترتیب خود عہد نبوت میں ہو چکی تھی۔ اور آنحضرتؐ کے حکم اور آپ کے ارشاد کے مطابق ہی ہوتی تھی زید بن ثابت کا بیان ہے کہ میں نے پورا قرآن رسول اللہؐ کے سامنے پڑھا ہے بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ چار شخصوں نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا اور یہ چاروں انصار تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید بلکہ محمد بن اسحاق نے الفہرست میں سات صحابہ کے نام لکھے ہیں۔ جنہوں نے عہد نبوت میں قرآن جمع کیا تھا۔ دراصل آنحضرتؐ کا معمول یہ تھا کہ آپ کے خاص خاص کاتب تھے جن پر آپ کو اعتماد تھا جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ان کاتبین وحی سے فرما دیتے تھے کہ

لے کتاب المصاحف ابن ابی داؤد ص ۵۔ لے بخاری ج ۲ ص ۲۸

اس آیت کو فلاں سورت میں شامل کر لو مذکورہ بالا روایت میں جن چار انصار کا ذکر آیا ہے۔ ان کا کام درحقیقت قرآن کی کتابت کر کے اپنے پاس محفوظ کرنا تھا۔ اسی حقیقت کو جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت انسؓ نے چار شخصوں کی جو تخصیص کی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی اس شرف کے حامل تھے، اس بنا پر حضرت انسؓ کی روایت کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انصار میں بھی چار کاتب تھے، غیر انصار دوسرے بھی تھے۔

اس کے علاوہ روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ سال میں ایک مرتبہ قرآن مجید حضرت جبریلؑ کو سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس مرتبہ آپ نے دو مرتبہ قرآن سنایا ہے۔ لے
سطح بالا سے یہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید آنحضرتؐ کے عہد میں منتشر اور پراگندہ نہیں تھا بلکہ مرتب تھا۔ چنانچہ خود قرآن بھی اپنے متعلق یہی کہتا ہے۔ قرآن کو جگہ جگہ الکتاب کہا گیا ہے جس کے معنی مرتب اور نوشتہ کے ہیں۔ سورۃ المزمل میں فرمایا گیا۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا - اور آپ قرآن ترتیل کے ساتھ تلاوت کیجئے
ظاہر ہے اگر قرآن مرتب ہی نہیں تھا تو پھر ترتیل کس چیز کی ہو گی۔

ترتیب سورۃ عہد نبوت میں | اب رہی یہ بات کہ سورتوں کے نام بھی عہد نبوت میں متعین ہو گئے تھے۔ تو اس کے ثبوت میں ایک دو نہیں متعدد روایات صحیحہ پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرتؐ کے وہاں مبارک سے تیس سورتیں پڑھی تھیں لے

حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام لانے کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک صحیفہ ہے اور اس میں سورۃ

لے بخاری ج ۲ ص ۲۸ لے بخاری ج ۲ ص ۲۸

ظہ لکھی ہوئی ہے۔

بعض اوقات کئی کئی آیات اک ساتھ نازل ہوتی تھیں اور آنحضرتؐ ان آیات کو تلاوت فرمانے کے بعد کاتبین وحی کو حکم دیتے تھے کہ فلاں آیت فلاں سورت میں لکھی جائے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نماز میں اور نماز کے علاوہ یوں بھی مکمل سورتیں پڑھتے تھے۔ مثلاً البقرہ۔ آل عمران۔ النساء وغیرہ پھر متعدد احادیث میں بعض خاص خاص سورتوں مثلاً سورۃ بقرہ۔ الکہف۔ سورۃ الرحمن اور سورۃ یسین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ بعض خاص خاص سورتوں کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ ان کو خاص خاص نمازوں میں پڑھتے تھے۔ مثلاً صبح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے مغرب میں اعراف پڑھی، سورۃ اخلاص پڑھی، اور دوسری نمازوں میں آل عمران اور نسا کی تلاوت کی۔ یہ روایات اس کثرت سے منقول ہیں کہ حدیث کی کوئی کتاب مشکل سے ہی ان کے ذکر سے خالی ہوگی اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے امور ذیل صاف طور پر ثابت ہو گئے۔

۱، قرآن کی کتابت آنحضرتؐ کے عہدِ مہمیت میں ہوئی تھی اور اس شد و مد کے ساتھ کہ آپؐ نے فرمایا تھا۔

لا تکتبوا عني غير القرآن

قرآن کے علاوہ مجھ سے تم کچھ اور نہ لکھو۔
(۲) ایک سورۃ میں آیات کی ترتیب بھی عہدِ نبوت میں اور آپؐ کے حکم سے ہو گئی تھی۔ (۳) سورتوں کے نام کی تعیین بھی آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہو گئی تھی۔

صدیقی کا زمانہ کی نوعیت اب دیکھنا چاہئے کہ جب یہ سب کچھ عہدِ نبوت میں ہی ہو چکا تھا تو پھر حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جو جمع قرآن ہوا اس کی کیا حقیقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ اگرچہ عہدِ نبوت میں نفس قرآن مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے، کسی کے پاس کوئی جز تھا اور کسی کے پاس کوئی اور جز کسی کے

لے تفصیل کیلئے دیکھئے صبح بخاری ج ۲ ص ۴۹ و ۵۰ و رسالہ فضائل القرآن ابن کثیر

پاس سورت کامل تھی اور کسی کے پاس ناقص اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس وقت تمام کاتبین وحی تو موجود ہوتے نہیں تھے جو قرآن کی آیات کو براہِ راست آپؐ سے نہیں سن سکتے تھے اس لئے ان تک وہ سورت یا آیات بالواسطہ پہنچتی تھیں اور وہ بھی کبھی پوری اور کبھی ادھلی غرض کہ آنحضرتؐ کی وفات تک قرآن ایک مصحف کی شکل میں بین الدفتین موجود نہ تھا، وہ خود مرتب تھا، لیکن اس کے اجزاء یک جا نہیں تھے۔ متفرق حفاظ و قرا کے پاس متفرق اجزاء تھے، اسی وجہ سے میامہ کی جنگ میں حافظ اور قاری کثرت سے شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے یعنی یہ ممکن تھا کہ جو حضرات شہید ہو جائیں قرآن کے بعض اجزاء صرف انہیں کے پاس ہوں اور کسی دوسرے کے پاس نہ ہوں اگر ایسا ہوا تو ان حضرات کی شہادت کے بعد وہ اجزاء پھر کہیں اور ملیں گے ہی نہیں اور دنیا ہمیشہ کے لئے ان سے محروم ہو جائے گی۔

یہاں ایک یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کو حضرت خزیمہ کے پاس سورۃ توبہ کی دو آیتیں یا سورۃ احزاب کی جو ایک آیت ملی تو آخر انہوں نے یہ کس طرح پہچانا کہ یہ آیات توبہ اور احزاب کی سورتوں کی تھیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورتوں کی ترتیب اور ان کے ناموں کی تعیین خود آنحضرتؐ کی حیات میں ہی ہو گئی تھی لہ

بہر حال عہدِ صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ یہی تھا کہ قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو ایک مصحف کی شکل میں یک جا کر دیا گیا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

قد اعلیٰ اللہ تعالیٰ فی القرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ لہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے دو آدمیوں کی گواہی لیکر ان آیتوں کو جو مصحف میں داخل کر دیا۔ تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بس یہ دو گواہ تھے یقیناً اور بھی بہت سے لوگ اسکے شاہد ہوئے اور خود حضرت زیدؓ کو ان کے قرآنی آیات ہونیکا پورا علم تھا، اسی وجہ سے تو وہ انکی تلاش کر رہے تھے لیکن چونکہ قانون کا منشا دو آدمیوں کی گواہی پر ہوتا ہے اسلئے صرف دو گواہی پر قانون

بانه مجموع في الصحف في قوله تيلوا
صحفا مطهرة الآية وكان القرآن
مكتوباً في الصحف لكن كانت متفرقة
فجمعها ابو بكر في مكان واحد له
ده صحيفوں میں جمع ہے، چنانچہ اُس نے
فرمایا تیلوا صحفاً مطهرة۔ اور قرآن صحیفوں میں
لکھا ہوا تھا، لیکن وہ صحیفے (مختلف اجزا جو
الگ الگ لکھے ہوئے تھے) منتشر تھے پس ابو بکر نے
ان کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

حضرت ابو بکر کے | عند کرد حافظ صاحب نے کیا عجیب نکتہ پیدا کیا ہے، یہ خیال ہو سکتا تھا
تأمل کی وجہ | کہ جب جمع قرآن کی حقیقت اتنی ہی تھی تو پھر آخر حضرت ابو بکر کو اس میں
پس و پیش کیوں ہوا؟ اور انہوں نے یہ کیسے فرمایا کہ "جس کام کو آنحضرتؐ نے نہیں کیا۔
میں اس کو سونپ کر سکتا ہوں؟ حافظ صاحب کی تقریر بالاسے واضح ہو گیا کہ حضرت
ابو بکر کے تأمل کی وجہ سے یہ تھی کہ قرآن نے آنحضرتؐ کی صفت یہ بیان کی ہے کہ آپ
لوگوں کے سامنے صحف (نہ کہ صحف) کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن آپ کی وفات
تک رہا بھی صحف کی ہی شکل میں نہ کہ صحف کی صورت میں اب حضرت ابو بکر اسکو
صحف کی شکل میں جمع کرائیں گے تو وہ کہیں بدعت اور اسوۂ رسولؐ سے تجاوز تو
نہیں ہو جائیگا۔ پس یہ خیال تھا جس کے باعث حضرت ابو بکر کو تأمل ہوا۔ لیکن
بعد میں حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے آپ کو اطمینان ہو گیا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان | اگرچہ جمع قرآن دراصل حضرت ابو بکر کا کارنامہ ہے لیکن
کے جمع قرآن میں فرق | اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عثمان غلیفہ
سوم کی ہے اور عام طور پر ان کو ہی جامع قرآن سمجھا جاتا ہے لیکن دونوں کے
کارناموں میں بڑا فرق ہے۔

حضرت عثمان کے جمع قرآن کی حقیقت یہ ہے کہ شام اور عراق کی فتح کے بعد
جب اسلامی مملکت کے حدود وسیع ہو گئے تو مختلف مصاحف جو مختلف صحابہ کے
پاس محفوظ تھے وہ تمام مملکت میں پھیل گئے اور ہر شہر کے لوگوں نے اپنے اپنے مقام

حفاظ قرآن کی قرأت کے مطابق اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل کوفہ عبد اللہ
بن مسعود کے نسخہ، مصحف کے مطابق قرأت کرتے تھے۔ اہل بصرہ ابو موسیٰ اشعری اہل
دمشق مقداد بن الاسود، اور اہل شام ابی بن کعب کے نسخوں کے مطابق قرأت کرتے
تھے یہ اختلاف اگرچہ قرأت کا تھا۔ لفظ اور عبارت کا نہیں تھا۔ لیکن قرأت کا یہ
وسیع اختلاف لفظوں کے الٹ پھیر تک بھی وسیع ہو سکتا تھا۔ اور ضرورت تھی کہ اسکی
حد بندی کی جائے۔ اور اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ اسی اثنا میں ایک
واقعہ یہ پیش آیا کہ آرمینہ اور آذربائیجان کی سرحد پر جنگ ہو رہی تھی۔ وہاں حضرت خذیفہ
بن الیمان نے دیکھا کہ اہل عراق اور اہل شام کی قرأت میں بڑا شدید اختلاف ہے یہ
دیکھ کر ان کو بڑی تشویش ہوئی حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے
امیر المؤمنین قبل اسکے کہ یہ امت گمراہ ہو اور وہ اپنی کتاب (قرآن) میں ایسے ہی باہم
مختلف ہوں جیسے کہ یہود و نصاریٰ ہیں آپ اس کا سد باب کیجئے حضرت عثمان
نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابو بکر کا جمع)
جو مصحف ہے اس کو بھیج دیجئے۔ ہم اس کے متعدد نسخے تیار کرالیں گے اور پھر آپ
کے پاس آپ کا نسخہ واپس بھیج دیں گے حضرت حفصہ نے تعمیل کی اب حضرت عثمان
نے مصحف ابی بکر کی نقل پر حضرت زید بن ثابتؓ، سعید بن العاصؓ، عبد الرحمن بن
الحارث اور عبد اللہ بن زبیر کو مقرر فرما دیا۔ اور ان حضرات میں تین جو قریشی تھے
ان کو حکم دیا کہ جس قرأت کے متعلق تم میں اور زید بن ثابتؓ میں اختلاف ہو اس
میں قریش کی زبان کی پیروی کرو۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے جب
یہ سب نسخے تیار ہو گئے تو خلیفہ ثالث نے ایک ایک نسخہ ایک ایک صوبہ میں
بھیج دیا۔ ان کے علاوہ جتنے نسخے اور تھے ان کو سپرد آتش کرنے کا حکم دیا۔ لے
اس تقریر سے معلوم ہوا ہو گا کہ حضرت ابو بکر نے قرآن مجید کے مختلف اجزا

کو جو پرانگندہ اور بکھرے ہوئے تھے ان کو ایک جگہ بین اللوحین میں جمع کیا تھا اور اختلافِ قرأت سے تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کے برخلاف حضرت عثمان نے اسی مصحف ابی بکر پر اعتماد کر کے اور اس کو بنیاد قرار دے کر قرأتیں متعین کر دی تھیں جو سب سے قرأت کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ باقی قرأتوں کو غیر مستند قرار دیا گیا۔ اور ان قرأتوں کے حامل جو نسخے تھے ان کو جلا دیا گیا۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے قاضی ابوبکر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا لو یقصد عثمان قصد الی بکر فی جمع نفس القرآن بین اللوحین وانما قصد جمعہم علی القراءات الثابتة الطروفة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والغاء ما لیس کذا لک لہ

دوسروں قرأتیں ہیں ان کو ضائع کریں۔ صدیقی کا نامہ کی اہمیت حضرت ابوبکر کے اس عظیم الشان کارنامہ کی اہمیت اور عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت خواہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں یہی جمع قرآن در مصاحف ہے جسیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد وانا لک لکما فظون متطبق ہوتا ہے اور جس کی بشارت "ان علیکنا جمعہ وقرآنہ" میں موجود ہے لہ جب تک دنیا میں قرآن اور ایک کلمہ کو بھی موجود ہے حضرت ابوبکر احسان سے امت مسلمہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

عہد صدیقی میں تمدنی حالت

آنحضرتؐ کے عہد میں ہی اگرچہ عربوں کی تمدنی زندگی پر بدادت

لہ الاثقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۰۳ - لہ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۵

کی جگہ حضارت کا رنگ چڑھنا شروع ہو گیا تھا، چنانچہ زمانہ قبل اسلام میں گھروں کے اندر بیت الخلاء کا رواج نہیں تھا۔ مدینہ کی ہجرت کے بعد اس کا رواج ہوا اور اسمیں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ بیت الخلاء گھر کے اندر تو نہ ہوں مگر ان سے متصل ہوں لہٰذا ایک علاوہ لباس میں وضع قطع میں نشست و برخاست میں، تہذیب و شائستگی پیدا ہوئی تاہم سادگی برابر قائم رہی اور تکلفات کا کبھی کوئی دخل نہیں ہوا۔ سادگی کا یہ انداز عہدِ صلح میں بھی رہا۔ تاہم عراق اور شام میں اس زمانہ کی دو مہذب اور ترقی یافتہ قومیں ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ اختلاط کے باعث کچھ کچھ تکلفات کا عمل دخل ہونا شروع ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان اول الذکر کے مرض و فات میں جو مکالمہ ہوا ہے اس میں حضرت ابوبکر نے استخطاف حضرت عمر کے سلسلہ میں بطور طنز و تعریف فرمایا ہے کہ تم لوگ دیبا کے گدے بچھونے اور ریشمین پردے استعمال کرنے لگے ہو اود آذر بائیجانی اودن کے بنے ہوئے کپڑوں سے تم کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا۔

عرب زمانہ قبل از اسلام سے ہی ایک درمیانی منزل تھے جس کے ذریعہ چین، انڈیا، ہندوستان اور ایران کے مصنوعات اور پیداوار چیزیں مصر اور مغربی ممالک میں آتی جاتی تھیں۔ اس تقریب سے عربی شاعری میں ہندی تلواریں، ہندو سالوں، عود و صندل، کافور اور زنجبیل وغیرہ کا ذکر ملتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیزیں عرب میں مستعمل تھیں۔

لباس | عربوں کا لباس شروع میں عموماً ایک رداء اور ایک ازار پر مشتمل ہوتا تھا لیکن بعد میں جب تمدن نے ترقی کی تو درع (کرتر) قمیص - پاجامہ (سروال) اور بنیان وغیرہ بھی مستعمل ہونے لگا۔ جس پر عربی زبان کے الفاظ شعرا اور وٹا ردالت کرتے ہیں اس کے علاوہ مرد باہر نکلتے تھے تو سر پر عمامہ باندھتے اور جبہ پہنتے تھے اور عورتوں سر پر رومال باندھتی تھیں یا اڑھتی اڑھتی تھیں جس کو خمار یا معجریہ کہتے ہیں

لہٰذا صحیح بخاری ج ۲ حدیث الافک لہٰذا الکامل للبروج ص ۵

عہد صدیقی میں وظائف حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں سب لوگوں
نہ ہونے کی وجہ کے حسب مراتب وظیفہ مقرر کر دیئے تھے۔ لیکن چونکہ

حضرت ابو بکر اس نکتہ سے واقف تھے کہ وظائف کی وجہ سے لوگوں میں تن آسانی
پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محنت و جفاکشی کی عادت باقی نہیں رہتی، اس لئے آپ
نے کسی تندرست آدمی کا وظیفہ مقرر نہیں کیا جو کچھ آیا اس کو اسی وقت تقسیم کر کے
برابر کر دیا۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے سب مسلمانوں کے وظائف مقرر کرنے کا

ارادہ کیا تو اس پر حضرت ابوسفیان بن حرب نے یہ اعتراض کیا تھا کہ
ان فرصت للناس اتكلوا على الديوان اپنے اگر سب کا وظیفہ مقرر کر دیا تو لوگ اس پر
وتركوا التجار تہ لے بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور کاروبار چھوڑ بیٹھیں

عام سماجی حالت اسلامی معاشرہ بہترین معاشرہ تھا جس میں عورتوں کو پورے حقوق
حاصل تھے۔ غلاموں اور باندیوں کے ساتھ نہایت شریفانہ اور فیاضانہ معاملہ
کیا جاتا تھا ملک میں مکمل امن و امان تھا۔ حضرت عمر صدیقی دور میں چھپ جیسٹس
تھے لیکن دوبرس تک ان کے پاس کوئی مقدمہ ہی نہیں آیا خلیفہ عمال حکومت اور
عام مسلمان ان کے طرز رہائش میں کوئی فرق ہی نہیں تھا۔ ایک معمولی حیثیت کا
مسلمان بھی بلا تردد خلیفہ وقت کے کسی فعل پر برسر عام نکتہ چینی اور خردہ گیری
کر سکتا تھا، غیر مسلموں کو مکمل طور پر مذہبی آزادی حاصل تھی اور مسلمانوں کے
اور ان کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار اور ہمدردانہ تھے، اور ان کو ترقی
کرنے، علم حاصل کرنے کے پورے مواقع حاصل تھے۔

اجتہاد و قیاس

قیاس عہد نبوت میں قرآن و سنت میں اگرچہ اصول و کلیات کے علاوہ سینکڑوں
جزئی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ تمدن اور اجتماع کی ترقی کے

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۳۶۳

ساتھ ساتھ سینکڑوں ہزاروں ایسے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن
و حدیث میں نہیں ہے۔ ایسے مسائل کو حل کرنے کا طریقہ اسکے سوا کوئی اور نہیں
ہو سکتا کہ اجتہاد اور قیاس سے کام لیا جائے، چونکہ شریعت کی جامعیت اور عالمگیری
کے ساتھ اس چیز کا بہت گہرا تعلق ہے اس لئے خود آنحضرتؐ کے عہد میں اسکو
صاف طور پر بتا ڈلیا تھا۔ چنانچہ تم پہلے پڑھ آئے ہو کہ آنحضرتؐ نے حضرت معاذ
بن جبل کو جب قاضی بنا کر مین بھیجا تھا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کے
درمیان کس طرح فیصلہ کرو گے؟ متعدد سوال و جواب کے آخر میں انہوں نے کہا کہ اگر میں
کسی کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں پاؤں گا تو اجتہاد رائی میں اپنی رائے
استعمال کروں گا، لے ظاہر ہے اس اجتہاد بالرائی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جو معاملہ
پیش آئیگا اس پر قیاس کر کے اس کا حکم قرآن و سنت میں تلاش کروں گا اور معاملہ
زیر بحث کو اس پر قیاس کر کے اس کا حکم اس پر لگا دوں گا۔ اور یہی تعریف قیاس شرعی
کی ہے جو استنباط احکام کے اصول اربعہ میں سے ایک اصل ہے۔ ورنہ کتاب
و سنت سے قطع نظر محض رائے زنی کوئی دلیل شرعی نہیں ہو سکتی۔ آنحضرتؐ
نے معاذ بن جبل کا یہ جواب سن کر ان کو آفریں کہی اور خوشی سے ان کے سینہ پر دست
مبارک رکھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیاس کا وجود خود آنحضرتؐ کے عہد میں
پایا جاتا تھا اور اسکے دلیل شرعی ہونے کی توثیق خود اپنے کردی تھی لے

استنباط احکام کے اصول ثلاثہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابو بکر کا معمول تھا کہ جب کوئی
مسئلہ ان کے سامنے آتا تھا تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اگر اس
میں مل گیا تو اس پر عمل کرتے تھے۔ ورنہ سنت رسول اللہ سے مراجعت کرتے تھے
اگر اسمیں کامیابی نہ ہوتی تو پھر مسلمانوں کو جمع کر کے دریافت کرتے کہ کیا تم میں سے

لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۲۰ لے لیکن انوس ہے مولانا شبلی نعمانی اس شوق میں
کہ قیاس کی ایجاد اور اسکو حجت شرعیہ بنانے کا سہل حضرت عمر فاروق کے مرہاندہتے ہیں اسکو
تسلیم نہیں کرتے اور ساتھ ہی اسکے منکر یہی کہ حضرت ابو بکر کے عہد میں قیاس کا وجود پایا جاتا تھا۔

کسی کو اسکے متعلق آنحضرتؐ کا کوئی عمل معلوم ہے۔ اگر ایسا کوئی شخص مل جاتا تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے اور اگر اس میں بھی ناکامی ہوتی تو منتخب اور اعظم تھے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جس پر سب متفق ہو جاتے اس کا حکم دیتے چنانچہ ایک مرتبہ وادی کی وراثت کا مسئلہ پیش آیا، قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی حکم تھا نہیں اس لئے آپؐ نے سنت کی طرف رجوع کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بتایا کہ آنحضرتؐ جدہ (وادی) کو ایک سدس یعنی ۱/۶ حصہ دلاتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے اس پر شہادت طلب کی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے حضرت مغیرہ کی تصدیق کی اور آپؐ نے یہی حکم نافذ کر دیا۔

اصل رابع یعنی قیاس | ان روایتوں سے استنباط احکام کے اصول ثلاثہ یعنی قرآن و سنت اور اجماع کا عہد صدیقی میں معمول بہا ہونا ثابت ہوتا ہے، یہی اصل رابع یعنی قیاس تو حضرت ابوبکرؓ اجماع نہ ہونے کی صورت میں قیاس سے کام لیتے تھے۔ اور جو بات حق معلوم ہوتی تھی اس کا اعلان کر دیتے تھے، چنانچہ کلالہ کے متعلق آپؐ سے پوچھا گیا تو چونکہ قرآن و سنت میں اس کا مفہوم واضح نہیں تھا اسلئے آپؐ نے فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اگر صواب ہوا تو اللہ کی طرف سے ہوگا۔ ورنہ شیطان کی طرف سے، پھر مانعین زکوٰۃ کے معاملہ میں ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ تک کی رائے خلاف تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا، کیونکہ فرصیت و اہمیت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا اور پھر جس طرح نماز کا منکر مرتد ہے اسی طرح مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دے کر ان سے قتال کو واجب قرار دیا۔ غور کرو کیا یہ صورت بعینہ قیاس کی نہیں ہے؟ شاہ ولی اللہ حضرت ابوبکرؓ کے طرز استدلال کے متعلق فرماتے ہیں۔

”آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جب لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے تو انکی جانبیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ الا بحقہا۔ مگر ہاں اس وقت نہیں جب کہ وہ

لے سن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی الجدة لے سن الدارمی ج ۲ ص ۲۶۵ مطبوعہ دمشق

کسی ایسی چیز کا ارتکاب کریں جس کی وجہ سے ان سے قتال کرنا ضروری ہوگا۔ اس حدیث کو حضرت عمر جو مانعین زکوٰۃ کیساتھ قتال کرنے کے حق میں نہیں تھے اپنے استدلال میں پیش کرتے تھے اور ان کے استدلال کی تقریر یہ تھی کہ نماز کا الا بحقہا کے ماتحت شامل ہونا مسلم ہے اور چونکہ زکوٰۃ بھی نماز کی ہی طرح ایک اہم فرض اور دین کی بنیاد ہے اس لئے زکوٰۃ کے منح کرنے والوں کا حکم بھی وہی ہوگا۔ شاہ صاحب کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

”وزکوٰۃ مقیس است بروئے بقیاس جلی لے“

اسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے ایک مرتبہ جد (دادا) کی وراثت کا حکم جو قرآن میں مذکور نہیں ہے اور جس کے متعلق آنحضرتؐ کا کوئی عمل بھی معلوم نہیں تھا پوچھا گیا تو آپؐ نے اس کو اب (باپ) پر قیاس کر کے فرمایا کہ میراث کے معاملہ میں دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے۔ اس کی مزید تشریح آگے آتی ہے۔ مالک بن نویرہ کے واقعہ میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد کی طرف سے جو خونبھا ادا کیا تھا وہ بھی بر بنائے قیاس تھا، کیونکہ آنحضرتؐ نے خود حضرت خالد کے اسی طرح کے ایک واقعہ میں ایسا کیا تھا خیر و فک کا مسئلہ | اسی ذیل میں خیر و فک کا مسئلہ آتا ہے، یہ مسئلہ ایک مدت پہ مسلمانوں میں بحث و تکرار کا موضوع بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو جو اصرار رہا اور جو ناگوار سی پیش آئی اس نے واقعہ کی اہمیت بڑھا دی ہے، اس لئے ہم اس پر تفصیل سے کلام کرتے ہیں۔

اصل واقعہ اصل واقعہ یہ ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو ۲۴ حصوں پر تقسیم کیا، ان میں سے ۱۸ حصے اپنے لئے مخصوص کئے اور باقی حصص دوسرے لوگوں پر تقسیم کر دیئے۔ اس سے فراغت کے بعد جب آپؐ واپس ہوئے تو محبصہ بن مسعود الانصاریؓ کو دعوت اسلام کی غرض سے اہل فک کے پاس بھیجا یوشع بن نون ان کا سردار تھا، اہل فک نے صلح کی درخواست کی اور نصف زمین

لے ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۲۸ لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۸

معاہدہ میں دینی منظور کی۔ آنحضرتؐ نے اس کو قبول فرمایا اس وقت سے یہ زمین آپ کے لئے مخصوص ہو گئی لے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ اور حضرت عباس حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیر و فدک کی زمینوں میں آنحضرتؐ کا جو حصہ تھا اس کا بحیثیت وارث مطالبہ کیا، اسکے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔ اور آل محمدؐ اس مال میں سے کھائیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا کہ آنحضرتؐ جس کام کو جس طرح کرتے تھے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ حضرت فاطمہ یہ سن کر کبیدہ خاطر واپس چلی گئیں اور حبیب تک زندہ رہیں حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا۔

اصل واقعہ | اسی قدر ہے لیکن طبری اور بلاذری نے اس سلسلہ میں جو اور چند روایات نقل کی ہیں ایک فن کا نکتہ شناس پہچان سکتا ہے، کہ وہ وقت کی رنگ آمیزی سے خالی نہیں بہر حال ہم کو اس وقت ان کی تنقید مقصود نہیں ہے صرف اسپر بحث کرنا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر نے جو فیصلہ کیا وہ کہاں تک حق بجانب تھا اور کیوں تھا؟

حضرت ابوبکر کے فیصلہ کے وجہ | اس میں شک نہیں کہ خیر اور فدک میں آنحضرتؐ کا جو حصہ تھا وہ آنحضرتؐ کے لئے مخصوص تھا چنانچہ حضرت عمر کے سامنے جب یہ معاملہ آیا تو آپ نے آیت ذیل پڑھی۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولٍ مِنْهُمْ فَمَا
أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا مَرْكَبٍ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَسْلُطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اور اللہ نے اپنے رسول کو جو چیز بہ طور فے کے دی ہے تو تم نے اس پر اپنے گھوڑے یا سواریاں نہیں دوڑائی تھیں لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر پوری قدرت والا ہے۔

خالصہ رسول ہونے کا مطلب | اور اس آیت میں جس نے کا ذکر ہے اس سے خیر اور فدک

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۳۲ د ۳۶۹ صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۹۹ کتاب الفرائض ہی روایت بخاری میں تھوڑے بہت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ باب الخمس اور باب المغازی میں بھی ہے۔

مراد لے اور ساتھ ہی فرمایا۔ فَكَانَتْ هَذِهِ الْخَالِصَةَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ لیکن ایک پیغمبر ایک بادشاہ اور ایک صدر ریاست کے لئے کسی چیز کے خاص ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کی ملکیت ذاتی ہو۔ اور دوسری یہ کہ صدر ریاست ہونے کی حیثیت سے وہ اس کے اخراجات کے لئے وقف ہو۔ پہلی صورت میں صدر ریاست کے انتقال کے بعد وہ شے اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسری صورت میں چونکہ وہ ذاتی نہیں ہوتی اس لئے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے بعد جو شخص صدر ریاست ہوتا ہے اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر (اور حضرت عمر بھی) خیر اور فدک کو یہ شے آنحضرتؐ کے لئے خاص مانتے تھے، لیکن پہلی صورت کا خاص ہونا نہیں جیسے وراثت چلتی ہو۔ بلکہ دوسری صورت کا جس کو لازمی طور پر خلیفہ رسول کی طرف منتقل ہونا چاہیے مسند امام احمد بن حنبل میں بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہؐ کے وارث آپ ہیں یا ان کی اولاد تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا: میں نہیں بلکہ آپ کے متعلقین (اہل) | اب حضرت فاطمہ نے کہلا یا کہ اچھا! تو پھر رسول اللہؐ کا حصہ کہاں ہے؟ اس کا جواب حضرت ابوبکر نے دیا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کھلاتا ہے۔ لیکن جب اس کو دنیا سے اٹھا لیتا ہے تو حباس بنی کا حصہ ہوتا ہے۔ وہ اس شخص کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ جو اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔“

اس کے علاوہ حضرت عروہ بن الزبیر سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور خیر و فدک میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا: ”کیا تم کو خوف خدا نہیں ہے؟ کیا تم نے آنحضرتؐ سے نہیں سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔“

جیسا کہ دنیا میں نہ رہوں تو میرا حصہ اس شخص کیلئے ہوگا جو میرا خلیفہ ہو۔ حضرت عائشہ کی یہ تقریر سن کر ازواج مطہرات نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ لے حضرت ابوبکر کے بعد جب یہ معاملہ حضرت عمر کے سامنے آیا تو آپ نے بھی فرمایا۔ ہاں صدقہ رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ خیر و فک دونوں رسول اللہ کے صدقہ لِحَقْوَقَةِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبُهُ (وقف) تھی اور آپ کے ذمہ جو حقوق تھے ان کے و امرہما الی من ولی الامر قال لے اور آپ کی ضرورتوں کیلئے تھے اور ان کا وہما علی ذالک الیوم لے معاملہ اس شخص کے سپرد ہے جو خلیفہ ہو اور

یہ دونوں آج تک اسی حالت اور حیثیت میں ہیں۔ خیر و فک کے مصارف [خیر و فک کی اس حیثیت کے متعین ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر کو حق تھا کہ صدر ریاست اور خلیفہ رسول کی حیثیت سے خیر و فک کی آمدنی کو اپنی ذات اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کیلئے مخصوص کر لیں۔ لیکن ادب و احترام نبوی اور اہلبیت اطہار کے ساتھ آپ کو جو محبت و عقیدت تھی۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ نے ان دونوں کی آمدنی کے مصارف بعینہ وہی قائم رکھے جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں تھے۔ اور اس کا حجبہ بھی اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے روا نہیں رکھا عہد نبوی میں خیر و فک کا مصرف یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلقین کا سال بھر کا خرچہ اسی میں سے پورا کرتے تھے اور اس کے علاوہ مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتے تھے لے حضرت ابوبکر کا بھی یہی معمول رہا۔ جہاں تک اہل بیت کا تعلق ہے آپ نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لقراۃ رسول جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسکی قسم اللہ ﷻ احب الی من ان اصل من رسول اللہ کے رشتہ دار مجھ کو اس سے زیادہ عزیز ہیں کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی قرابتی لے

لے فتح البلدان بلاذری ص ۳۷ لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰
لے صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفرائض لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۰

مزید ارشاد فرمایا۔

سمعت ان النبی لا یورث و لکنی اعول میں نے سنا ہے کہ بنی کا کوئی وارث نہیں ہوتا
من کان رسول اللہ ﷺ یعول و انفق لیکن اس کے باوجود میں اُن سب کی سرپرستی
علی من کان رسول ﷺ ینفق لے کروں گا جن کی سرپرستی آنحضرت ﷺ کرتے تھے
اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپ خرچ کرتے تھے۔
عزیز کرو فرض اور محبت کے درمیان حسن توازن و تناسب کی مثال کیا کوئی اس سے بہتر بھی ہو سکتی ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں۔

د مشکل آنکہ اگر میراث دہند مخالف قاعدہ شرع باشد و اگر دہند مال خاطر اہل بیت لازم آید۔ حضرت صدیق دین باب حدیث روایت کرد کہ میراث برون را از پیغامبر ﷺ و بودن این قری مملوک و س ۴ ہر دو مقدمہ را منع نمود و با حضرت فاطمہ و سائر اہل بیت آل قدر ملاطفت فرمود کہ جبر نقصان آن آزر د گیہا شد لے

حضرت فاطمہ زہرا کا طرز عمل [اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابوبکر کے اس سب کچھ کرنے کو ماننے کے بعد بھی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا کا دل ان کی طرف سے صاف ہوا؟ اگرچہ متعدد روایات میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ نے آخر عمر تک حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا، لیکن ادل تو جن راویوں نے یہ نقل کیا ہے صرف ان کا ایک اندازہ اور قیاس ہے۔ پھر ان روایات کے جو راوی ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جن میں تشیع پایا جاتا تھا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ولعلہ رومی بمعنی ما فہمہ اور شاید بعض راویوں نے جیسا سمجھا اسکو بعض الرواۃ و فیہم من فیہ تشیع ہی بالمعنی روایت کر دیا اور یہ بھی معلوم رہا

فلیعلم ذالک لہ
چاہئے کہ ان راویوں میں بعض وہ بھی ہیں جن میں تشیع تھا۔

جن راویوں نے حضرت فاطمہ کی تادقت وفات ناراضگی بیان کی ہے وہ حضرت فاطمہ کا کوئی فقرہ ایسا نقل نہیں کرتے جو انہوں نے حضرت ابو بکر سے گفتگو کے بعد کہا ہو اور جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حدیث نبوی سننے کے بعد بھی ان کا ملال خاطر دور نہیں ہوا۔ اس بنا پر قیاس یہی ہو سکتا ہے کہ یہ محض راوی کا اپنا احساس ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور روایت ہے جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر کی زبان سے حدیث نبوی سننے کے بعد حضرت فاطمہ نے فرمایا۔
فلنت وما سمعت من رسول اللہ تو بھر آپ نے رسول اللہ ص سے جو سنا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اعلم لہ آپ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کو کوئی ملال نہیں رہا تھا اور قرن قیاس و مقتضائے روایت بھی یہی ہے، حضرت ابو بکر کی زبان سے ارشاد نبوی سننے کے بعد حضرت فاطمہ کے سامنے صرف دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ اس حدیث کا انکار کرتیں اور یا اس کو صحیح تسلیم کرتیں، پہلی صورت ناممکن تھی اسلئے کہ اہل توحید حضرت ابو بکر کا کسی حدیث کو بیان کرنا اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل تھا۔ اور پھر ہاں تو حضرت صدیق تنہا نہیں تھے، بلکہ ازواج مطہرات حضرت علی، عباس عثمان، عمر فاروق، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ یہ سب حدیث کی صحت کے گواہ تھے۔ جیسا کہ بخاری کتاب الفرائض کی روایت سے ظاہر ہے، اس بنا پر حضرت فاطمہ کے لئے حدیث کی عدم صحت کا تصور کرنا بھی ناممکن تھا۔ اب لا محالہ دوسری صورت باقی رہتی ہے تو کیا ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت فاطمہ کی نسبت باور کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے باوجود ان کا تکرر طبع مدد نہیں ہوا اور انہوں نے اپنا مطالبہ بخوبی

واپس نہیں لے لیا، صاف و صریح ارشاد نبوی سننے کے بعد اپنے مطالبہ پر اصرار ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان سے متوقع نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ سیدۃ النساء حضرت زہرا بتول سے جو معدن الفقر فخری کا گوہر تابندہ اور ملک درویشی و بے نفسی کا مادہ درخشندہ تھیں۔ سرور عالم کی جس لخت جگر نے چکی پیس پیس کر اپنے ہاتھوں پر گٹے ڈال لئے ہوں اور کبھی اُف نہ کی، کبھی دولت و ثروت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ہو کہ یہی استغنا اور یہی شان فقر اس خاندانِ قدس کا طغرائے امتیاز تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ چند قرصائے سیم و زر کی وراثتی ملکیت کے داغ اپنے دامن فقر و استغنا پر گوارا کر سکتی تھی؟ فہل من مدکر! لہ

حضرت ابو بکر کی مجتہدانہ بالغ نظری | پھر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وقتی طور پر ایک معاملہ پیش آیا اور حضرت ابو بکر نے اس کا جواب دیدیا، بلکہ درحقیقت حضرت ابو بکر کا فیصلہ جو قرمودہ نبوت کی روشنی میں تھا آنحضرت کی پیغمبرانہ عظمت و شان کو قائم رکھنے کا ضامن تھا، حیات انبیاء کا جو عقیدہ ہے اس کی رسمی توضیح و تشریح سے قطع نظر یہ مسلم ہے کہ آنحضرت کی وفات پر وہ تمام احکام جاری نہیں ہوئے جو عام لوگوں کی موت پر جاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی ازواج مطہرات عدت میں نہیں بیٹھیں اور آپ کے بعد ان سے کسی اور کا نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔ اس بنا پر حضرت

لہ اسکی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو حافظ عماد الدین ابن کثیر نے حافظ ابو بکر البقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر حضرت فاطمہ کی علالت کے دنوں میں عیادت کیلئے تشریف لینگے تو حضرت فاطمہ نے آپ کو گھر میں بلا لیا دونوں میں گفتگو ہوئی اور آخر حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر سے خوش ہو گئیں، ابن کثیر نے اس روایت کو حید قوی کہا ہے (البدایہ ج ۵ ص ۲۸۹) اس پر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بہر حال اس روایت سے بھی یہ تو ثابت ہو ہی گیا کہ حضرت فاطمہ ناراض تھیں اگرچہ بعد میں ان کا دل صاف ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کو کچھ ناگواری ہوئی یا نہیں اس سے قطع نظر حضرت ابو بکر اسکا خیال ضرور ہو گا کہ جگر گوشہ رسول نے ایک مطالبہ کیا اور وہ اسکی تعمیل نہ کر سکے بس صرف یہی خلش تھی جسکی وجہ سے حضرت فاطمہ کے پاس معذرت خواہی

ابوبکر کو اس بات کا یقین تھا کہ داشت بھی جو عام اہل دنیا کے عوائدِ رسمہ میں سے ہے ایک پیغمبرِ آخر الزماں کے شایانِ شان نہیں۔ آنحضرتؐ کی شان تو یہ تھی کہ جو کچھ آپؐ پاس تھا اس کو اپنے صرف اپنی ذات اور اپنی صلبی اولاد کے لئے کبھی مخصوص نہیں کیا بلکہ اس پر سب مسلمانوں کا حق تھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا۔

انا اولیٰ بالموئین من انفسہم
فمن مات وعلیہ دین ولس
یتزلک وفاقاً فعلینا قضاءہ و
من ترک ما لا فلو رثتم لہ

میرے اور پر مسلمانوں کا حق اتنا ہے کہ خود
اپنے بھی ان کا نہیں ہے، اس لئے جو مسلمان مقرر
مر جائے اور کافی ترک نہ چھوڑے تو اس قرض
کو ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور جو شخص کچھ
مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کیلئے ہوگا۔

اسی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک کے متعلق ایک مرتبہ ایک جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

فدک رسول اللہؐ کے لئے تھا، آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور اسی میں سے بنو ہاشم کے فقر پر خرچ کرتے تھے ان کی بن بیاہی لڑکیوں کا نکاح کرتے تھے حضرت فاطمہؑ نے ایک مرتبہ درخواست کی کہ آپ فدک ان کے نام ہبہ کر دیں تو آپ نے انکار فرمادیا لے

پس عوز کرد جس رحمت عالم کی یہ شان ہوا و جس نے زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۰ لے سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی صفایا رسول اللہؐ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ و عباسؓ و غیرہ ہمارے سامنے آیت و ما افاض اللہ علی رسولہ الٰیۃ پڑھی اور اس سے استدلال کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس جو کچھ تھا اس میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں تھا جس کا حق نہ ہو نیز یہ کہ آنحضرتؐ اسی خیر و فدک کی آمدنی سے مسلمانوں کیلئے اٹھ اور گھوڑے وغیرہ خریدتے تھے اور اپنا اور اپنے متعلقین کا سال بھر کا خرچ پورا کر کے بعد قومی دہلی مصارف میں خرچ کرتے تھے اصل الفاظ جو بخاری میں بھی ہیں وہ یہ ہیں فیصل فجل مال اللہ بخاری ج ۲ ص ۹۹۰ سنن ابی داؤد کتاب الفرائض

کو اپنے خاندان کے لئے ناجائز قرار دیدیا ہو۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اس کے دنیا سے رد پوش ہوتے ہی اس کے ترکہ کے حصے بخرے کر لئے جاتے اور چند افراد خاندان میں اس کو محدود کر کے عام مسلمانوں کو اس کے انتفاع سے محروم کر دیا جاتا، آپ کا ارشاد و ماترکنا صدقہ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ سب مسلمانوں کے لئے وقف ہوگا۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی گمرہ کشائی خلیفہ رسول کے ناخن اجتہاد نے کی۔

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ جہاں تک اس واقعہ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ذات کا تعلق ہے مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے لیکن آخر میں بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے مختصراً اس قدر لکھ دینا ضروری ہے کہ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھا مانا! حضرت فاطمہؑ کو حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے ارشاد نبویؐ سننے کے بعد اطمینان ہو گیا لیکن اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو پھر بھی اصرار رہا اور ان کی تشقی نہیں ہوئی، اسس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک وراثت کا معاملہ تھا اس کے متعلق ان دونوں حضرات کو بھی اطمینان اور اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ خیر و فدک وقف ہیں لیکن وہ اس چیز کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ خلیفہ وقت ہی اس کا متولی ہو۔ ان کا ذاتی خیال تھا کہ آنحضرتؐ کے اہل قرابت کو اس کا متولی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ صرف آنحضرتؐ کے اقربا کے لئے وقف ہیں نہ کہ تمام مسلمانوں کیلئے، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ و عباسؓ میں جو طویل مکالمہ اکابر مہاجرین کی موجودگی میں ہوا ہے اور جو صحیح بخاری میں متعدد ابواب کے ماتحت مذکور ہے اس کو دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ مکالمہ کا موضوع وراثت نہیں بلکہ مواصل ہی دو چیزیں ہیں ان میں سے پہلی چیز یعنی وقف کا متولی ہونا تو چونکہ خلیفہ کا حق تھی اور ایک صاحب حق اگر چاہے تو وہ کسی دوسرے کے حق میں اس سے دست بردار ہو سکتا ہے اس بنا پر اہل بیت اطہارؑ کی دلجوئی کی خاطر حضرت عمرؓ نے خیر و فدک کی تولیت اور اس کا انتظام و انصرام حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ

کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ لیکن دوسری چیز یعنی مصارفِ ذمت تو چونکہ ماترکنا صدقہ کے ارشاد نبوی کے ماتحت منصوص تھی اسلئے حضرت عمرؓ یا کسی اور شخص کو اس میں تغیر و تبدیل کرنے کا حق نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مذکورہ بالا دونوں حضرات کو جب ذمت کی ولایت سپرد کی تو ان سے صاف لفظوں میں اس بات کا عہد کرا لیا کہ وہ اس کی آمدنی ان تمام مصارف کے لئے کھلی رکھیں گے جن میں آنحضرتؐ اس کو صرف کرتے تھے اس کے بعد بتائید فرمایا۔

فان عجزتما فادفعاها الی فانی اگر تم دونوں اس شرط کو پورا نہ کر سکو گے تو تم یہ مجھے واپس کر دو۔ تمہاری طرف سے اکفیکما ہا۔ میں اس کا انتظام کر دوں گا۔

ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ کے عہد میں بھی لے ذمت مسلمانوں کیلئے صدقہ ہی تھا۔ **کلالہ کی بحث** حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مجتہدات و قیاسات میں ایک مشہور مسئلہ دادا کی وراثت کا بھی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے: **یستقونک۔ قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ہلک و لیس لہ ولد و لہ اخت فلہا نصف ماترکہ و ہو یرثہا ان لم یکن لہا ولد** (نساء) لے محمدؐ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارہ میں تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد لا ولد مرے اور اسکی بہن مر جائے اور اسکی اولاد نہ ہو تو یہ بھائی اس کا وارث ہوگا۔

اس آیت میں جو لفظ کلالہ آیا ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی وفات پر نہ اس کے باپ ہو اور نہ بیٹا۔ لیکن آگے چل کر اختلاف اس میں ہو گیا کہ کلالہ کے مفہوم میں دادا کا نہ ہونا۔

لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۲ و ج ۲ ص ۹۹۶ بعض محدثین کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور عباسؓ کو جس کا متولی بنایا تھا وہ خیر و ذمت نہیں بلکہ مدینہ میں آنحضرتؐ کا جو خالصہ تھا وہ تھا لیکن بخاری کی روایات سے ایسی کوئی تخصیص ظاہر نہیں ہوتی۔

بھی داخل ہے یا نہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے یہی تھی کہ داخل ہے یعنی دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں تو کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی لے لیکن بعد میں متعدد صحابہ کی رائے اس کے خلاف ہو گئی۔

اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرض کر دایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے اپنے بعد ایک دادا اور بہن، بھائی، چھوٹے تو اب سوال یہ ہے کہ دادا کے ہوتے ہوئے بہن بھائی کو ورثہ ملیگا یا نہیں حضرت ابو بکرؓ کی رائے کے مطابق جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے۔ پس جس طرح باپ کی موجودگی سے بہن بھائی محبوب الارث ہو جاتے اسی طرح دادا کی موجودگی سے بھی ہو جائیگے۔

اس مسئلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا استدلال یہ تھا کہ۔ **ما قرآن مجید میں ایک اور آیت ہے جس میں کلالہ کا لفظ آیا ہے۔ وان کان رجل یورث کلالۃً او امرأۃ ولہا اخ و اخت فلکل واحد منہما السدس ط** اگر ایک مرد کلالہ ہونے کی حالت میں مر جائے یا کوئی عورت اور اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اس آیت میں کلالہ سے مراد سب کے نزدیک وہ شخص ہے جس کے نہ باپ ہو اور نہ دادا، چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر دادا ہو گا تو پھر علاتی بہن بھائی محبوب الارث ہو جائیں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب یہاں کلالہ کے معنی میں دادا کو باپ کے برابر رکھا گیا ہے تو یہی شریعت پہلی آیت میں ملحوظ نہ رکھی جائے۔

(۲) جہاں تک حاجب ہونے کا تعلق ہے ابن الابن یعنی پوتے کا وہی حکم ہے جو ابن کا ہے۔ پس جب فروع میں یہ حال ہے تو کیا وجہ ہے کہ اب الاب یعنی دادا کا حکم باپ کا سا اصل میں نہ ہو۔

لے بخاری ج ۲ کتاب الفرائض

(۳) جد باپ کی طرح اصل نسب ہے اس لئے جو حکم باپ کا ہو گا وہی دادا کا ہو گا۔
عرض کر حضرت ابوبکر صدیق اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اجتہاد کیلئے
قاعدے اور ضابطے مقرر کئے۔ آج تک مسلمانوں کا عمل انہیں منوالط پر ہے۔ شاہ
ولی اللہ لکھتے ہیں۔

” اہم مہمات نزدیک حضرت صدیق آن بود کہ برائے امت آنحضرت قاعدہ
مرتب فرماید تا در مسائل اجتہاد یہ بکدام راہ سلوک نمایند و ترتیب اولہ
شرعیہ بحجہ اسلوب عمل آرندالی یومناذا۔ ہمہ مجتہدین بر ہمیں قاعدہ عمل
می کنند و دے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شد“ لہ
بچہ کس کو دیا جائے کسی بچہ کے ماں باپ میں اگر جدائی ہو جائے تو بچہ کس کے پرد
کیا جائے۔ اس بارہ میں حضرت ابوبکر کا فیصلہ یہ تھا کہ ماں کے سپرد کیا جائے چنانچہ
حضرت عمر نے ایک انصاریہ عورت سے شادی کی تھی۔ اور اس کے بطن سے ایک
بچہ جس کا نام عام تھا پیدا بھی ہو چکا تھا۔ بعد میں حضرت عمر نے بیوی کو طلاق بھی
دے دی۔ اس کے بعد ایک دن حضرت عمر قبا تشریف لے گئے تو دیکھا کہ عام
مسجد کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔ شفقت پدری نے جوش مارا۔ حضرت عمر
نے بچہ کا بازو پکڑ کر اپنے پاس سواری پر بٹھالیا۔ اتنے میں بچہ کی نانی آگئی اور
اب دونوں میں کشمکش ہونے لگی آخر اسی حالت میں دونوں حضرت ابوبکر کی
خدمت میں پہنچے اور ہر ایک نے کہا کہ بچہ میرا بیٹا ہے حضرت ابوبکر نے حضرت
عمر کو حکم دیا کہ بچہ نانی کے حوالہ کر دیں۔ حضرت عمر نے اس فیصلہ کے سامنے تسلیم
ختم کر دیا۔ اور پلٹ کر کوئی بات نہیں کہی۔ امام مالک اس روایت کو نقل کرنے
کے بعد فرماتے ہیں ”اس مسئلہ میں اس روایت کی وجہ سے میرا فتویٰ بھی یہی ہے
فراست ایمانی کسی معاملہ یا قضیہ کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے بیرونی شہادتوں کے

لے تفصیل کے لئے دیکھئے احکام القرآن ابوبکر جصاص از صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۸ لہ ازالہ
الخفا مقصد دوم ص ۳۱ لہ مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ باب من احق بالولد لہ

علاوہ خود قاضی کی اپنی ذہانت اور فراست کی بھی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث
میں عام مومنین کی فراست کے متعلق کہا گیا ہے کہ تم اس سے بچو۔ کیونکہ مومن اللہ
کے نور سے دیکھتا ہے چونکہ حضرت ابوبکر صدیق سب سے زیادہ قوی الایمان تھے۔
اسلئے ان کے نور فراست کا یہ عالم تھا کہ مرض وفات میں حضرت عائشہ سے فرمایا۔
کہ بیٹی! میں نے تم کو جو جائیداد دی ہے میرے بعد تم کتاب اللہ کے قانون کے
مطابق اس کو اپنے بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم کر لینا، تو حضرت عائشہ بولیں ”
اباجان! میری بہن تو ایک ہی یعنی اسماء ہیں۔ پھر آپ نے ”بہنوں“ کیسے فرمادیا
اس وقت صدیق اکبر کی بیوی حبیبہ بنت خاربہ حمل سے تھیں۔ حضرت ابوبکر نے اس
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ انا اھا جاریۃ میرا خیال ہے کہ بچی
پیدا ہوگی لہ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

علمی مفاخر و کمالات

اسلام سے پہلے عرب میں اگرچہ روحانیت کا فقدان تھا لیکن ان کا اپنا ایک
ضابطہ اخلاق تھا جو المرقۃ کہلاتا تھا، جو لوگ اس ضابطہ اخلاق میں اعلیٰ
درجہ کا کمال رکھتے تھے وہ نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے
اس کے علاوہ شاعری اور قوت تقریر و خطابت اور اعلیٰ النبی میں جو لوگ ممتاز ہوتے
تھے وہ قوم کے سردار مانے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر تمام اوصاف و کمالات
کے جامع تھے۔

لے مؤطا امام مالک باب لایبجوز من النخل۔ لہ کتاب میں حتی المقدور کوشش کی ہے کہ واقعات
کی تکرار نہ ہونے پائے لیکن اس باب میں بعض اوقات جو ضمنی طور پر پہلے گزر چکے ہیں مکرر آئے ہیں اور
ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ کیونکہ جس واقعہ کا جس عنوان سے خاص تعلق ہے۔ اگر اس کے ماتحت اس کو من
اس بنا پر ذکر نہ کیا جاتا کہ اس کا ذکر اجمالی طور پر پہلے آچکا ہے تو یہ عنوان پر رطب اطلیم ہوتا۔

علم الانساب میں مہارت | علم الانساب حضرت ابو بکر کا خاص فن تھا حضرت علی فرماتے ہیں
وکان ابو بکر مقدماً فی کل خیر و ابو بکر اچھے کام میں آگے آگے رہتے تھے
کان رجلاً لساناً لہ | اور علم الانساب میں بڑے باہر تھے۔
اس سلسلہ میں حضرت علی ہی اپنا ایک چشم دید واقعہ سناتے ہیں کہ جب آنحضرت
کو حکم ہوا کہ قبائل میں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں تو ایک دن آپ ابو بکر اور میں
ہم تینوں عربوں کے ایک اجتماع میں پہنچے۔ حضرت ابو بکر نے ان سے پوچھا
آپ لوگ کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ وہ بولے ”ربیعہ“ سے اسکے بعد حسب
ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو بکر :- ربیعہ کے اونچے طبقہ سے یا ادنیٰ طبقہ سے؟

اہل قبائل :- اونچے طبقہ سے۔

ابو بکر :- اونچا طبقہ کونسا؟ ذیل الاکبر یا ذیل الاصغر؟

اہل قبائل :- ذیل الاکبر۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر نے چند ناموران عرب کے الگ الگ نام لے کر پوچھا
کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا؟ یہ لوگ ہر ایک کا جواب نفی
میں دیتے رہے آخر حضرت ابو بکر نے کہا ”تو پھر تم لوگ ذیل الاکبر سے نہیں۔ بلکہ ذیل الاصغر سے تعلق رکھتے ہو۔“

ان لوگوں میں ایک بڑا جوان تھا، اب وہ آگے بڑھا اور بولا ”آپ نے تو ہم سے سوالات کر لیے لیکن
اب ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی آپ سے کچھ پوچھیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا شوق سے لیکن اب اس نوجوان نے سوالات جو

سلسلہ شروع کیا وہ کہیں جا کر رکنا ہی نہیں تھا۔ آخر حضرت ابو بکر تنگ آ کر اذنی طشی
پر بیٹھ چلے۔ اس پر نوجوان نے ایک شعر پڑھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ کبھی
چت اور کبھی بیٹ۔ آنحضرتؐ کو یہ دیکھ کر بے اختیار منہ ہی آگئی۔
جبیر بن مطعم نسب ان میں تمام عرب میں ممتاز تھے مگر وہ بھی کہتے تھے کہ میں یہ فن حضرت ابو بکر سے سیکھا
لہ العقدة الفرید ج ۲ ص ۲۴۲ لہ ایضاً ج ۳ ص ۲۴۵ لہ بیت ابن ہشام باب سیاقہ النسب من ولہ
اسماعیل

حضرت ابو بکر کی یہ نسب دانی اسلام کے بھی کام آئی۔ قریش کے مغزین میں سے بعض
لوگ آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہتے ہیں۔ دربار نبوت کے خاص شاعر حضرت حسان بن
ثابت نے اجازت چاہی کہ وہ بھی قریش کی ہجو کریں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا ”جب میں
خود قریش میں سے ہوں تو تم ان کی ہجو کیسے کرو گے۔ حسان بولے ”و میں آپ کو
ان سے اس طرح الگ کر لوں گا جس طرح بال کو آٹے میں سے نکال لیتے ہیں۔ اس
پر آنحضرتؐ نے اس کو مشورہ دیا کہ حضرت ابو بکر کے پاس جائیں کیونکہ وہ ان (حسان)
سے زیادہ قریش کے انساب سے واقف ہیں چنانچہ حسان حضرت ابو بکر کی خدمت
میں حاضر ہو کر باقاعدہ درس لیتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش حضرت حسان کے
اشعار سننے سے تو نورا پہچان جاتے تھے کہ انکی تصنیف ہیں۔ حضرت ابو بکر کا مشورہ
شامل ہے۔

ایام العرب | علم الانساب کی طرح ایام العرب یعنی عربوں کی خانہ جنگی کی تاریخ
کے بھی بہت بڑے عالم تھے حضرت عائشہ جو اپنے زمانہ میں علم بحدیث العرب
والنسب سمجھی جاتی تھیں ان کا یہ علم و فضل بھی درحقیقت حضرت ابو بکر کا ہی فیضان
تعلیم و تربیت تھا، چنانچہ حضرت ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں۔

کان عروہ یقول لعائشہ یا امناک
لا اعجب من فہماک، اقول زوجة
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
بنت ابی بکر و لا اعجب من علمک
بالشعر و ایام الناس اقول ابنة
ابی بکر کان اعلم الناس و لکن اعجب
علمک بالطب کیف ہو و من این
هو؟ قال فضریت علی منکبہ
عروہ حضرت عائشہ سے پوچھا کرتے تھے
کہ اماں! مجھ کو آپ کی سمجھ پر تو حیرت نہیں
ہوتی، کیونکہ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہؐ کی
بیوی اور ابو بکر کی بیٹی ہیں، اور نہ مجھ کو آپ
علم شعر و تاریخ پر تعجب ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ
آپ ابو بکر کی بیٹی ہیں جو ان چیزوں کے سب سے
بڑے عالم تھے مگر میں نے مجھ کو آپ کے علم طب پر حیرت
ہو، کہ یہ علم آپ کو کیوں حاصل ہوا؟ رادی کا

لہ استیعاب ابن عبد البر باب حسان

وقالت ای عروہ ان رسول اللہ کان
لیسقم عند آخر عمرہ فکانت تقدم
علیه وفود العرب من کل وجہ ففتحت
لہ الانفات فکنت اعاجلہا لہ
فمن ثم لہ

بیان ہے کہ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کان پر پڑا
اور فرمایا کہ سنو! رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں بیمار
تھے اور آپ کے پاس عرب کے وفد آ کر تے تھے وہ
طرح طرح کی فدائیں اور انکے اوصاف بیان کرتے
تھے اور میں ان دواؤں کو تیار کرتی تھی پس میرا

علم طب اسی وجہ سے ہے۔

ذوق شعر و سخن | شعر و شاعری کا ذوق عرب کے بچہ بچہ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا جو انکے لفظ
وجودتِ طبع کی دلیل تھا۔ حضرت ابو بکر بھی اس سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ خود بھی شعر
کہتے تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے آپ کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ
کی وفات پر کہے تھے۔ ابن شقیق نے پندرہ اشعار کی ایک نظم نقل کی ہے۔ جو
آپ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں شعر کہتے ہونگے۔
اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے کوئی شعر نہیں کہا اور حق یہ ہے کہ جس رسول جتنا
کیلئے قرآن میں۔

وما علمنا لا الشعر وما ینبغی لہ
کہا گیا ہوا اسکے خلیفہ اولین کی شان سے یہ جمید بھی تھا، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں
ان ابابکر ما قال بیت شعر
فی الاسلام حتی مات لہ
ابن شقیق نے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کے متعلق ابن ہشام اور سیبوی دواؤں نے
بیان کیا ہے کہ اکثر اہل علم حضرت ابو بکر کی طرف ان کا انتساب صیح نہیں مانتے۔
البتہ کبھی کبھی شعر طبعنا ثابت ہے۔ چنانچہ آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے جو
خود آپ کے حسب حال تھا۔

لہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۶۷ لہ کتاب الحمد ج ۱ ص ۱۹ لہ استیعاب
حرف العین لہ الروض الالف ج ۲ ص ۵۵

اذا اردت شریف الناس کلہم
اگر تم لوگوں میں سب سے شریف انسان کو دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو فقیر کی گڈری میں
تقریر و خطابت | شاعری کی طرح تقریر و خطابت کا فن بھی عربوں کا خاص فن تھا۔
جس میں وہ دوسری قوموں سے ممتاز تھے، قرآن نے ایک خاص اسلوب بیان ایک
نیا انداز فکر، ایک وسیع مگر ٹھوس نقطہ نظر دیا تھا اس لئے اسلام کے بعد عربوں کے
اس فن کو غیر معمولی ترقی ہوئی اور انکی فطری صلاحیت خطابت اسلام کی سان پر
جلد پا کر شمشیر دو دم بن گئی۔ تاہم شاعری کی طرح تقریر و خطابت کا فن بھی کبھی
سے زیادہ وہی اور ایک ملکہ خداداد ہے جو فطری استعداد و مناسبت کے بغیر محض
مشق و تمرین سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس میں امتیاز و کمال پیدا نہیں ہو سکتا حضرت
ابو بکر صدیق میں بھی یہ ملکہ خداداد تھا، اس سلسلہ میں عہدِ جاہلیت کا تو کوئی ایسا
واقعہ نظر سے نہیں گذر جس میں انہوں نے اپنی اس قابلیت کا مظاہرہ کیا ہو البتہ
زندگی کے اسلامی دور میں انہوں نے جو تقریریں کیں اور خطبے دیئے وہ اس بات
کا بین ثبوت ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے بلند پایہ اور نہایت ممتاز خطیب تھے۔
ایک تقریر یا خطابت کا سب سے بڑا معیار کامیابی یہ ہے کہ مقرر کی زبان سے جو
لفظ نکلے سامعین کے دلوں میں گھر کر تا چلا جائے اور بڑے سے بڑا مخالف بھی
اسکو سننے کے بعد محسوس کرے کہ مقرر نے جو کچھ کہا ہے وہ گویا خود اسکے اپنے دل
کی بات تھی، چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔
وقل لہم فی انفسہم قولا
بل یغاہ

اسی مضمون کو غالب نے اس طرح ادا کیا ہے۔
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میری دلی ہے

ایک تقریر میں یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ حسب ذیل چیزیں پائی جائیں
(۱) مقرر جو کچھ کہے اس کو خود پہلے اس کا کمال یقین اور اذعان ہو اور اس کے متعلق
وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہو۔

(۲) سامعین کی نفسیات سے پوری طرح واقف ہو کہ انکو کونسی چیز زیادہ اپیل
کر سکتی ہے۔

(۳) تقریر فصیح و بلیغ ہو یعنی کلام مقتضائے حال کے مطابق اور الفاظ بھی عام فہم
دلنشین اور مؤثر ہوں۔

(۴) آواز میں عزم و اعتماد اور ذمہ داری کا پورا احساس پایا جائے۔

حضرت ابو بکر کی خطابت میں یہ تمام اوصاف تمام و کمال پائے جاتے تھے اور
اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کو سننے کے بعد کوئی شخص ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔
تھا سامعین کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا اب تک ان کی فہم و بصیرت پر پردے
پڑے ہوئے تھے۔ تقریر سن کر وہ سب پردے اٹھ گئے ہیں۔

صحابہ کرام کیلئے دفات نبوی سے بڑھ کر اور کونسا حادثہ ہو سکتا تھا۔ حضرت
عمر فاروق جیسے شیر دل انسان کے ہوش و حواس بجا نہیں رہے تھے۔ اس عالم
میں بے ربط باتیں عموماً زبان سے نکل جاتی ہیں۔ اور شدتِ غم کا ایسا غلبہ ہوتا ہے
کہ اچھی سے اچھی تقریر کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن صدیق اکبر کی تقریر سننے ہی بال
چھٹ گئے اور مطلع یک قلم صاف ہو گیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت عمر نے کیا ہے۔ سقیفہ
بنو ساعدہ کا موقع کس قدر سخت تھا۔ حضرت عمر اس کے لئے پہلے سے تقریر سوچ کر
اور اسکو دماغ میں جما کر گئے تھے۔ لیکن حضرت ابو بکر نے فی البدیہہ جو تقریر کی وہ
اس درجہ مؤثر اور دلنشین تھی کہ حضرت عمر کو محسوس ہوا کہ جو باتیں سوچ کر وہ
آئے تھے۔ حضرت ابو بکر نے وہ سب نہایت خوبی اور بلاغت سے ادا کر دی ہیں۔

حضرت ابو بکر کے بعض خطبوں کے ٹکڑے اپنے مواقع پر ہم پہلے نقل کر آئے ہیں
ذیل میں چند خطبوں کے اقتباسات اور نقل کرتے ہیں ان سے زور کلام فصاحت

و بلاغت۔ اور حکیمانہ اسلوب بیان کا اندازہ ہوگا۔ ایک موقع پر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

او صیکم بتقوی اللہ وان تثبوا علیہ
بما هو اہلہ وان تخلطوا الرغبۃ

بالرہبۃ وتجمعوا الالحاف بالملۃ
فان اللہ اثنی علی ذکریا و علی اہل

بیتہ فقال "انہم کانوا یسارعون
فی الخیرات و یدعوننا رغبا ورہبا

و کانوا لنا خاشعین" ثم اعلما
عباد اللہ ان اللہ قدر لہن بحکمہ

الفنکم واخذ علی ذالک مواثیقکم
وعوض بالقلیل الفانی الکثیر الباقی۔

وهذا کتاب اللہ فیکم لا تفتنی اعجاہ
ولا یطفأ نورہ فتقوا بقولہ واشتقوا

بکتابہ فانه خلقکم بعا دتہ و وکل
یکم الکرام الکاتبین لعلہم ما

تفعلون ثم اعلما عباد اللہ انکم
تغدون وتروحون فی اجل قد

غیب عنکم عملہ۔ فان استطعتم
ان تنقضی الالجال وانتم فی عمل اللہ

ولن تسطیعوا ذلک الا باللہ۔
فابقوا فی مہل باعمالکم فان اقواما

جعلوا اجالہم بغيرہم فانہاکم
ان تکونوا امثالہم فالوحا

میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ
سے ڈرتے رہنے کی۔ اور اس بات کی کہ تمہیں
اسکی شایان شان تعریف کرنی چاہئے اور
اس کی طرف رغبت کے ساتھ تمہارے دلوں
میں اسکا ڈر بھی موجود رہے۔ اور اس سے سوال
کرنے میں خوب الحاح و زاری کیا کرو۔ اسلئے
کہ اللہ تعالیٰ حضرت زکریا اور انکے اہل بیت
کی تعریف میں فرماتا ہے۔ یہ لوگ نیکوں میں
ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے
اور ہم سے اپنی حاجت چاہتے تھے گڑ گڑا
کر اور عجز و انکسار سے اور یہ لوگ ہمارے
حضور میں فروتنی کرنے والے تھے۔

بندگانِ خدا۔ تمہیں یہ بھی جانا چاہئے کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے عوض تمہاری
جانیں گرو سی رکھی ہیں۔ اور اس معاملہ کا تم
سے پختہ عہد لیا ہے اور مکرر فانی چیز کا عوض کثیر
باقی سے دیا ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تمہارے ذرا
جس کے عجائب ختم ہوئے ہیں اور جسکی بخشی ماہ
نہیں پڑے گی۔ پس اللہ کے فرمان پر ایمان رکھ
اور اسکی کتاب سے فائدہ اٹھاتے رہو۔ اس نے اپنی
بندگان کیلئے پیدا کیا ہے۔ اور تم پر محاسبہ فرما
کو مقرر کر دیا ہے۔ جو تمہارا افعال کو جانتے ہو

الوحاشۃ النجا النجاء فان وراءكم
طالباً حیناً امره سر لیا میرہ
لہ

خدا کے بندوں میں یقین مانو کہ تمہاری صبح و شام
اس مقررہ وقت میں ہوتی رہے گی جس کی حد
تمہیں معلوم نہیں پس اگر تم سے یہ ہو سکے کہ اللہ کی
امانت میں رہنے ہوئے تمہارا وقت پورا ہو
جائے (اور ایسا ہونا توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں) تو
زندگی کی فرصت میں سے عمل میں پیش
تدبی کر دے اس لئے کہ بہت سی قومیں فرصت
کے لمحات دوسروں کی نذر کر چکی ہیں تمہیں
انہی مانند نہ ہونا چاہئے۔ پس تمہاری رفتار
تیز ہونی چاہئے۔ بہت ہی تیز اس لئے کہ تمہارا
پیچھا کرنے والا بڑا ہی تیز رفتار ہے۔

ایک مرتبہ خطبہ دیا تو حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔

انی اوصیکم بتقوی اللہ العظیم فی کل
امرو علی کل حال ولزوم الحق فیما
احییتم و کرہتم فانہ لیس فیہا دن
الصدق من الحدیث یطرح من یکذب
یفجر و من یفجر یھلک وایاکم و الفجر
وما فخر من خلق من تراب والی
التراب لعود، هو الیوم حی وعداً
میت فاعملوا وعدوا انفسکم فی
الموتی او ما اشل علیکم فرداً و اعلمہ
الی اللہ و قد موالا انفسکم خیراً
تجدوہ محضراً۔ فانہ قال عزوجل
لہ العقد الفرید ج ۲ ص ۱۳۶

یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر
محضراً و ما عملت من سوء تود لو
ان بینہا و بینہ امد البعد الہ
اپنے فائدے کیلئے اچھے اعمال پہلے سے کر رکھو
کل ہی ذخیرہ تمہارے پاس ہوگا، خدا نے ہر
فرماتا ہے جس دن ہر شخص اپنے اچھے
اعمال کو سامنے جائے گا اور اپنے بُرے اعمال کا سامنا
کرتے وقت ہی چاہیے کہ کاش اسکی بدی اس سے کوئی
دور ہوتی۔

حضرت ابو بکر جو نہ فطرۃ خطیب تھے اس لئے آپ کی معمولی گفتگو بھی فصاحت و بلاغت
کی جان ہوتی اور خطبہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔ عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ میں انکدن
حضرت ابو بکر کے مرض دنات میں عیادت کیلئے حاضر ہوا اور کہا اے خلیفہ رسول اللہ
اب تو آپ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا۔

انی علی ذالک لشدید الوجع ولما
لقت منکویا معشر المہاجرین اشد
علی وجعی انی ولیت خیر کفر فی نفسی
فکلکم ورم انہ ان یکون لہ
الامر من دونہ واللہ لنتخذن
نضائد الدیاج و ستور الحریر
ولتاظن النوم علی الصفا الا ذری
کما یا لہ احد کفر علی حسلہ
السعدان والذی نفسی بیدہ
لان یقدم احدکم فتضرب عنقه
فی غیر خیر لہ من ان ینحوض غرات
الدنیایا ہادی الطریق جبر انما هو و
الفجر و البحر۔ لہ

سنو! میں اس کے باوجود شدید درد میں مبتلا ہوں
اور جو کچھ اے گروہ مہاجرین میں تمہارا تبراؤ
دیکھا ہے وہ میرے درد سے زیادہ میرے لئے حج تکلیف
ہے میں اپنے نزدیک جو تم میں سے زیادہ بہتر
(حضرت عمر) اسکو تمہارا ولی بنایا لیکن تم میں سے
ایک کی ناک پھول گئی کہ خلافت اس کے علاوہ
کسی اور کو کیوں ملے۔ بخدا تم لوگ دیبا کے
گدے اور لیشمین پر پسند کرد گے اور آذر
بالی جانی امن سے تمکو تکلیف ہوگی جیسے کسی کو چراگاہ
سعدان کے کانٹوں سے ہوتی ہے جس کے قبضہ میں
میری جان ہے اسکی قسم! تم میں سے کسی شخص کی
گردن بغیر کسی جرم کے اڑا دی جائے۔ یہ اس کے لئے اس
بہتر ہے کہ وہ دنیا کی ہر اینٹوں میں گھسے۔ اے رخا!

تو نے مجھ سے تجاؤ کیا ہے بس اب صورتیں صرف دہی ہیں یا تو صبح
 کے وقت روشنی میں چلے یا اندھیرے میں چل کر صیبت میں پڑے
 تحریر و کتابت | جو رنگ تقریر و خطاب کا تھا وہی تحریر و کتابت کا تھا۔ حضرت خالد عرق
 کہ ہم سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکر کی اجازت کے بغیر چپ چپاتے حج کر آئے تھے
 حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالد کے نام ایک عتاب نامہ لکھا۔
 سرحتی تاتی جموع المسلمین بالیوم و
 فانہم قد شجوا فاشجو وایا لک ان تعود
 مثل ما فعلت فانہ لعیشیم الجموع
 من الناس لعون اللہ شجاء و لعل
 ینزع الشعبی من الناس نزعک فلیھذا
 اباسلیمان النیة والخطوة فاتمہ
 یتمم اللہ لک ولایدخلک عجب
 فتحسرو تحذل وایا لک ان تدل الہل
 فان اللہ عزوجل لہ الامن وهو
 ولی الجزاء -

تمہیں پوری جزا دیگا۔ تمہارا عمل میں پندار نہ پیدا تو
 ورنہ گھاٹے میں رہو گے اور تائید الہی سے محروم
 ہو جاؤ گی۔ اور اپنے کسی کارنامہ پر خبردار نہ اترانا
 اسلئے کہ احسان جتنا صرف اللہ تعالیٰ کو شایان
 ہے اور وہی بدلہ دینے والا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کیا تو پر دانہ نیابت کی عبارت یہ تھی۔
 ہذا ما عہدہ ابو بکر خلیفۃ محمد
 رسول اللہ عند اخر عہدہ بالدنیا
 یہ وہ پر دانہ ہے جو ابو بکر محمد رسول اللہ کا خلیفہ
 اس وقت لکھ رہا ہے جب کہ دنیا کیساتھ

و اول عہدہ بالآخرۃ فی الحال التی
 یومن فیہا الکافر و یتقی الفاجرانی
 استعملت علیکم عمر بن الخطاب
 فان برّ وعدل فذا لک علی بہ
 ورائی فیہ۔ وان جار و بدل فلا علم
 لی بالغیب والخیر اذت۔ وکل امری ما
 اکتسب وسیعلم الذین ظلموا الی
 منقلب ینقلبون ۔

اس کے تعلق کی آخری گھڑی اور آخرت کے
 ساتھ اسکی تعلق کی پہلی گھڑی شروع ہو رہی ہے
 اور یہ تحریر ایسے عالم میں لکھا ئی جا رہی ہے
 جب کہ کافر بھی مومن ہو جاتا ہے اور گنہگار
 فاجر بھی ڈرنے لگتا ہے۔ میں نے عمر کو تم پر مکتب بنایا
 اگر انہوں نے نیکی کی راہ اختیار کی اور عدل کیا تو
 یہ وہی بات ہوگی جو میں انکے متعلق جانتا ہوں
 اور جو میری رائے انکے بارہ میں ہے لیکن اگر انہوں نے
 ظلم کیا اور وہ بدل گئے تو مجھ کو عیب کا علم نہیں ہے اور
 میں نے تو خیر خواہی کا ارادہ کیا ہے بہر حال ہر انسان جیسا
 کرے گا ویسا پائیگا۔ اور جو لوگ ظالم ہیں انکو جلد پتہ چل
 جائیگا کہ وہ کیسی پٹی کھاتے ہیں۔

اہل ارتداد و بغاوت کے نام جنگ شروع کرنے سے قبل جو ایک طویل تحریر بھی تھی جس کی
 حیثیت جیلینج کی تھی۔ اس میں ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

وانی اوصیکم بتقوی اللہ وحظکم ونصیکم
 من اللہ وما جاء بہ بیکم وان تقنوا لہدیہ
 وان تعقموا بیدین اللہ عزوجل فانہ من لعل
 یهد اللہ ضل۔ وکل من لعل یعافہ مبتلی وکل
 من لعل ینصرہ تحذل۔ فمن ہلہ اللہ کان مہلاً
 ومن اھلہ اللہ کان ضالاً۔ ولعل یقبل منہ
 فی الدنیا عمل حتی یقر بہ فلعل یقبل لہ
 فی الآخرۃ صرف ولا عدل فمن امن فہو
 خیر لہ ومن ترکہ قلن یعجز اللہ۔

میں تم کو اللہ سے ڈرو اور
 اللہ کی طرف سے جو تمہارا احسن مقرر ہوا ہے اور
 تمہارے بنی تمہارے پاس جو چیز لائے ہیں اسکو قبول
 کرو اور نبی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو اور اللہ
 کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑو کیونکہ جس شخص کو
 اللہ ہدایت نہیں دیتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور
 ہر وہ آدمی جسکو اللہ تندست نہیں رکھتا وہ بیمار
 ہو جاتا ہے اور جس کی مدد اللہ نہیں کرتا وہ سبوتا
 ہو جاتا ہے جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت

یافتہ ہوئے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے وہ
گمراہ ہو جاتا ہے اور (پھر) دنیا میں اس کا کوئی عمل
مقبول نہیں ہوتا جو اس کو خدا سے قریب کر دے
اور آخرت میں اس کی طرف سے کوئی فدیہ یا بدلہ نہیں لیا
جاتا۔ پس جو شخص ایمان لائے گا وہ اس کیلئے بہتر
ہوگا اور جو اس کو چھوڑ دے گا تو اس کو معلوم رہنا چاہئے کہ
وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا۔

فن کتابت | اسلام سے پہلے عرب میں چند ہی لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے اور اس
وجہ سے وہ سب میں ممتاز تھے، انہیں چند لوگوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے چنانچہ
آپ کا شمار خود کاتبین وحی کے زمرہ میں بھی ہے لے

علم القرآن | اب تک جن کمالات کا ذکر ہوا ہے وہ تھے جن کی استعداد حضرت ابوبکر میں فطری
اور طبعی طور پر تھی، اب ہم ان علوم و کمالات کا ذکر کرتے ہیں جو آپ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے
حضرت ابوبکر چونکہ آنحضرتؐ کی صحبت و معیت میں آغازِ بعثت سے لیکر آخری لمحہ
حیات تک خلوت میں اور خلوت میں، سفر میں حضر میں، رزم اور بزم میں، ہر جگہ اور ہر موقع
پر برابر ساتھ رہے تھے، اس بنا پر آپ کا سینہ درحقیقت علوم و کمالات نبویہ کا گنجینہ
بن گیا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صالح مدینیہ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”ازیں جادانستہ شد کہ حضرت صدیقؓ را با پیغامبر چہ نسبت بود و علوم پیغامبر
در نفس وے رضی اللہ عنہ چگونہ منقطع می شد“ لے

اسی خصوصیت کے باعث صحابہ عام طور پر کہا کرتے تھے کہ **ھو** (ابوبکر صدیق)
اعلمنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے ظاہر ہے کہ ان علوم و کمالات میں سب سے
اول نمبر علوم قرآنی کا ہے۔ حضرت ابوبکر ایک آیت کو سننے کے بعد اس کی اصل روح
اور اس پر ط کو معلوم کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا ذہن ان نکات و رموز تک پہنچ جاتا تھا

لے استیعاب ابن عبد البر تذکرہ حضرت ابوبکرؓ لے ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۰ لے ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۰

جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوتی تھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ
جب آنحضرتؐ کو مکہ کے لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا انا
للہ وانا الیہ راجعون۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو ترک وطن پر مجبور کیا ہے۔
یہ ضرور ہلاک ہوں گے، اس پر یہ آیت اتری۔

أذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان
جو لوگ قتال کرنا چاہتے ہیں اسلئے کہ وہ مظلوم
اللہ علی نفسہم لقدیر۔
ہیں انکو اسکی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اللہ
انکی مدد کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔

حضرت ابوبکر اس کو سننے کے بعد ہی سمجھ گئے کہ جہاد کا حکم نازل ہو گا لے
وفات نبوی کے وقت ایک کھرام برپا تھا۔ بعض کی سمجھ میں تو آہی نہیں رہا تھا
کہ پیغمبر کی بھی وفات ہو سکتی ہے۔ لیکن جو نبی حضرت ابوبکر نے قرآن کی آیت انک
میت وانھم میتون پڑھی سب کی آنکھیں کھل گئیں اور حضرت عمرؓ کو یہ محسوس
ہوا کہ گویا انہوں نے یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہیں تھی لے

ہر وقت کی معیت کی وجہ سے حضرت ابوبکر کو یہ موقع تھا کہ جس کے متعلق ان کو
کچھ پوچھنا ہوتا تھا بے تکلف پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ
اس آیت کے بعد آپ کیا چارہ ہے۔ کیا ہم کو ہر بے کام کا بدلہ دیا جائے گا؟

لیس یا مائیکم ولا امانی۔ اھل الکتاب (انجات) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ
من یعمل سوء یشجزیہ۔ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برا کام کرے اسکو اسکا بدلہ

آنحضرتؐ نے فرمایا لے ابوبکر! خدا تمہاری مغفرت کرے۔ کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا
تم کو کوئی رنج اور صدمہ نہیں ہوتا؟ کیا تم کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ یہ سب انہیں
اعمال بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے لے

ایک مرتبہ کتنی قسم کھا کر اس کو توڑ دینا بند لی اور غیر مستقل مزاجی کی دلیل ہے، اسوجہ

لے ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۲۰ لے حضرت عبداللہ بن عمر کے الفاظ یہ ہیں فالذی نفسی بیدہ فکانما
کان علی وجوہنا اعطیتہ فکشفتم یہ روایت طبری کے حوالہ سے پہلے گزری ہے لے سند امام احمد بن حنبل
ج ۱ ص ۱۱

حضرت ابو بکر بھی قسم کھا کر توڑتے نہیں تھے۔ لیکن جب قرآن میں کفارہ یمین کی آیت نازل ہو گئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس سے بہتر کوئی دوسری چیز ہو تو قسم توڑ دی جائے۔ محض بات کی تیج کی وجہ سے اپنی قسم پر قائم رہنا کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔
ان ابا بکر لم یکن یحنت فی یمین قط ابو بکر یکرمہ قسم کھا اس کو توڑتے نہیں تھے لیکن حتی انزل اللہ کفارۃ الیمین فرأیت جب کفارہ قسم کا حکم نازل ہوا تو کہا کہ اب میں غیر ہا خیراً منها الا اتیت الذی قسم کھانے کے بعد اس سے بہتر کوئی چیز پاؤں گا ہو خیر و کفرت عن یمینی لہ تو میں اس کو اختیار کر لوں گا اور قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا حضرت ابو بکر کے اس ارشاد سے فقہانے استدلال کیا ہے کہ صورت مذکورہ میں حنت بذات خود کوئی گناہ نہیں اگرچہ کفارہ ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ ہے جس کا ذکر کتاب محل نہیں ہوگا۔ حضرت ابو بکر کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر چند مہمان آئے جو تھے۔ رات ہوئی تو میرے والد ابو بکر صدیق نے مجھ سے کہا کہ میں اس وقت رسول اللہ کی خدمت میں جا رہا ہوں واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ تم مہمانوں کو کھانا کھلا دینا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں میں نے اس حکم کی تعمیل میں مہمانوں سے درخواست کی کہ کھانا کھالیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک صاحب خانہ نہیں آئیں گے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس میں رات زیادہ ہو گئی، اب حضرت ابو بکر گھر آئے اور معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے تو سخت برہم ہوئے اور اسی برہمی میں قسم کھالی کہ اب اس رات کھانا ہی نہیں کھائیں گے۔ یہ دیکھ کر مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابو بکر کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ فوراً کھانا طلب کیا اور توڑ کر پہلے خود دو چار نوالے تناول فرمائے اور پھر مہمانوں کو شریک کیا لہ

قرآن نہیں میں حضرت ابو بکر کو جو مقام رفیع حاصل تھا اسکی وجہ سے حضرت ابو بکر اگر

قرآن کے کسی ایک لفظ کی مراد متعین کر دیتے تھے تو اکابر صحابہ تک کو اسکی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کلالہ کے لفظ کی مراد اور اسکے صحیح مفہوم ومعنی کا مسئلہ نہایت پیچیدہ تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر نے اپنی رائے سے جب اسکے ایک معنی متعین کر دیئے اور اسکے بعد حضرت عمر فاروق سے ان کے عہد خلافت میں اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا۔
انی لا استجی اللہ ان ارد شیناً قالہ ابو بکر لہ مجھ کو اللہ سے اس باتیں نرم آتی ہے کہ جو ابو بکر نے کہا ہے میں اس کو رد کروں صحیح بخاری کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابو بکر کے عہد میں کلالہ کی تفسیر کے بارہ میں کسی نے حضرت ابو بکر کی مخالفت نہیں کی۔

حدیث علوم نبوت میں قرآن کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے نبوت کی صحت و شام کے تمام جلوے حضرت ابو بکر کی نگاہ میں بسے ہوئے تھے اس بنا پر آنحضرت کے اعمال و اقوال کا جو خزانہ ان کے سینہ میں محفوظ ہو گا کوئی دوسرا مشکل سے ہی اس میں ان کا حریف ہو سکتا تھا۔ لیکن اس باب میں وہ حد درجہ محتاط تھے۔ علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ ”تم لوگ رسول اللہ سے احادیث روایت کرتے ہو اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو۔ جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارا یہ بعد جو لوگ آئیں گے وہ تم سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے۔ اس لئے تم رسول اللہ سے کوئی چیز نقل مت کر دو مگر ہاں جب تم سے لوگ کچھ دریافت کریں اس وقت بیشک تم کچھ ضرور کہو اور دیکھو تمہارا درمیان اللہ کی کتاب ہے، پس جو چیز کتاب اللہ میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو چیز اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو لہ

عزیز و خلیفہ رسول نے اس ارشاد میں کس بلاغت کے ساتھ حدیث کا مرتبہ اور اسکے نقد کا معیار بیان کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت نے کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی حکم دیا ہے اور کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی اور پھر سننے والے اعرابی اور غیر اعرابی ذہین اور غیر ذہین، قریب التعلق اور بعید التعلق ہر قسم کے لوگ تھے کسی کئی بات پوری

سنی اور کسی نے ادھوری، کسی نے کسی جملہ کا مطلب لیا اور کسی نے کچھ اور، پھر آنحضرتؐ کے الفاظ عین دین کس کو یاد رہے ہوں گے اس بڑے جو روایت ہوگی وہ عموماً روایت بالمعنی ہوگی اور اس میں ایک دو لفظوں کا ادھر ادھر ہو جانا مستبعد نہیں ہے لیکن ان دو ایک لفظوں کے الٹ پھیر سے معنی کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں ان وجوہ کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ یہ سمجھتے تھے اور بالکل صحیح سمجھتے تھے کہ اگر روایات کی کثرت شروع ہو گئی اور جس کسی نے آنحضرتؐ سے تھوڑا بہت جو کچھ بھی سنا ہے اس کو وہ بغیر حزم و احتیاط کے نقل کرنے لگا تو اس سے طرح طرح کے اختلاف پیدا ہونگے۔ اور ان کا اثر اصل دین اور شریعت کے استحکام پر پڑے گا، اس صورت حال کا انداد کرنے کی غرض سے ہی آپؐ نے ایک طرف تو اس کی تاکید کی کہ وقت ضرورت ہی روایت کریں اور دوسری جانب اسکی تصریح فرمادی کہ کسی حدیث کے صحت و سقم کو پرکھنے کی اصل کوٹی قرآن مجید ہے۔ جو روایت قرآن کی نص و مرع کے خلاف ہوگی مقبول نہیں ہوگی۔

حافظ ذہبی نے حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے پانچو احادیث جمع کی تھیں۔ لیکن ایک شب دیکھا کہ وہ بہت مضطرب اور بے چین تھے۔ آخر صبح ہوتے ہوتے اس ذخیرہ کو نذر آتش کر دیا۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا ”مجھ کو اس کا اندیشہ تھا کہ میں مہاجڈوں اور اس ذخیرہ کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں کہ اس میں کچھ احادیث ایسی بھی ہوں جن کو میں نے ایک ایسے شخص سے لیا ہو جس کو میں ایماندار اور معتبر سمجھتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ روایت ایسی نہیں تھی جیسی کہ اس نے مجھ سے بیان کی تھی، تو اب ایسی صورت میں اس روایت کو بیان کرنے کی ذمہ داری درحقیقت میرے سر ہوگی لے

اگرچہ حافظ صاحب نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے لیکن حضرت ابو بکرؓ کا جو مزاج اور لفظ و نظر تھا اس کے پیش نظر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو روایت

کے خلاف ہو خود آنحضرتؐ نے قرآن جو کہ اصل و اساس شریعت ہے اس کو مومن سفسطہ و ادہام بننے اور التباس مع الغیر سے بچانے کے لئے ایک مرتبہ حکم دیا تھا کہ ”لا تکتبوا عنی غیر القرآن“ قرآن کے علاوہ تم مجھ سے کوئی روایت مست لکھو، حق یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کی یہ غایت حزم و احتیاط اسی ارشاد نبویؐ کی اصل روح اور اسپرٹ کی آئینہ دار تھی اور بس درنہ ان کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا کہ روایت حدیث کا باب ہی سرے سے بند کر دیا جائے بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح بے ضرورت روایت حدیث سے اجتناب کرنا چاہئے اسی طرح عند الضرورت خاموش بھی رہنا چاہئے۔

چنانچہ خود حضرت ابو بکرؓ کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ ان سے جو مرفوع احادیث مروی ہیں وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہیں کیونکہ بلا ضرورت وہ روایت بیان ہی نہیں کرتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ضرورت پڑتی تھی تو پھر خاموش بھی نہیں رہتے تھے اور فوراً حدیث بیان کرتے تھے تم پڑھا آئے ہو کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان ہنگامہ برپا ہوا تو اپنے حدیث ”الائمة من قریش“ سنا کر اسپر قابو پایا، وفات نبویؐ کے وقت اسپر فنگر ہوئی کہ جبریلؑ اظہر کو دفن کہاں کیا جائے تو اپنے ہی ارشاد نبویؐ سنا کر اسکا قطعی فیصلہ کیا۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی جانب سے فدک و خیر کا مطالبہ ہوا تو اپنے حدیث نبویؐ پر ہی اپنے جواب کی بنیاد رکھی، عمال و محصلین صدقات کے نام لٹاب و مقدار زکوٰۃ کے متعلق مفصل ہدایات روانہ کیں تو انکی اساس احادیث نبویہ ہی تھیں۔

لے شاہ ولی اللہ صاحب نے از اللہ الخفا میں حضرت ابو بکرؓ کی تکت روایت کے وجوہ یہ لکھے ہیں کہ (۱) رسول اللہؐ کے بعد بہت کم زندہ رہے وہ مختصر مدت بھی مہمات اور کے انصاف انجام میں گزر گئی (۲) انکی ہر عمر سب صحابہؓ اور وہ خود عاملین روایات تھے اس صلیقہ گیر کو استغنا تھا ہم کو اس انکار نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی تکت روایت میں ان ہر سہ امور کا دخل ہے لیکن اس کا اصل سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور درحقیقت یہ جبریت حضرت ابو بکرؓ کی غایت ثروٹ نگاہی اور دقیقہ سناسی شریعت کی دلیل ہے بعد میں مسلمانوں میں جو فتنے کھڑے ہوئے طرح طرح کے فرقہ پیدا ہوئے اور انمیں غریب و شست عام ہوا غور کرو تو اسکی تہ میں ہی آنحضرتؐ کی روایت نظر آئے گی

خبر واحد کے متعلق اصول اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خبر واحد کے متعلق ایک یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ ایسی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس روایت کیلئے کوئی دوسرا شخص گواہ نہ ہو یعنی اس روایت کی تائید کسی اور طریق سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ تم پرچہ آئے ہو کہ میرا جدہ کے بارے میں حضرت ابو بکر نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سننے کے بعد اس گواہ طلب کیا اور جب انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بطور گواہ پیش کر دیا تو وہ ولایت قبول کی اسی طرح جمع قرآن کے سلسلہ میں کوئی آیت اگر کسی ایک صحابی کے پاس ملتی تھی تو آپ بغیر شہادت کے اسے قبول نہیں کرتے تھے اسکے علاوہ ابھی گزر چکا ہے کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی یا اس میں کمی کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت ابو بکر کی روایات کی تعداد علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک سو بیالیس روایتیں جمع کی ہیں جو حضرت ابو بکر سے مروی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی روایات حضرت ابو بکر کی روایت کردہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ میں حضرت عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، ابن عمر، ابن عمرو، عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، حذیفہ، معقل بن یساف، عتبہ بن عامر، انس، ابو ہریرہ، ابوامامہ، ابو براء، ابو موسیٰ اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور اسماء اور کبار تابعین میں انصاری، مرثد بن ثراحیل، واسطی، ابی قیس، ابن ابی حازم اور سوید بن غفلہ کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق سے حدیث کی روایت کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اصل روایت کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے صرف کبار صحابہ و تابعین کے نام ہیں۔

لے استنباط احکام کے اصول اربعہ کی طرح خبر واحد کے قبول سے متعلق اس قاعدہ کی تائید و ایجاد بھی مولانا شبلی نے الفاروق میں حضرت عمر فاروق کی ہی طرف منسوب کی ہے، حالانکہ حدیث اور فقہ کے باب میں قواعد و ضوابط کی تعیین کا جہاں تک تعلق ہے وہ سب حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے لئے ہیں اور اس معاملہ میں وہ انہیں نقش قدم پر چلے ہیں، ہاں البتہ حضرت عمر نے انکی توسیع اس طرح فرمادی ہے کہ بعد میں وہی چیزیں نقلی بنیاد بن گئیں۔

فقہ استنباط احکام فقہیہ کے اصول چار ہی ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ۔ اجماع اور قیاس ان چاروں اصولوں کی تشخیص و تعیین سب پہلے حضرت ابو بکر نے کی اور آج تک مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ اصول اربعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وكانت هذه الاصول مستخرجة عن ادله اصحابه كعمله اور یہ اصول ادلہ اصحابہ کے عمل اور ان کی تصریحات صنیع الاول و تصنیح اہل بیت سے مستنبط ہیں۔

یہ ادلہ کا عمل اور ان کی تصریحات کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے سب پہلے حضرت ابو بکر کے تعامل کے متعلق میمون بن مہران کی وہ روایت نقل کی ہے جو ہم اجتہاد و قیاس کے باب میں سنن الدارمی کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے اس بارہ میں جو کچھ کیا اور ولایت و قضاۃ کو جو ہدایات بھیجیں وہ سب حقیقت اسی متن کی شرح تھیں جو حضرت ابو بکر نے تیار کیا تھا۔ و کفی بہ فخراً۔

فقہ کے لئے سب سے فروری وصف تفقہ ہے جو محض ایک وصف خدا داد ہے۔ حضرت ابو بکر میں یہ وصف کس درجہ کمال کا تھا کتاب میں جگہ جگہ عموماً ادا اجتہاد و قیاس کے زیر عنوان خصوصاً اس کی مثالیں گزر چکی ہیں یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں تعبیر دیا علوم نبوت میں ایک علم تعبیر دیا بھی ہے۔ خود روایے صالحہ کو صحیح حدیث میں نبوت کا چالیسواں حصہ در بعض میں ستواں جز کہا گیا ہے تعبیر دیا میں یوسف کو جو کمال حاصل تھا اسکا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ چونکہ اس فن کا تعلق عالم مادیات کے بجائے عالم روحانیت سے زیادہ ہے۔ اس لئے جس شخص میں روحانی لطافت و لطافت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کو اس فن میں دستگاہ ہوگی۔ حضرت ابو بکر کو اس میں بھی کمال حاصل تھا فن تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے

كان ابو بكر ابر هذا الامة بعد ابو بكر رسول اللہ کے بعد تعبیر دیا کے فن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

لے حجة اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۱۹ باب الفرق بین اہل الحدیث و اصحاب الرائ۔

آنحضرتؐ جب کبھی کوئی اہم خواب دیکھتے تھے تو حضرت ابو بکرؓ سے اسکا تذکرہ کرتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ اس خواب کی جو تعبیر بیان کرتے تھے آپؐ اسکی توثیق و تصدیق فرماتے تھے چنانچہ غزوہ طائف کے موقع پر جبکہ صحابہ کرام شہر کا محاصرہ کئے پڑے تھے آپؐ ایک خواب دیکھا کہ آپکو ایک پیالہ بھرا ہوا دہیہ کیا گیا ہے لیکن ایک مرغ نے اسمیں ٹھونگ مار دی اور اسکی وجہ سے پیالہ میں جو کچھ تھا گر پڑا۔ حضرت ابو بکرؓ نے سنتے ہی عرض کیا "یا رسول اللہ! میں ہمیں سمجھتا کہ اس موقع پر آپ کو کامیابی ہوگی" ارشاد ہوا "تو میرا خیال بھی یہی ہے" لہٰذا ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند گر پڑے ہیں حضرت ابو بکرؓ سے اس کا ذکر آیا اور پھر جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آپؐ دفن ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا بیٹی! ایک چاند تو رسول اللہؐ ہی میں جو تمہارا حجرہ میں صرف اسراحت پل شاہ ولی اللہؒ نے اور بھی اسی طرح کے متعدد واقعات لکھے ہیں جن حضرت کو اسکا ذوق ہودہ مراجعت کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں شاہ صاحب کا یہ فقرہ بہت اہم ہے لکھتے ہیں۔

”تعبیر دے (صدیق اکبر) خواہاں ہائے مردم را و اصابت عجیبہ در آن تا آنکہ آنحضرتؐ خود را بر صدیق اکبر عرض فرمود و درخواست تعبیر فرمود“ لکھ

تصوف دین کے دو پہلو ہیں ایک صوری دوسرا معنوی۔ صوری پہلو کا نام شریعت ہے جس کا تعلق احکام ظاہری کے اتباع و امتثال سے ہے اور معنوی پہلو کا نام طریقت یا تصوف ہے جس کا تعلق قلبی سوز و گداز و روحانی لطافت و طہارت سے ہے اور جبکا مقصد یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیۃ باطن کے ذریعہ ایک انسان اپنے جذبات اور امیال و خواہشات کو مصلحت خداوندی کے اسطرح تابع کر دے کہ احکام الہی خود اسکا جذبہ اور داعیہ نفس بن جائیں اور وہ سراپا عبادت و بندگی ہو جائے۔ شریعت اور طریقت دونوں میں جسم اور روح کا تعلق ہے اور ایک وجود دوسرے کے بغیر جہاں تک کہ دین کی اصل روح کا تعلق ہے بے معنی ہے اگر صرف ظاہری اور رسمی طریقہ پر ایمان سوزہ اور ذکوۃ دج ہو لیکن دل حب الہی اور عشق ربانی کی نعمت سے محروم ہو تو وہ اس بھول کی مانند ہے جو خوش رنگ اور موزوں ہوئے باوجود غیر خوشبو کے ہوا اگر محض حب الہی ہو تو اسکی مثال اس نمڑ کی ہے جو بے آہنگ اور بے سرو ہو۔ اس بنا پر یہی نقطہ

لے طبری ج ۲ ص ۲۵۵ لے اذالۃ الخفاج ۲ ص ۲۰ بحوالہ موطا امام مالک دوسرے اور تیسرے چاند حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ ہیں۔ جو اسی حجرہ میں آنحضرتؐ کے پہلو میں مدفون ہیں لکھ اذالۃ الخفاج ۲ ص ۲۰

سے جب کبھی اسلام کی کسی بڑی شخصیت کا جائزہ لینا ہو تو لازمی طور پر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ تصوف اور طریقت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام اور مرتبہ تھا ورنہ اس کی اصل شخصیت کا مرقع مکمل نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تصوف صدیقی پر ایک طویل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کمالی طریقت کیلئے جن اوصاف و ملکات نفسانی کی ضرورت ہے مثلاً توکل، احتیاط، کف لسان، تواضع، شفقت، بخل، خلق خدا، رضا، نفی اولاد، زہد، خشیت، عجز و انکسار، رقت قلب، تحمل، فقر و درویشی یہ سب حضرت ابو بکرؓ میں تمام و کمال پائے جاتے تھے اور اس بنا پر آپؐ ظاہر و اصفیاء و اہل طریقت کے سرخیل و امام تھے۔ علامہ جویریؒ کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ تصوف کی جڑ اور بنیاد صفا ہے۔ اس صفت کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اصل القطاع عن الاغیار ہے اور فرع دینا سے دل کا خالی ہونا ہے اور چونکہ صفا صدیقیت کی صفت لازمہ ہے۔ اس بنا پر حضرت ابو بکر صدیقؓ "امام اہل اس طریقہ" ہیں" لہٰذا حضرت ابو العباس بن عطاءؒ جو اکابر و مشائخ صوفیہ میں سے ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ گونوار یا نبین کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا "اس سے مراد یہ ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کی طرح ہو جاؤ۔ ایک ربانی و حقیقت دہی شخص ہے کہ دونوں جہان زیر و زبر ہو جائیں لیکن اسمیں کوئی تشویش اور اضطراب پیدا نہ ہو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان یہ تھی چنانچہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت تمام صحابہ ہی مضطرب اور پریشان تھے لیکن صدیق اکبرؓ میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا انہوں نے نہایت جرأت اور دلیری سے فرمایا۔ "لوگو تم میں جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ کا انتقال ہو گیا ہے لیکن ہاں البتہ جو شخص اللہؐ کی پوجا کرتا ہے تو اسے باور کرنا چاہئے کہ اللہؐ جی ہے اور اسکو کبھی موت غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے اپنا تمام اثاثہ سرور عالم کے قدموں پر لا کر ڈال دیا تھا جب آنحضرتؐ نے پوچھا کہ ابو بکرؓ تم نے اپنے بال بچوں کیلئے کیا چھوڑا ہے؟ تو بولے "اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے" حضرت ابو بکرؓ الواسلی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ کا یہ فقرہ طریقت و معرفت کی دنیا میں وہ پہلا فقرہ ہے جس سے صوفیائے کرام نے بڑے اہم لطائف و رموز تصوف کا استخراج کیا ہے لکھ

حضرت بکر بن عبد اللہ المزنیؒ سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ جو تمام صحابہ کرام سے افضل تھے تو غار مدینہ کی وجہ سے ہمیں تھے بلکہ اس ایک چیز کی وجہ سے تھے جو ان کے قلب میں تھی اور وہ تھی اللہؐ کی محبت اور اس کیلئے جینا اور مرنے کا حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحید سے متعلق سب زیادہ بلند و بڑا قول ہے جو ابو بکرؓ کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ اور وہ یہ ہے

لے بحوالہ اذالۃ الخفاج ۲ ص ۲۱ لکھ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۱

لکھ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۱ لکھ کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لیدن ص ۱۲۲

سبحان من لم يجعل للخلق طريقا الى
 معرفته الا الجز عن معرفته له
 پاک ہر وہ ذات جس نے مخلوق کیلئے اپنی پہچان کا راستہ اس کے
 سوا اور کچھ بتلایا ہی نہیں کہ لوگ اس کی معرفت سے عاجز ہیں
 معرفت و طریقت میں حضرت ابو بکر صدیق کا یہی وہ مرتبہ و مقام اعلیٰ ہے جس کی وجہ سے وہ ارباب
 تصوف کے امام و پیشوا ہیں اور صوفیاء کے اکثر بڑے بڑے سلسلوں مثلاً چشتیہ اور نقشبندیہ وغیرہ
 کی انتہا خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر صدیق کی ہی دور پر ہوتی ہے۔
 عشق نبویؐ بایں ہمہ اوصاف و کمالات حضرت ابو بکر صدیق کا اصل سرمایہ فخر و نازش وہ
 عشق تھا جو آپ کو محبوب رب العالمین کی ذات ستودہ صفات کیساتھ تھا۔ اور جو در دین
 کر رگ رگ میں جان کے عوض ہر وقت ساری رہتا تھا۔ یہ عشق ہی درحقیقت وہ سرچشمہ تھا
 جس سے دوسرے کمالات پیدا ہوئے تھے جب تک رسالت و نبوت کا آفتاب جہاں تاب
 اس عالم ناموس میں صوفیوں رہا اس سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے۔ وفات
 کے بعد حالت یہ ہو گئی تھی کہ زبان پر نام مبارک آیا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی حضرت
 عروہ بیان کرتے ہیں کہ وفات نبویؐ کے دوسرے برس حضرت ابو بکر ایک مرتبہ خطبہ
 دینے کھڑے ہوئے تو ابھی اتنا ہی کہا تھا۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الاول
 کہ حضور کی وفات کا سانحہ یاد آگیا اور بلب بلب کر رونے لگے سنبھل کر پھر خطبہ شروع
 کیا۔ لیکن پھر ہلکی بندھ گئی۔ آخر تیسری بار ضبط سے کام لے کر خطبہ تمام کیا۔
 حضرت ام ایمن نے آنحضرتؐ کو گود کھلایا تھا۔ اس رشتہ سے آپ ان کے گھراتے
 جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر نے بھی یہ وضع قائم رکھی۔ چنانچہ ایک دن
 وہ اور حضرت عروہ ہاں پہنچے تو ام ایمن ان کو دیکھتے ہی رونے لگیں، یہ دونوں بولے،
 ”روتی کیوں ہو؟ اللہ کے رسول کیلئے بہترین ہی تھا کہ اللہ سے قریب ہو جائے، حضرت ام ایمن
 نے کہا۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن حیدر اس بات کہ ہے کہ اب وحی کا آنا بند ہو گیا۔ یہ سن کر
 لے کتاب اللع فی التصوف ص ۳۴ دیکھو اسی مضمون کو اکبر الہ آبادی نے کس بلاغت سے ادا کیا ہے شعر۔

تو دل میں تو اتنا ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے۔ لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں پر یہ اثر ہوا ہے ساختہ رونے لگے لے
 طبری اور ابن اثیر میں ایک روایت ہے کہ دراصل حضرت ابو بکر کی وفات کا باعث
 ہی یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کی جدائی کا غم برداشت نہ ہو سکا۔ وہ سوزِ در دل سے اندر ہی
 اندر پگھلتے رہے اور آخر اپنے محبوب سے جاملے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے کا شانہ قدس میں داخل ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہ کو
 دیکھا بلند آواز سے بول رہی ہیں۔ چونکہ آنحضرتؐ کے سامنے رفع صوت خلاف ادب
 تھا اس لئے غصہ آگیا اور حضرت عائشہ کو مارنے کیلئے طمانچہ اٹھایا۔
 واقعہ انک میں حضرت ابو بکر کو اپنی بیٹی کی بے گناہی کا یقین تھا۔ بایں ہمہ جب آنحضرتؐ
 حضرت ابو بکر کے مکان پر تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”اگر
 تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا اعلان کر دے گا۔ اور اگر تم
 سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو تم اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب توبہ
 کر لیتا ہے تو اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی تقریر سننے کے بعد
 حضرت عائشہ نے اپنے پدر بزرگوار سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ
 کو جواب دیجئے لیکن فرط ادب و احترام کے باعث حضرت ابو بکر کی زبان نہ کھلی اور
 بولے ”میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں؟“ واقعہ دایلا میں ازواجِ مطہرات نے نانِ نفقہ کا
 مطالبہ کیا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے ناراض ہو کر ایلا کر لیا تھا اس سے تمام صحابہ سخت پریشان
 خاص طور پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جن کی صاحبزادیاں ازواجِ مطہرات میں شامل تھیں
 زیادہ پریشان تھے آخر دونوں بزرگ در دولت پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ
 فرمائیں تو دونوں (عائشہ حنفیہ) کی گردن اڑا دیں گے

حضرت حفصہ بنت عمر پہلے شوہر سے بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے

پیش کش کی کہ وہ ان سے نکاح کر لیں حضرت ابوبکر سنکر خاموش رہے حضرت عمر کو اس پر ناگواری ہوئی تو جب آنحضرتؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نے مجھ کو حفصہؓ کی جو پیش کش کی تھی میں نے اسے صرف اس لئے قبول نہ کیا تھا کہ آنحضرتؐ کی ایک گفتگو سے مجھ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ حضور خود ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ کا بھید ہرگز ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو گانا نہیں جانتی تھیں لیکن لاشعراً ایک گیت گارہی تھیں حضرت ابوبکرؓ سے چپ نہ رہا گیا بولے "اے رسول اللہ کے گھر میں یہ گانے آنحضرتؐ آمنہؓ پھرے لیٹے تھے حضرت ابوبکرؓ کو یہ کہتے سنا تو فرمایا اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ آج یہ ہماری عید ہے۔ بعض مصنفین نے اس واقعہ کو حضرت ابوبکرؓ کے تقویٰ کے واقعات کے ماتحت درج کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اگر تقویٰ کی بات ہوتی تو اس کا خیال آنحضرتؐ سے زیادہ کسی اور کو ہوسکتا تھا، اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس چیز کو ادب و احترام نبوی کے خلاف سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اس پر سخت الفاظ میں اپنی ناگواری خاطر کا اظہار کیا تھا۔

ناموس نبوی کی حفاظت و رعایت اس غایت تعلق کی بنا پر آپ کے علم میں اگر کوئی ایسا واقعہ آتا جس کا اثر آنحضرتؐ کی عزت و ناموس پر پڑتا تو سخت غضب ناک ہو جاتے تھے قتیبہ بنت قیس بن معدیکرب ایک خاتون تھیں جو اشعث بن قیس کی بہن تھیں آنحضرتؐ نے مرض وفات میں یا اس سے دو ماہ پہلے (علی اختلاف الروایات) نکاح کیا تھا لیکن ابھی باقاعدہ حرم نبوی میں داخل نہیں ہوئی تھیں کہ حضورؐ دنیا سے رخصت ہو گئے اس کے بعد انہوں نے عکرمہ بن ابی جہل سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اسکا علم ہوا تو غصہ سے برہم ہو گئے اور ارادہ کیا کہ دونوں کو نذر آتش کر دیں لیکن عزم ام ہوئے انہوں نے کہا کہ قتیبہ امہات المؤمنین میں داخل نہیں ہیں، وہ حرم نبوی میں شامل لے بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ لے بخاری ج ۱ ص ۱۲۰ لے الاستیعاب ابن عبد البر باب القاف۔

نہیں ہوئیں اور زنان کے لئے حجاب کا حکم ہوا لے رسول اللہؐ کی طرف سے حضرت ابوبکر خلیفہ رسول بھی تھے اور عاشق رسول بھی اس بنا قرض کی ادائیگی پر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص سے آنحضرتؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو یا جس کسی کا آپؐ ذمہ کوئی قرض ہو وہ میرے پاس آئے اہل بیت کے ساتھ محبت آنحضرتؐ کی ذات قدسی کیسا تھ غیر معمولی عشق و محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپؐ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی بڑی محبت تھی اور ان کا خود اپنے متعلقین سے زیادہ خیال رکھتے تھے، فدک و خیبر کی بحث میں ان کا یہ قول گزر چکا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہؐ کے اہل قرابت مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اپنے اہل قرابت کیساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کر دیا خلیفہ ہونے کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں علیؓ نے رسول اللہؐ سے اپنا تعلق بیان کرنا شروع کیا تو حال یہ تھا کہ حضرت علیؓ اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہؓ ایک ایک بات کرتے جاتے تھے اور ادھر حضرت ابوبکرؓ اسے سن سن کر روتے جاتے تھے لے

وفات نبویؐ کے چند ہی روز بعد کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ نظر آ گئے جو محلہ کے بچوں کیساتھ کھیل رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے جگر گوشہ بول کر دوش پر اٹھالیا لے فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت خالدؓ سے جو مال غنیمت مدینہ بھیجا اس کے ساتھ ایک قیمتی طیلسان بھی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہ طیلسان امام حسینؓ ابن علیؓ کی نذر کر دیا لے حضرت ابوبکرؓ اہل بیت اطہار کیساتھ لطف و مدارات کا معاملہ خود تنہا نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اسکی تاکید کرتے تھے کہ ان کا خاص طور پر خیال رکھیں

لے الاستیعاب ابن عبد البر باب القاف لے بخاری ج ۱ ص ۲۴۲ ج ۲ ص ۶۲۹ لے طبری ج ۲ ص ۲۴۹ لے بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ والبدایۃ ج ۵ ص ۲۸۶ لے فتوح ابدان بلاذری ص ۲۵۲

ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ ”ارقبوا محمدًا ۴ فی اہل بیتہ“ لہ
عام روایت ہے کہ حضرت فاطمہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی نے راتوں رات
انکی تجہیز و تکفین کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کر دیا۔ لیکن جعفر بن محمد نے
اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت فاطمہ کی وفات ہوئی تو حضرت ابو جبر و عمر مکان
پر حاضر ہوئے جنازہ تیار ہو کر آیا تو صدیق اکبر نے ہی حضرت علی سے کہا چلئے نماز
جنازہ پڑھائیے۔ انہوں نے انکار کیا اور فرمایا ”آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں آپ
آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابو جبر نے امامت کی، لہ
یہی روایت قرین قیاس اور مقتضائے درایت ہے، ہم صفحات گزشتہ میں ثابت
کر چکے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت ابو جبر سے بیعت عامہ کے دن ہی بیعت کی تھی
اور حضرت علی برابر حضرت ابو جبر کے رفیق اور ان کے معاون بنے رہے۔ حضرت فاطمہ
بھی ناراض نہیں رہیں تھیں اور خلیفہ رسول کے تعلقات خانوادہ نبوت سے ہرگز کشیدہ
نہیں تھے، بلکہ خوشگوار تھے، ان سب امور کے پیش نظر یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے
کہ جگر یار رسول کی وفات ہو جائے اور جانشین رسول کو اسکی خبر بھی نہ ہو اور
وہ ان کے جنازہ تک میں نہ شریک ہوں اصل یہ ہے کہ بنو امیہ میں کچھ لوگ ایسے
ضرور تھے جن کا آئینہ قلب گرد و کدورت سے صاف نہیں تھا جیسا کہ عام طور پر
ہوتا ہے وہ لگائی بجھائی کی باتیں کرتے رہتے تھے، عام مجلسوں میں اسکا
تذکرہ ہوتا ہو گا اور اس سے بدگمانیاں پھیلتی ہوں گی، یہی وہ بدگمانیاں ہیں جنکا
اثر و ایات میں ظاہر ہے ایک نکتہ شناس نفسیات معلوم کر سکتا ہے کہ ان روایات
میں کتنی بات واقعی ہے۔ اور کتنی وہ ہے جو اس طرح کی عام بدگمانیوں کے زیر اثر آئی
کا اپنا اضافہ اور خود اس کے اپنے احساس یا قیاس کا نتیجہ ہے۔

مکارم اخلاق

اسلام کا اصل مقصد تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کے ذریعہ اعلیٰ اخلاق و صفات
سے متصف کرنا آنحضرتؐ نے اپنی غرض بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل و تنمیم بیان فرمائی،
بعثت لا تمم مکارم الاخلاق -

حضرت ابو جبر کی فطرت چونکہ سعید تھی اسلئے آپ عہد جاہلیت میں بھی اخلاق حمیدہ
سے متصف تھے اس زمانہ میں بھی کبھی آپ ام الحباثت کو منہ نہیں لگایا۔ قمار
کی مجلس میں کبھی شریک نہیں ہوئے کسی بت کے آگے سر کبھی تہنیدہ نہیں ہوا
مالانکہ یہ تینوں چیزیں عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اس کے علاوہ غریبوں کی
خیر گیری، بے کسوں اور اباہجوں کی مدد۔ مسافر نوازی اور مہمان داری آپ کے خاص
ادصاف تھے، پھر شرف اسلام سے مشرف ہوئے تو ان ادصاف پر اور جلا ہوئی اور
آپ مکارم و محامد اخلاق کے پیکر اتم بن گئے۔

تقویٰ و طہارت آپ کے صحیفہ اخلاق میں سرفہرست تقویٰ و طہارت کا وصف تھا
جس طرح ایک تندرست معبدہ مکھی یا اسی طرح کی کوئی اور نچل چیز کو برداشت نہیں
کر سکتا حضرت ابو جبر کا معبدہ کسی ایسی چیز کو برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا جو معنوی نجاست و گندگی
رکھتی ہو جیسا کہ حضرت ابو جبر کا ایک غلام تھا اس نے ایک مرتبہ کوئی چیز لا کر دی
حضرت ابو جبر نے جب اسکو کھا لیا تو غلام بولا ”آپ جانتے ہیں وہ کیا چیز تھی؟“ پوچھا
کیا تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں عہد جاہلیت میں جھوٹ موٹ کہانت کا کام کرتا تھا
یہ چیز اسی کا معاوضہ تھی، حضرت ابو جبر نے یہ سنتے ہی تے کر دی اور جو کچھ پیٹ میں تھا خارج
ایک دفعہ حضرت ابو جبر آنحضرتؐ اور دوسرے صحابہ کیساتھ سفر کر رہے تھے، درمیان میں ایک جگہ ٹراڈ ہوا سب
حضرات مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہر گئے، حضرت ابو جبر، ابو سعید الخدری وغیرہ کیساتھ ایک اعرابی کے گھریں فرود ہوئے۔
اسے ساتھ ایک اعرابی اور تھامیزبان کی بیوی حاملہ تھی، اس اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط کر لی کہ اگر وہ ان سب کی بکری

کھلائی تو اس کو کاہدا ہوگا عورت نے یہ شرط منظور کر لی اور بکری فریجیہ عربی نے لٹم لٹم کچھ مسج جیلے پر چڑھ کر کسی کا گوشت کھانے کے بعد جب حضرت ابو بکر کو پورا قصہ معلوم ہوا تو اس نے بواشت نہ ہو سکا فوراً نئے کردی کہ

غایت تقویٰ و دلہارت کے باعث جس طرح صدیق اکبر کا عمدہ کسی نامشروع چیز کو گرا نہیں کر سکتا تھا اسی طرح اچھے قدم اس راہ میں بھی نہیں اٹھ سکتے تھے جس میں خفاق و فجار رہتے ہوں، ایک مرتبہ ایک شخص آپ کو ایک راستہ سے اپنے گھر لے جا رہا تھا حضرت ابو بکر اس سے واقف نہیں تھے پوچھا یہ کونسا راستہ ہے؟ اس شخص نے کہا اس راستہ میں لیے لوگ رہتے ہیں جیکے پاس سے گزرتے ہوئے بھی ہنکومت آتی ہے حضرت ابو بکر نے فرمایا کیا خوب اگر تیرے کو بھی شرم آتی ہے اور پھر بھی اسی راہ سے جا رہے ہو۔ تم جاؤ میں نہیں جاؤں گا لے

حضرت ابو بکر کے تقویٰ کا یہ اثر تھا کہ انکے گھر کی مستورات تک اسی رنگ میں رنگ گئی تھیں آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء کی ماں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا اور اسلئے حضرت ابو بکر نے ان کو طلاق دیدی تھی، ایک مرتبہ ماں کی مامنانے جوش مارا تو بیٹی کے لئے کھانے کی چیزیں بطور تحفہ لائیں چونکہ اسلام قبول نہ کر سکیے باعث مان کا تحفہ مشکوک تھا اس لئے حضرت اسماء نے انکے قبول کرنے سے انکار کیا لیکن بعد میں جب حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ سے سلسلہ دریافت کیا تو آپ نے قبول فرمائی کہ امانت خدا خوف خدا بحکم راس الحکمۃ تحفۃ اللہ تقویٰ و دلہارت اور تمام دوسری نیکیوں کی جو خوف خدا کا حضرت ابو بکر پر خوف خدا کا اس درجہ غلبہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو خطاب کر کے کہنے لگی واہ واہ! اے چڑیا تو کتنی خوش نصیب ہے اے کاش میں بھی تیرے جیسا ہوتا تو درخت پر بیٹھتی ہے پھل کھاتی ہے۔ اور پھر اڑ جاتی ہے تجھ سے نہ کوئی حساب ہے اور نہ کتاب۔ اہ لے کاش میں ایک سرگز ر عام ایک درخت ہوتا اونٹ وہاں گزرتا مجھ کو کھڑتا اپنا منہ مجھ پر مارتا۔ مجھ کو چباتا اور اس طرح میری تحقیر کرتا اور پھر مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کر دیتا۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر میں بشر نہ ہوتا ۳۳

ندامت اور پشیمانی اس خوف خدا کا یہ اثر تھا کہ اگر کبھی کوئی معمولی بھول چوک بھی ہو جاتی تھی تو بعد میں سخت ندامت اور پشیمانی ہوتی تھی اور جب تک وہ اسکی تلافی نہیں کر لیتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا ایک مرتبہ حضرت ابو بکر اور ربیعہ بن کعب الاسلمی میں زمین کے ایک ٹکڑے

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۵۱ ۲۔ کنز العمال برسد احمد ج ۳ ص ۵۱ ۳۔ منتخب کنز العمال برسد امام احمد ج ۳ ص ۵۱

کے بارے میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت ابو بکر نے غصہ میں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں ان کو خود احساس ہوا تو ربیعہ سے بولے تم بھی مجھ کو ایسی ہی سخت بات کہہ کر مجھ سے بدلہ لو لیکن ربیعہ انکار کیا۔ آخر حضرت ابو بکر بولے اگر تم مجھ سے اپنا بدلہ نہیں لو گے تو میں رسول اللہؐ سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ ربیعہ نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا اور مزید یہاں یہ کہا کہ زمین جو بس کی گانٹھ تھی اس سے ہی دست برداری دیدی حضرت ابو بکر نے ملے، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے لے چل پڑے آگے آگے خود تھے پیچھے ربیعہ آ رہے تھے ربیعہ کے قبیلہ انور نے یہ دیکھا تو وہ بھی ربیعہ کی حمایت کیلئے اٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کیا خوب! ایک تو ابو بکر نے تم کو ایسی ناسزا بات کہہ دی اور پھر اٹھ وہی رسول اللہؐ سے شکایت کرنے جا رہے ہیں ربیعہ نے کہا چپ رہو تم کو دیکھ لیا تو غضب ناک ہو جائیں گے انکے غضب کی وجہ سے رسول اللہؐ کو غصہ آئیگا اور ان دونوں کے غصہ کی وجہ سے اللہ غضبناک ہو جائیگا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ربیعہ تباہ و برباد ہو جائیگا، چنانچہ یہ سب لوگ واپس ہو گئے، اب حضرت ابو بکر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پورا ماجرا سنایا۔ آنحضرتؐ نے جب حضرت ربیعہ کا بیان بھی سن لیا تو فرمایا ”ربیعہ! تم نے اچھا کیا کہ ابو بکر کو وہی بات پلٹ کر نہیں کہی جو انہوں نے تم سے کہی تھی۔ لیکن ہاں اب یہ کہو کہ اے ابو بکر! اللہ آپ کی غلطی معاف کرے“

حضرت ربیعہ نے تعمیل ارشاد کی تو حضرت ابو بکر رو پڑے اور اسی حالت میں واپس ہو گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کیساتھ کسی بات پر تیز کلامی ہو گئی اور انہیں سخت سست کہہ کر رہے بعد میں اس کا احساس ہوا تو سخت ندامت ہوئی حضرت عمرؓ سے بولے تم مجھ کو معاف کر دو، حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو تہمد کا ایک کونہ پکڑے ہوئے جس سے آپ کے گھٹنے ظاہر ہو رہے تھے خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور پوری روئیداد کہہ سنائی۔ آنحضرتؐ نے تین دفعہ فرمایا ”ابو بکر خدا تمہاری حفاظ فرمائے۔ اب حضرت عمرؓ کو بھی افسوس ہوا، دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر کے مکان پر آئے تو وہ وہاں تھے نہیں سیدھے خدمت نبویؐ میں پہنچے حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی سرور عالمؐ کے چہرہ مبارک کے تیور بگڑنے لگے حضرت ابو بکر کو

که الادب المفرد باب من لعن عبده فاعتقه، مسنده مولانا مالک باب ماجاء فیما یخاف من اللسان، مسنده الادب المفرد
ج ۲ ص ۲۱ مسنده ازلة الخفاء ج ۲ ص ۲۲ بحوالہ مسند ابی شیبہ له صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶

ص ۲۹۱ کے طبقات ابن سعد مذکورہ حضرت ابوبکرؓ کے ابن ابی بکر ص ۲۹۱

مجھ کو ان لوگوں کے حسن ظن کے مطابق بنا میرے گناہوں کو معاف کر دے اور ان لوگوں کی بیجا تعریف پر میری پکڑ نہ کر لے۔

غیر طبعی طور پر اگر تکبر کی کوئی علامت آپ میں پائی جاتی تھی تو آپ پریشان ہو جاتے تھے ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص اپنے کپڑے ازراۃ تکبر گھیسے ہوئے چلتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں کریگا۔ صدیق اکبرؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرے کپڑوں کا ایک پہلو کبھی کبھی ٹھک جاتا ہے اور مجھ کو اس کا خیال نہیں رہتا۔ ارشاد ہوا: ”تم تو ازراۃ تکبر ایسا نہیں کرتے۔“

خود داری اگرچہ دوسروں کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی آپ کو عار نہیں آتی تھی لیکن خود داری کی وجہ سے دوسروں سے اپنا فدا سا کام لینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے ابن ابی بلیکہ کا بیان ہے کہ بسا اوقات چلتے چلتے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھٹ کر گر پڑتی تھی تو اونٹ کو بٹھا کر نکیل اٹھاتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا، آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ہم کو حکم کیا کیجئے ہم اٹھا دیں گے۔ فرمایا، میرے حبیب رسول اللہؐ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں گا۔

فقر و درویشی حضرت ابو بکرؓ بیت المال سے اپنے لئے وظیفہ لیتے تھے لیکن اسکی مقدار اتنی تھی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انکی بیوی کا جی چاہا کہ حلوہ کھائیں شوہر سے فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ گنجائش نہیں ہے، بیوی نے کہا ”کہ اچھا! آپ روزمرہ کے خرچ کیلئے جو مجھ دیتے ہیں اب میں اسی میں پس انداز کر دوں گی یہاں تک کہ حلوہ کی قیمت کے برابر ہو جائے۔“ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ”اچھا کرو“ چند روز میں اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ حلوہ خریدا جاسکے اب خلیفہ رسول کو اس کا علم ہوا تو فرمایا ”معلوم ہوا کہ روزمرہ کا خرچ ان چند پیسوں کو کم کر دینے کے بعد بھی پورا ہو سکتا ہے جو تم نے انداز کر لیا تھا“ اس لئے اب آئندہ تم کو گھر کا خرچ اسی قدر کم کر دیا جائیگا اور جو رقم حلوہ کے نام سے پس انداز ہوئی تھی وہ بیت المال میں داخل کر دیا اتفاق فی سبیل اللہ پہلے گزر چکا ہے اسلام قبول کرنے کے وقت آپؐ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے مدینہ پہنچتے پہنچتے کل پانچ ہزار رہ گئے وہ بھی سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے، یہاں حضرت

لے اللہ الخابہ ج ۲ ص ۲۱۰ لے صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ لے مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۹۱ لے ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۰ لے ایضاً

خارجہ کی شرکت میں تجارت پھر شروع کی۔ اس سے بھی جو کچھ آمدنی ہوئی غزوہ تبوک میں سب حضورؐ کے قدموں میں لاکر رکھ دی، اور بال بچوں کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ دیا۔ یہ واقعات تو خلافت سے پہلے کے تھے خلیفہ ہوئے تو تجارت ختم کر دی اور بہت معمولی طور پر گزر بسر کرنے لگے مرض وفات میں حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں ”جب میں خلیفہ ہوا ہوں میں مسلمانوں کا کوئی ایک درہم کھایا، نہ دینار، نہ مٹا جھوٹا وہ جو کھاتے اور پیتے ہیں وہی میں نے کھایا اور پینا ہے اور ایسی وقت لے دے کہ میرا جو کچھ اثاثہ ہے وہ یہ ایک اونٹ، ایک غلام اور یہ ایک چادر ہے لے خود تنگی ترشی سے گزر کرتے تھے لیکن غریبوں اور محتاجوں کا اتنا خیال تھا کہ موسم سرما میں ان کو کپڑے تقسیم کرتے تھے لے۔“

شجاعت شجاعت ایک ایسا وصف ہے جو عجز و مسکنت اور تواضع و بے نفسی کیساتھ بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن اصلاح جو تزکیہ نفس کے ذریعہ اخلاق و ملکات کے اعتدال کا نام ہے اس کی تعلیمات اور آنحضرتؐ کے خاص فیض تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ اشد علی الکفای و جہاد بینہم کی تصویر تھے شہنم کی لطافت کیساتھ سوسن کی حرارت اور شیشہ کی نزاکت کے ساتھ پتھر کی سختی رکھتے تھے حضرت ابو بکرؓ اس وصف خاص میں بھی سب نمایاں تھے۔ محمد ابن عقیل کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی بن ابی طالب نے خطبہ دیتے دیتے پوچھا کہ بتاؤ ”دنیا کا سب سے بڑا بہادر کون ہے؟“

ہم نے کہا ”آپ“ فرمایا ”نہیں! اس کے بعد ارشاد ہوا ”اشم الناس حضرت ابو بکرؓ تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر ہم نے آنحضرتؐ کیلئے ایک کیمپ بنا دیا تھا جس میں آپ قیام فرمائیں پھر ہمتے پوچھا کہ اس کیمپ میں حضورؐ کی چوکیداری کی خدمت کون انجام دیکتا تو کسی نے پیش قدمی نہیں کی۔ البتہ حضرت ابو بکرؓ نے سبقت فرمائی اور شمشیر بدست آنحضرتؐ کی خدمت میں اس مستعدی اور آمادگی کے ساتھ پہرہ دیتے رہے کہ جہاں کسی نالکار نے ادھر کا رخ کیا اور ابو بکرؓ اس پر جھپٹ پڑے۔ اسی طرح مکہ میں ایک مرتبہ قریش نے جب رسول اللہؐ کو اپنے زعمہ میں لیکر طرح طرح کا اذیتیں دینی شروع کیں تو اس وقت بھی تنہا ہی

لے ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹۰ لے ایضاً

ابوبکر تھے۔ جو اس مجموعہ میں گھسے چلے گئے کسی کو دھکا دیا۔ کسی کے تھپڑ رسید کیا۔ کسی کو لٹ مارا اور کسی کو پیٹا اور مارا اور آخر یہ کہتے ہوئے کہ اسے ظالمو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے رسول اللہ کو زرعہ میں سے نکال لئے۔ رادی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں تک کہہ پائے تھے کہ جی بھڑ آیا اور آنسوؤں کا دریا اُمڈ پڑا جس سے ریش مبارک تر بر ہو گئی۔

حلم اور بردباری | اعلیٰ کمال شجاعت کیساتھ علم اور بربادی کا ہونا بھی ضروری ہے ایک مرتبہ کسی شخص نے آنحضرتؐ اور بعض صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ کو سب دشم کیا۔ آپ سن کر آپ کے اس شخص نے دوبارہ پھر وہی بدتمیزی کی۔ آپ اس مرتبہ بھی خاموش رہے لیکن جب تیسری بار اس نے پھر یہی حرکت کی تو آپ نے اس کا جواب دیا۔ تاہم آپ کو رسول اللہؐ کی رضا طلبی کا اتنا خیال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا جواب سنتے ہی آپ کھڑے ہو گئے تو معاً خیال آیا کہ آپ کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے عرض کیا اوجہد علی یا رسول اللہ۔ لے رسول اللہؐ آیا آپ کو مجھ پر عہدہ آیا۔ ارشاد ہوا ”یہ شخص تم کو جو کچھ کہہ رہا تھا۔ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر خود اسکی تکذیب کر رہا تھا لیکن جب تم نے اس سے بدلہ لے لیا تو بیچ میں شیطان آدھکا پھر میرے لئے مناسب نہ تھا کہ میں وہاں بیٹھا رہوں جہاں شیطان ہو۔“

حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے یہ واقعہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ عہد خلافت میں ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو انکے منہ پر بڑا بھلا کہا اس پر ایک صحابی نے اس شخص کی گردن اڑا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے علاوہ اور کسی کی گردن اڑانا جائز نہیں ہے۔

حسن خلق | حسن خلق اسلامی اخلاق کا اصل عنوان ہے آنحضرتؐ کا ارشاد ہے،

”میزان قیامت میں حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہے، نیز فرمایا ”تم میں سے زیادہ بہتر وہی ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔ حسن خلق کا مظاہرہ سب سے پہلے ملاقات کے وقت علیک سلیک میں ہوتا ہے اس بارہ میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ سلام کرنے میں پہل

لے کنز العمال بر سند امام احمد ج ۴ ص ۳۵۹ لے سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الاعتدال

کرتے تھے اور اگر کوئی اس سلام کا جواب بڑھ چڑھ کر دیتا تھا تو آپؐ میں مزید اضافہ کر کے پھر سلام کی تکرار کرتے تھے، حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ایک ہی سواری پر بیٹھا جا رہا تھا کہ راستہ میں کچھ لوگ ملے حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”السلام علیکم“ ان لوگوں نے جواب دیا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ اب حضرت ابوبکرؓ نے کہا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ تو ان لوگوں نے کہا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ و بکاتہ“ انہر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ”آج یہ لوگ ہم سے بازی لے گئے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک جھگڑا چکانیکے لئے آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو میرے ساتھ روانہ کیا تو راستہ میں جو لوگ ملتے تھے وہ مجھ کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ دیکھ کر مجھ سے کہا ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ تم کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق وہی ہوتے ہیں تم خود سبقت کر دتا کہ تم کو ثواب ملے۔“

حسن خلق کی دوسری علامت یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے درد و غم میں شریک ہو حضرت ابوبکرؓ اسکا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ عبداللہ بن سہیل ایک قریشی تھے غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے ساتھ آئے تھے لیکن یہاں توفیق ایزدی نے دست گیری کی اور مسلمانوں کیساتھ آئے یہاں تک کہ لکھ جام شہادت بھی نوش کیا۔ حج کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی انکے والد سہیل بن عمرو سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بیٹے کی تعزیت کی۔

حسن خلق میں یہ بھی داخل ہے کہ دوسروں کے عیب و چشم پوشی کیجائے اس وصف میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا ”اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم کی پردہ پوشی کرے۔“

لیکن جہاں امر بالمعروف کا موقع ہو وہاں لین و ملاطفت کے کوئی معنی نہیں ایسے موقع پر تشدد برتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کسی جنازہ کیساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے حضرت ابوبکرؓ وہاں آنکے تو کوڑا اٹھا کر فرمایا ”ہم لوگ آنحضرتؐ کیساتھ تیر فساد کیجایا

لے الادب المفرد ص ۱۴۵ باب فضل السلام لے ابن سعد ذکرہ زبید بن الصلت لے فتوح البلدان بلاذری ص ۹۲

کرتے تھے لے

مزاح | مزاح یعنی لطیف قسم کا مذاق خلعت مزاحی اور جودت طبع کی دلیل ہے خود آنحضرت کے مزاح کے متعدد واقعات حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خلیفہ رسول میں یہ وصف نہ ہوتا چنانچہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ امام حسن جو اس وقت کم سن تھے محلہ کے بچوں کیساتھ کھیلنے ہوئے نظر آئے حضرت ابو بکر نے جگر گوشہ رسول کو فرط محبت سے گود میں اٹھالیا اور حضرت علی جو وہ ہیں تھے انکی طرف اشارہ کرکے فرمایا یا بابا شبہ النبی لیس شبہا بعلی لے وہ جو کہ نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں تھے پھر فرمایا حضرت علی نے یہ سنا تو ہنسنے لگے۔

احتساب نفس | جو کچھ کرتے تھے ایک نقاد کی حیثیت سے خود ہی اس کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے چنانچہ مرضی اوقات میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے بولے کہ ”مجھ کو کسی بات کا غم نہیں ہے البتہ تین کام ایسے ہیں جو میں نہ کئے ہیں لے کاش کہ نہ کئے ہوتے، تین کام ایسے ہیں جو میں نے نہیں کئے کاش میں نے کئے ہوتے اور تین باتیں ایسی ہیں کہ لے کاش وہ ہیں رسول اللہ سے پوچھی ہوتیں پہلی تین باتوں میں سے ابو عبیدہ نے ایک کا ذکر نہیں کیا باقی دو باتوں کے متعلق فرمایا ”میری تمنا ہے کہ سفیف بنو ساعدہ کے روز میں نے ایک عمر یا ابو عبیدہ بن الجراح کو خلیفہ بنایا ہوتا اور میں ان کا وزیر ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ جب میں نے خالد بن الولید کو مرتدین سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا تھا تو میں خود ذوالقصر میں قیام کرتا۔ دوسری قسم کی تین باتیں یہ ہیں کہ لے کاش اشعث بن قیس جب گرفتار کیا گیا تھا تو میں نے اس کی گردن اڑادی ہوتی۔ الفجاءۃ کو میں زندہ آگ میں جلوا دیا تھا لے کاش ایسا نہ کرتا اور قتل کر دیتا یا رہا کر دیتا اور خالد کو جب میں نے شام روانہ کیا تھا تو عمر کو میں عراق بھیجتا اس طرح اللہ کی راہ میں میں نے اپنے دانے اور باہنے دونوں ہاتھ دراز کر دیئے ہوتے یہی وہ تین باتیں جو لے کاش میں نے رسول اللہ سے دریافت کی ہوتیں تو ان میں سے ایک تو خلافت کا معاملہ ہے۔ دوسری یہ کہ کیا انصار کا اس میں کوئی حصہ ہے تیسری یہ کہ پھوپھی اور بھتیجی میں کتنا حصہ ہے؟ لے

لے ابو داؤد کتاب الجنائز الا سراخ بالجائز لے صحیح بخاری ج ۳۰ لے (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

فضائل و مناقب

حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل و مناقب کے مآخذ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن مجید۔

۲۔ آنحضرت کے ارشادات جو خاص حضرت ابو بکر کے متعلق ہیں یا حضرت ابو بکر کیساتھ

حضرت عمر یا کسی اور صحابی کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مہاجرین سے متعلق ہیں۔

۳۔ صحابہ کرام کے وہ اقوال و ارشادات جو حضرت ابو بکر سے متعلق ہیں۔

استحقاق خلافت کے زیر عنوان ہم نے جو بحث کی ہے اس کے ضمن میں بہت کچھ فضائل و مناقب کا ذکر آچکا ہے جو مذکورہ بالا تینوں مآخذ سے ثابت ہیں اس موقع پر عنوان باب کی مناسبت سے صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہوگا کہ حضرت ابو بکر کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہیں کہ ایک یہ کہ قرآن میں جس کثرت اور تکرار سے حضرت ابو بکر کے بعض خاص اعمال مثلاً تصدیق بجا جابر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام الخاق فی سبیل اللہ اور رفاقت نبوی کا ذکر آیا ہے کسی اور کا نہیں ۲۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت کو جو محبت تعلق خاطر آپ کے ساتھ تھا اور جس درجہ کا اعتماد آپ پر تھا وہ کسی پر نہیں تھا۔ صحیح بخاری اور ترمذی کے کتاب المناقب میں اس مضمون کی ایک دوہیں متعدد روایات موجود ہیں لیکن دراصل حضرت ابو بکر کی سب سے بڑی فضیلت اور منقبت جس پر دوسرے تمام فضائل و مناقب متفرع ہوتے ہیں یہ ہے کہ آنحضرت نے آپ کو صدیق کا لقب دیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

مقام صدیقیت | حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے متعدد مکتوبات میں مقام صدیقیت پر بحث کر کے بتایا ہے کہ سلوک و معرفت کے بہت سے مدارج ہیں مثلاً ولایت شہادت لیکن ان میں سے اعلیٰ مقام صدیقیت کا ہے اور اس مقام میں اور نبوت میں کوئی واسطہ نہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لے کتاب الاموال ابو عبیدہ ص ۱۳۱ یہی روایت ابن جریر طبری جلد ۴ ص ۵۲ (برائے اطلاع) میں بھی ہے لیکن الفاظ میں کافی اختلاف ہے ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں۔

اور دوشہید سی تو ہیں۔

چونکہ فرق صرف ذریعہ علم کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جہاں تک قوی علمیہ و عملیہ اور اخلاق و ملکات کا تعلق ہے ایک حد تک بہت کچھ نئی کے مشابہ اور مماثل ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مقام مدیقیت پر بڑی عمدہ اور بشو بحث کی ہے چونکہ یہ مقام بڑا نازک اور ذرا سی تبدیلی سے غلطی نہی کا امکان ہے اسلئے ہم اپنی طرف سے کچھ کہے بغیر صرف شاہ صاحب کی تقریر کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

تصوف کے مقامات و احوال کس طرح پیدا ہوتے ہیں اس سلسلہ میں شاہ صاحب کہتے ہیں جب کوئی شخص اللہ کی کتاب اور اسکے رسولوں پر اس طرح ایمان لاتا ہے کہ اسکے تمام قوائے قلبیہ و نفسیہ کی سنگت میں وہ نہایت کرجاتا ہے کہ بعد ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور اعضا و جوارح کیساتھ حق عبودیت ادا کرتا ہے اور ان اعمال کو برابر بجا لاتا رہتا ہے تو ان تینوں لطیفوں (عقل - قلب - نفس) میں عبودیت کی روح حلول کر جاتی ہے اب تینوں لطیفہ عبودیت میں شراب و ہر کو اہل فطرت ہی بن جاتے ہیں اور چونکہ فطرت انسانی کے غلبہ کی حالت میں عقل کا مقتضی ایہ ہے کہ جس چیز کے مناسبت اسکے سامنے آئیں وہ اس کی تصدیق کرے اس بنا پر عقل کی تہذیب کا تقاضا یہ ہے احکام شرعیہ پر اس طرح یقین کرے کہ گریا وہ انکوصاف صاف نظر آئے ہیں جو مقامات اور احوال عقل سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اصل چیز یقین ہے اور یقین سے ہی مختلف مقامات مثلاً توحید توکل شکر النسیہ بیت تقرید حمد یقین اور محبت

الم ج ۱ ص ۱۲۵ باب سابع عثمان علیہ السلام کتابت حصہ دوم دفتر اول مکتوب چہل و یک ملکہ شاہ صاحب کی تقریر کا بہ غلامہ حجتہ اللہ بالغہ ج ۲ باب بقیۃ مباحث الامان کے ماخوذ ہے شاہ صاحب نے پر باتیں انزالہ الخفا مقصود م میں بھی مختلف عنوانوں کے ماتحت لکھی ہیں لیکن وہ منشر ہیں اور محبت اللہ ابالغہ میں سب ایک جگہ جمع ہیں اسلئے ہمارا ماخذ یہی ہے۔

و فوق آن (صدیقیت) مقام نیست الا النبوة علی اهلها الصلوة والسلام
و شاید کہ میان صدیقیت و نبوت مقامی بوردہ باشد بلکہ محالست و این حکم بہ محالیت او کشف مرتبہ صحیح معلوم
بعض ارباب معرفت کا خیال تھا کہ صدیقیت سے بھی او پر ایک اور مقام ہے جس کا نام قربت ہے اور
فرماتے ہیں کہ جیسا کہ خواجہ بزرگ (خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی) نے فرمایا ہے در حقیقت وہی علوم و
معارف ہیں جن کا علم اگر نظری اور استدلالی ہو تو وہ علوم شریعت ہیں اور اگر ان کا علم کشفی اور بدیہی
طریقہ پر ہو تو وہ علوم سلوک و معرفت ہیں اس طرح سلوک اور شریعت میں جو فرق ہے وہ صرف اجال
و تفصیل کا یا نظر و ضرورت کا اور یا استدلال و کشف کا ہے لیکن سلوک کا مرتبہ جو ہدایت اور ضرورت
کا ہے یہ سب اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسی کا نام صدیقیت ہے اسکے بعد جو مقام ہے وہ صرف نبوت کا ہے
ایک پیغمبر کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے اور وہ اسکو دوسروں تک پہنچاتا
ہے۔ ایک صدیق اسکی تصدیق بے چون و چرا کرتا ہے پیغمبر کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی
بالطبعی اور بالائے فہم و قیاس ہو بہر حال صدیق کیلئے وہ بدیہی سی چیز ہوتی ہے۔ اور وہ
اسکو سنتے ہی قبول کر لیتا ہے لہ

مجدد صاحب نے جو لکھا ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے اسکی تائید خود قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے
ہیں وہ نبیوں سے لیں اور شہداء صالحین جنہیں
اللہ نے انعام کیلئے ان کیساتھ مہربانی اور کیا خوب
ہونگے یہ سب لوگ ایک دوسرے کے رفیق اور ساتھی۔
رفیقاً (المائدہ)

اچھے علاوہ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ جبل احد پر چڑھے تو ہاڑ پڑ لزلہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی، یہ دیکھ کر آپؐ فرمایا۔

اسکن احد فلیس علیک الا بنی و صدیق اے احمد! ٹھہر، کیونکہ تیرے اوپر ایک بنی ایک صدیق

۱۔ مکتوب مجد الف ثانی حصہ اول دفتر اول مکتوب مجید ہم سلمہ حضرت مجد صاحب مکتوب مجید ہم اول دفتر اول
و مکتوب چہل و یک حصہ دوم و دفتر اول میں مقام صلیبیت کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے یہی اسکا خلاصہ ہے الفظ
میں دید پائے

اسکے بعد شاہ صاحب یقین کے مختلف مراتب پر گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں لکھتے ہیں۔
 یقین کی تیسری شاخ صدیقیت اور محدثیت ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں بعض
 لوگ ایسے ہوتے ہیں جو فطرتاً پیغمبروں کی شاہد ہوتے ہیں اب اگر یہ مشابہت قرائی عقلیہ میں ہو تو اس
 شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں۔ اور اگر قرآن و حدیث میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہلاتا ہے۔
 لیکن پھر صدیق اور محدث میں فرق یہ ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر کا اثر بڑی تیزی سے قبول کرتی
 ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر ایک صدیق جب پیغمبر کی زبان
 سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس چیز کا
 علم اس کو خود بخود بغیر کسی کی تقلید کے حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی نسبت یہ جو روایت ہے
 جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ جبریل امین کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے تو اس
 بھی دراصل اسی بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔

اسکے علاوہ صدیق کے چند اور خصائص بھی ہیں مثلاً وہ اس حق کی جو نبی پر نازل ہوتی ہے محبت
 میں اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے۔ حق سے محبت کی وجہ سے کسی امر میں اسکی مخالفت نہیں کرتا۔
 چنانچہ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ کی ان تمام فداکاریوں کا اظہار فرمایا ہے حضرت ابوبکرؓ کی یہ خصوصیت
 اسکے لیے تھی کہ وحی کے انوار آنحضرتؐ کی روح مبارک سے چھن چھن کر ابوبکر صدیق کی روح
 پر عکس نکلن ہوتے تھے اور اس بنا پر جب تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کے اس عمل میں شدت و تکرار
 پیدا ہوئی تو اس سے فنا اور فدا کا مقام حاصل ہو گیا۔

صدیق کی علامتیں متعدد ہیں مثلاً اسکا عالم بالرویا ہونا بغیر معجزہ کے سب سے پہلے ایمان لانا
 حب الہی میں غرق رہنا خوف و خشیت سے مغلوب رہنا۔ ظاہر ہے یہ تمام صفات کمال و تمام
 حضرت ابوبکرؓ میں پائے جاتے تھے اس بنا پر آنحضرتؐ کی براہ راست خلافت کا مستحق آپؐ کیجے
 سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ اے

اسکے بعد شاہ صاحب نے تجلیات کی بحث چھیڑ دی ہے اور اس سلسلہ میں بتایا ہے کہ حضرت
 ابوبکرؓ کا کیا مقام تھا لیکن چونکہ یہ بحث بہت غامض اور دقیق ہے جسکے عام قارئین متحمل نہیں

۱۔ حجتہ اللہ البالغہ صفحہ دوم از صفحہ ۶۸ تا منہ

ہو سکتے ہیں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں بہر حال اس تمام بحث سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت
 ابوبکرؓ کا مقام صدیق ہونے کی حیثیت سے کس قدر اونچا تھا اور حقیقت انکی سب سے بڑی فضیلت
 سب سے بڑی متعبدت اور سب سے بڑی تعریف ان کا صدیق ہونا ہے۔ اور یہ ایک اتنا بڑا وصف کمال
 جس میں حضرت ابوبکرؓ اپنی نظیر آپؐ تھے۔ چنانچہ جب حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپؐ کی شان
 میں یہ شعر آنحضرتؐ کی فرمائش پر سنائے۔

وثانی اثین فی العار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صعد الجبل

وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریۃ لعل یریدل بہ رجلا

ترجمہ:۔ اور ابوبکرؓ بلند غار (نور) میں دوہیں کے ایک تھے۔ حالانکہ جب دشمن پہاڑ پر چڑھا تو اس نے ان کا

محاصرہ کر لیا تھا اور آپؐ رسول اللہؐ کے محبوب تھے۔ تمام صحابہ اس بات کو جانتے تھے کہ اس

حضور میں دنیا کا کوئی ایک شخص بھی آپؐ کا حریف نہیں ہے۔

تو سرور عالم کو فطرط مرت سے ہنسی اس طرح آگئی کہ دندان مبارک نظر آئے لگے اور ارشاد

ہوا ”ہاں حسان! تم نے سچ کہا۔ بیشک ابوبکرؓ ایسے ہی ہیں۔“ اے

آپؐ کی یہ فضیلت بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپؐ کی چار نسلوں کو آنحضرتؐ کیسا تھ صحبت

و معیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان چاروں کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ۔ (۲) خود حضرت ابوبکرؓ۔ (۳) حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادہ

عبدالرحمن۔ (۴) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن عبدالرحمنؓ کہ

اولیات

محمد بن داور بن نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان کارناموں کا الگ الگ ذکر کیا ہے جنہیں اپنے

سب سے پہلے سبقت کی ہم ذیل میں ان کی فہرست یک جا دیتے ہیں۔

۱۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام آپؐ نے قبول کیا۔

۲۔ قرآن مجید کا نام سب سے پہلے آپؐ نے مصحف سکھا۔

۳۔ قرآن مجید کو سب سے پہلے آپؐ نے جمع کرایا۔

۱۔ ابن سعد ج ۵ القسم الاول ص ۷۔ ۲۔ الاستیعاب تذکرہ محمد بن عبدالرحمن

(۴) سب سے پہلا شخص جس نے کفار قریش کیساتھ آنحضرتؐ کی حمایت میں جنگ لڑی اور ضرباتِ شدیدہ برداشت کیں حضرت ابوبکرؓ ہیں۔

(۵) اسلام میں سب سے پہلے جس نے مسجد نبویؐ وہ حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: حضرت صدیق اولؓ کے است کہ مسجد بنا کر دو اعلام اسلام نمود“ لے

(۶) آنحضرتؐ کی حیات میں جب سب سے پہلے حج کی امامت کا شرف حاصل ہوا وہ آپ ہی ہیں۔
(۷) آنحضرتؐ نے جب کو با برار نماز کی امامت کا حکم فرمایا اور خود بھی اس کے پیچھا اقتداء کی وہ حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔

(۸) سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں اور سب سے پہلے شخص ہیں جو اس لقب سے لکا سکے۔
(۹) سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی زندگی میں خلافت ملی۔
(۱۰) سب سے پہلے خلیفہ ہیں جس کا نفقہ رعایا نے مقرر کیا لے
(۱۱) سب سے پہلے بیت المال آپ نے قائم کیا۔

(۱۲) سب سے پہلے اجتہاد و استنباط احکام کے اصول اربعہ آپ نے مقرر کئے۔
(۱۳) سب سے پہلے دوزخ سے نجات کی خوش خبری آنحضرتؐ نے آپ کو ہی دی اور عتیق کے لقب سے مشرف فرمایا۔

(۱۴) سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے بارگاہِ نبوت سے کوئی لقب حاصل کیا۔
(۱۵) سب سے پہلے آپ نے ہی فرمایا ”السلام موکل بالمتطقی“۔

ذاتی حالات و سوانح

حلیہ | حضرت عائشہؓ سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا حلیہ کیا تھا؟ کہنے فرمایا۔ وہ گورے چٹے دبے پتلے آدمی تھے۔ دونوں رخسار سے ہونٹے تھے کمر ذرا خمیدہ تھی ہتھک پر رک نہیں سکتا تھا۔ نیچے کھسک جاتا تھا چہرہ ٹہریاں نکلا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کی جانب دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی بلند۔ انگلیوں کے جوڑ گھٹت سے خالی تھے پنڈلیاں اور

رائیں پر گوشت نہیں تھیں۔ قدموزوں تھا، مہندی کا خضاب لگاتے تھے لے لباس غذا | نہایت سادگی پسند تھے کپڑے بھی موٹے جھوٹے پہنتے اور کھانا بھی سادہ کھاتے تھے۔ بعض اوقات فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے انہیں اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں دیکھا کہ بھوک سے بیقرار ہیں ارشاد ہوا ”میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں حضرت ابو۔ البہیم انفاری کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کھانے کا انتظام کیا۔

ذریعہ معاش | آپ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے ان کو خیر میں ایک جاگیر بھی عنایت فرمائی تھی، بحرین میں بھی آپ کو جاگیر ملی تھی اور اطرافِ مدینہ میں اموال بنی النضیر سے بیر جمر تھا جو آنحضرتؐ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اس کی اصلاح کی اسمیں کھجور کے درخت لگائے اور پھر حضرت عائشہؓ کو دیدیا۔ اس طرح بحرین کی جاگیر بھی حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی تھی لیکن وفات کے وقت ان سے واپس لے لی تھی تاکہ بہن بھائیوں کی حق تلفی نہ ہو۔ لے روزیہ خلافت | خلیفہ ہونیکے بعد قوم نے آپ کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا تھا؛ لیکن اس کی مقدار کتنی؟ اسمیں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے یہ تمام روایتیں نقل کر دی ہیں ہماری رائے میں ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کا وظیفہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا تھا لیکن جب دیکھا کہ گزر نہیں ہوتی تو اسمیں اضافہ ہونے لگا اور ادھر فتوحات کے باعث اسلامی ریاست کی مالی حالت بھی بہتر ہوتی جا رہی تھی اس بنا پر شدہ شدہ آپ کا وظیفہ چھ ہزار درہم سالانہ ہو گیا اور اسکے علاوہ پہننے کیلئے آپ کو دو چادریں دی جاتی تھیں جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انکی جگہ دو اور چادریں دیدیتے تھے۔ اور وہ پرانی واپس لے لیتے تھے۔ سفر کرتے تھے تو سواری اور اہل و عیال کیلئے اتنا ہی خرچ ان کو ملتا تھا جو خلیفہ ہونے سے پہلے انکے اس کام کیلئے کافی ہوتا تھا کہ خلیفہ ہونیکے بعد کے معمولات | جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو اس زمانہ میں مدینہ کے قریب ایک مقام ”سنخ“ میں اپنی بیوی حبیبہ بنتِ خارجہ کیساتھ رہتے تھے۔ بیعت کے بعد بھی چھ مہینے تک آپ کا قیام وہیں رہا۔ اس مدت میں صبح کی وقت کبھی پا پیادہ اور اکثر گھوڑے پر بیٹھ کر مدینہ آتے تھے، جسم پر تہمداد چادر ہوتی تھی جو گہرے رنگ کی ہوتی تھی پورے بدن آپ مدینہ میں گزرتے

اور نمازوں میں امامت کرتے تھے جب آپ نہیں ہوتے تھے حضرت عمر نماز پڑھاتے تھے لے
چھ مہینوں تک یہی معمول رہا۔ اس کے بعد مدینہ میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔
عبادت | جب نماز پڑھتے تھے تو خشوع و خضوع کا اس درجہ غلبہ ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کی طرح
سیدھے کھڑے رہتے تھے۔ لے

حقوق العباد کا خیال | حق اللہ کے سوا حقوق العباد کا بھی اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ ایک
مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟ حضرت
ابوبکر بولے ”میں یا رسول اللہ! پھر پوچھا“ تم میں سے آج کس نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ تم میں
میں سے کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ جس شخص نے ان سب بات
کا جواب اثبات میں دیا وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق کی ذات تھی آنحضرتؐ یہ سن کر ارشاد فرمایا
”جس نے ایک دن اتنی نیکیاں کی ہیں وہ یقیناً جنت میں جائیگا۔ لے
رقت قلب | قلب نہایت رقیق تھا۔ قرآن مجید جب پڑھتے تھے تو آنسوؤں کی جھڑی لگتی
تھی اور اس طرح ہلک ہلک کر روتے تھے کہ جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان کا جی بھر آتا اور رونے
لگتے تھے۔ سلسلہ میں جب حج کیلئے تشریف لے گئے تھے تو مکہ میں حضرت عمرؓ بن ابی جہل
اور کچھ دوسرے لوگ آنحضرتؐ کی تعزیت کیلئے آپ کے پاس آئے تو آپ کا حال یہ تھا کہ یہ
حضرت تعزیت کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ روتے جاتے تھے بہت بات پر سرد آہ کھینچنے کی
وجہ سے آپ کا لقب ہی ”اَوَّاكُمْنِيبٌ“ ہو گیا تھا۔

قلم کس طرح کھاتے تھے | آپ کی بعض خاص خاص عادتیں تھیں جو صحابہ کرام میں مشہور
تھیں، مثلاً اگر انکو قسم کھا کر یہ کہنا ہوتا تھا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، تو فرماتے تھے لَا هَالَا لَللّٰهِ
ازواج | طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کل چار نکاح کئے ہیں۔ دیکھا اسلام سے قبل اور دیکھا
اسلام کے بعد، اسلام سے پہلے آپ نے جن خواتین سے عقد کیا تھا انکے نام (۱) قتیلہ بنت عبد العزی
اور (۲) ام رومان بنت عامر بن عیمرہ ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد جن خواتین سے شادی کی

لے ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکر صدیق لے کنز العمال بر سند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۰

لے صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۳ لے ابن سعد تذکرہ حضرت ابوبکرؓ بخاری ج ۱ ص ۵۵۸

انکے نام | حضرت اسماء بنت عمیس اور (۲) حبیبہ بنت خاریہ ہیں یہ سب ملکر چار بی بی ہیں
لیکن بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اپنے بزرگ بھائی کی ایک عورت سے بھی
جس کا نام ام بکر تھا شادی کی تھی اور ہجرت کے وقت انکو طلاق دے دی تھی لے
ام رومان | قتیلہ بنت عبد العزی کا اسلام مشکوک ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر وہ
فتح مکہ تک زندہ رہیں تو غالب یہی ہے کہ مسلمان ہو گئی ہوں گی۔ البتہ ام رومان کو یہ شرف حاصل تھا
ام رومان جب پہلے عبد اللہ بن الحارث نامی ایک شخص کی بیوی تھی یہ عہد جاہلیت میں مکہ اگر اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ
سے مخالفت کر لی تھی چنانچہ جب اسکا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ام رومان کیساتھ شادی کر لی ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ
انکو مکہ میں چھوڑ گئے تھے بعد عبد اللہ بن ارقیط کو بھیج کر ان کو بھی مدینہ بلوایا۔ حضرت ام رومان
کے سال وفات میں بڑا اختلاف ہے ابن سعد و ذی الحجۃ لکھتے ہیں بعض محدثین ۳۵ یا ۳۶
کون کا سال وفات بتاتے ہیں لیکن صحیح ابن سعد کی ہی روایت ہے کہ یہ حدیث انکے میں حضرت
ام رومان کا نام آتا ہے۔ اور یہ واقعہ بے شبہ ہجرت سے پانچ سال بعد کا ہے حضرت ام رومان کی فضیلت
اس بڑھ کر لکھی ہوئی کہ جب آنحضرتؐ نے انکی نعش کو قبر میں اتارا تو ان کیلئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا
”لے خدا پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ام رومان خیرے لئے اور تیرے

اسماء بنت عمیس | قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھیں آنحضرتؐ کی زوجہ حضرت میمونہؓ کی ماں بزرگ
ہیں تھیں انھوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت جعفرؓ سے
ان کا پہلا نکاح ہوا تھا جب حبش کی ہجرت کا حکم ہوا تو میامی بیوی بھی دونوں حبش ہجرت
کر گئے تھے۔ جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے نکاح کر لیا۔ ایک مرتبہ حضرت اسماء
نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! لوگ ہمارے مقابلہ میں اپنی بڑی فضیلتیں جتاتے ہیں
آپؐ فرمایا ”ابے اگر کوئی تم سے ایسی بات کہے تو تم کہنا کہ ”تم لوگوں نے تو ایک مرتبہ ہجرت کی ہے
مجھ کو دو مرتبہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بھی انکی
فضیلت اور بزرگی کے قائل تھے۔ چنانچہ آپؐ نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کو
عسل جنازہ حضرت اسماءؓ دیں۔ لے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ حضرت علیؓ

لے طبری ج ۲ ص ۱۱۶ ابن اثیر میں بھی یہی ہے کہ بخاری ج ۱ ص ۵۵۸ لے ام رومانؓ تذکرہ ام رومانؓ ایضاً لے الامام ج ۲ ص ۲۱۵ لے نکاح کر لیا تھا۔

تبصرہ

رسول اللہؐ کے خلیفہ اول کی حیاتِ طیبہ کا پورا مرتع اب تمہارے سامنے ہیں۔ اسکو غور سے دیکھو تو تمکو اس آئینہ میں ایک ایسے انسان کی شکل و صورت نظر آئیگی جو ہمیشہ سے مکمل ہے جس میں انسانی کمالات و اوصاف بیک وقت سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کی تکمیل کا درو مدار اسکی ان باطنی قوتوں کی اعلیٰ تربیت و تہذیب پر موقوف ہے جو قدرت نے اسکے اندر ودیعت رکھ دی ہیں یہ قوتیں اصولی طور پر دو ہیں ایک قوت نظری اور دوسری قوت عملی۔ پہلی قوت کے اعتدال سے جو کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ ذکاوت، حسنِ فہم، اعتدال، فکر، شہامت وغیرہ ہیں اور قوتِ عملی کا استعمال سے جو اوصاف و کمالات پیدا ہوتے ہیں وہ شجاعت، سخاوت، سعادت، غیرت و علم خودداری وغیرہ ہیں کسی شخص میں ان تمام اوصاف و کمالات کا بیک وقت جمع ہو جانا انسانی سعادت و خوش نصیبی کی معراج کمال ہے۔ اور قرآن مجید میں اسی کو خیر کہا گیا ہے اور فرمایا گیا "وَمَنْ يُوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" اگرچہ عمومی طور پر اس وصفِ خاص میں دوسرے صحابہ کرام بھی حضرت ابوبکرؓ کے شریک ہیں لیکن جس طرح نیکی اور حسنِ حسن میں فرق مراتب ہوتا ہے اسی طرح حکمت و حکمت میں بھی مدارج و منازل کا بڑا فرق و امتیاز ہے اسی فرق کے اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام سب سے اونچا تھا اور وہ حکمت و سعادت کے اس نقطہٴ عروج پر فائز تھے جو نبوت سے نیچے اور سب سے اونچا ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروقؓ کو وسعتِ فتوحات، تدبیر و تدبیر و نظم و نسق اور حکومت کے داخلی و خارجی انتظامات کی وجہ سے تاریخ اسلام میں جو اہمیت و عظمت حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی مدتِ خلافت دس سال ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی کل سوا دو برس، اور اس سوا دو برس میں آپؓ نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ فاروقی کارناموں کیلئے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فتوحات کی وسعت اور حکومت کا نظم و نسق اسوقت تک ناممکن ہے جب تک کہ قوم کے اندر وحدت نہ ہو اس میں کسی قسم کا داخلی انتشار اور طوائف الملوکی نہ ہو، یہ قومی وحدت کس نے پیدا کی؟ پورے عرب کو متحد کس نے کیا؟ اور قومی یک جہتی کا تصور کس نے پھولکا؟ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد و بغاوت کا سیلاب چاروں طرف سے جس زور و شور سے اٹھا تھا اسکے مقابلہ میں مادی اسباب و حالات کے ماتحت ان صحابہ کرام کی جو مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے کیا بساط تھی؟ اکابر صحابہ یہاں تک کہ خود حضرت عمرؓ کی جلیں استقلال و پامردی پر اضطراب و تشویش کی شکن پیدا ہو گئی تھی چنانچہ انھوں نے مشورہ دیا کہ جیشِ اسلام کو ختم کر کے مدینہ کی قبائل کی طرف بھیجنا ملتوی کر دیا جائے۔ مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد و قتال نہ کیا جائے۔ لیکن خلیفہ رسولؐ نے جس ہمت و استقلال سے عزم و عالی حوصلگی کیساتھ ان سب حالات و حوادث کا مقابلہ کیا وہ انسانی تدبیر و عزم کی تاریخ کا ایک بلند ترین شاہکار ہے۔ تدبیر کا یہ عالم ہے کہ بڑے بڑے مغربی مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ ان حالات میں جیشِ اسلام کا روانہ کرنا ایک عظیم الشان سیاسی حربہ تھا جس کی قبائل عرب کو اور ایران اور روم کی طاقتوں کو نفسیاتی طور پر مغلوب کر دیا۔ عزم و استقلال اور ہمت و پامردی کی یہ کیفیت ہے کہ وہی رقیق القلب اور پیکر تقدس انسان جو آنحضرتؐ کا نام آتے ہی رو پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ جیسے انسان کو طعنہ دینا ہے کہ تم عہدِ جاہلیت میں تو بڑے مضبوط تھے مگر اب تم کمزور ہو گئے غرض کہ صحابہ کرام کی اکثریت کے برخلاف وہ ہمیشہ اسلام کی ہم بھی سرکر تھے۔ مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ بھی کرتا ہے اور پھر اس تاریخ ہو کہ مرتد اور باغی قبائل کی سرکوبی کیلئے اپنے گیارہ لشکر پورے جزیرۃ العرب میں بھیلادیتا ہے جسکا چند مہینوں کے اندر ہی اندر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ارتداد و بغاوت کے تمام تیر بار بادل یک قلم چھٹ جاتے ہیں اور پورا جزیرۃ العرب ایک دینِ حق کے علم کے نیچے آکر جمع ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیفیت ہے کہ "عالم تمام مطلع انوار ہو گیا۔"

پھر خود اعتمادی۔ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کی مثال اس سے بڑھ کر امد کیا ہوگی کہ ابھی مرتد قبائل کی ہم سے پورے طور پر فراغت بھی نہیں ہوئی ہے کہ عرب کے خارجی استیقام و خلعت کی مصلحت کے تقاضے سے ایران و روم کو جو اسوقت دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں تھیں جلیج کرا ہے

اور پر سب کچھ پور نہی دفعۃً و بغتۃً نہیں ہو جاتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے نہایت منظم اور مضبوط طریقہ پر کرتا ہے۔ خود خلیفہ رسول عراق و شام کے محاذ جنگ سے سیکڑوں میل فاصلہ میں اپنے ایک چھوٹے سے اور غیر آراستہ مکان میں بیٹھا ہے۔ اور نہیں سے اسلامی فوجوں کی کمانڈ کرتا ہے۔ ان کو راستوں کے نشیب و فراز سمجھا رہا ہے۔ فریق محارب کے مورچوں کی خصوصیات بتا رہا ہے اور ان کے پیش نظر خود عساکر اسلام میں ترتیب و تہذیب قائم کر رہا ہے و اتفاقاً جنگ ایک ایک جزئیہ پر اسکی کڑی نگاہ ہے۔ اور اس کے لئے حب موقع و مصلحت وہ احکام و ہدایات ڈالتا کرتا ہے۔ شام کے محاذ پر حبیب جود و تعطل پیدا ہوا تو فوراً اسے خالد کو حکم ہوتا ہے کہ عراق سے شام پہنچیں اور وہاں جو اسلامی فوجیں ہیں انکی کمانڈ اپنے ہاتھوں میں لیں اس حکم کی فوراً تعمیل ہوتی ہے۔ اور صورت حال یک بیک بدل جاتی ہے عوز کردار عرب میں یہ اتحاد نہ پیدا ہوتا اور حیرہ کے میدان جنگ میں ایرانی فوج کو شکست فاش نہ ہوتی تو محمد فاروقی میں جو فتوحات ہو سکتی تھیں وہ بھی ہو سکتی تھیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کی نسبت فرمایا گیا کہ وہ حسنۃ فین حسنات ابی بکر تھے۔ اور خود حضرت عمر نے اقرار کیا کہ وہ حضرت ابوبکر کے سینہ کے ایک بال ہیں۔

تاریخ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں سکندر اعظم ہی بال جنگیز خاں اور تیمور اور بھی بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں جنہوں نے نہایت عظیم الشان فوجی کارنامے انجام دیئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم الشان فاتح ایسا بھی گزرا ہے جس نے دنیا کی تاریخ کا وہی الٹ دیا ہو۔ لیکن اسکے باوجود نہ اس کے سر پر تاج زر و فتاں ہوا اور نہ اس کی سلطانی معمولی سے معمولی آدمیوں کی طرح رہتا سہتا ہو اس میں اور دوسرے لوگوں میں شان و شوکت اور وجاہت و سطوت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہوا وہ عملہ کی بکریوں کا دودھ بھی دودھ دیتا ہو۔ رات کے وقت چھپ چھپ کر نابینا عورت کے گھر کا سارا کام بھی کرتا ہو۔ معمولی کپڑے پہنتا ہو۔ موٹا جھوٹا کھاتا ہو۔ اسکے پاس نہ خدم و خشم ہوں۔ اور نہ محلات و محوور نہ خزانے ہوں۔ اور نہ نذر و نسیم کے انبار نہ جو کیدار نہ دربان نہ مٹری گارڈ اور نہ پولیس کا کھانا دستہ۔ ایک معمولی سے معمولی انسان بھی بڑا اسکو سر راہ ٹوک سکتا ہو۔ ایک ادنیٰ حیثیت شخص

بھی بھرے مجمع میں اس سے باز پرس کر سکتا ہو اور جب وہ اپنی فوج کو کسی مہم پر روانہ کرتے کے لئے کچھ دور تک مشالحت کے لئے جاتے تو اس شان سے کہ وہ خود پایادہ ہوا اور اسکا نوز و نوجوان امیر فوج گھوڑے پر سوار ہو اسکی بیٹی اپنے شوہر کے گھوڑے کا دلیر خود دلتی ہو اور پھر نوز و نوجوان امیر اسے سر پر رکھ کر پیدل چلتی ہو۔ اور خود اسکا اپنا حال یہ ہو کہ وہ کپڑوں کا گٹھڑا اپنے سر پر رکھ کر بازار میں بھرتا ہو، بتاؤ فوجی و حربی کا مکاری کے ساتھ یہ جمہوریت اور یہ مساوات و برابری۔ یہ تو اضع و فرد تنی پوری پوری تاریخ عالم میں کہیں اور بھی نظر آتی ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ جمہوریت اور مساوات کی جو مثال حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں قائم کی وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق کی اس بے نقبی اور انتہائی سادگی کو دیکھ کر حضرت عمر بھی کہہ پڑے کہ ”سے ابوبکر! تم نے اپنے بعد میں آنے والوں کیلئے بڑی مشکلات پیدا کر دیں“ یعنی تمہارے نقش قدم پر چلنا کسکی لب کی بات نہیں پھر فاتحین و کشور کشایان عالم میں کتنے ہیں جن کے لشکروں نے شہروں کو غارت و محو نہ اُجاڑا ہو۔ آبادیوں کو دیرانہ میں تبدیل نہ کر دیا ہو۔ بوڑھوں۔ بچوں اور عورتوں پر ترس کھایا ہو کھیتوں کو آگ نہ لگائی اور درختوں کو نہ کاٹا ہو۔ لیکن یہاں کیا عالم تھا۔ فوج روانہ ہوتی تھی تو بڑی تاکید سے ان اسد کی نسبت ہدایات دی جاتی تھیں اور کسی کی مجال نہ تھی کہ فرمان خلافت سے ذرا سرتابی کر سکے۔ ان سب چیز کا اثر یہ تھا کہ جو لوگ میدان جنگ میں شمشیر آ زماں کرتے تھے جب ہوا کا رخ پلٹتا تھا تو انہیں کی زبان فاتحین کیلئے دعا میں کرتی تھیں۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد جنگ کی ہونا کیوں کا نام و نشان میدان جنگ سے باہر کہیں نظر نہیں آتا تھا اور ملک میں پہلے سے زیادہ خوش حالی اور آسودگی پیدا ہو جاتی تھی۔

یہ جو کچھ لکھا گیا حضرت ابوبکر صدیق کے کارناموں کا صرف ظاہر اور مادی پہلو تھا اگر خالص شرعی و دینی اور معنوی و باطنی پہلو کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آگیا کہ جو کام آنحضرتؐ کی زندگی میں تکمیل کو نہ پہنچا تھا۔ خلیفہ اولؓ کے ہاتھوں اسکی تکمیل ہوئی۔ بعد ہی عرب قوم کو متحد کرنے کے علامہ قرآن مجید کو جمع کرتا اور اسکو فیاض سے پالینا یہ شبہ

ایک پیغمبر کا زمانہ ہے۔ جس کی وجہ سے خود اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنَّا عَلَيْنَا جَمْعُهُ پورا ہوا۔ قرآن جس پر اسلامی شریعت کی اساس قائم ہے اسکو جمع کر کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دینا۔ زکوٰۃ و صدقات کے احکام کی تبلیغ و اشاعت اور انکی تفصیل و تشریح جیش اسلام کی روانگی، مرتداد باغیوں کی سرکوبی، مدعیان نبوت کا استیصال ایران اور روم کی ان کے اسلام دشمن منصوبوں کی بنا پر گونہاں۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت قبائل عرب کا باہمی اتحاد و اتفاق پر لگا دینا۔ یہ سارے اہم کام جو کل سوا دہریس کی مدت میں حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے اور کن نامساعد و ناموفق حالات میں ہوئے اور کس طرح ہوئے، ان سب کو سامنے رکھو اور بتاؤ کہ کیا ان کے صاف طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر پیغمبر نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن انکی یہ تمام کارنامے پیغمبرانہ تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا "اگر ابوبکر نہ ہوتے تو خدا کی عبادت نہ کی جاتی" گو یا قرآن نے "ثَانِي اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْعَارِ" کہہ کر پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ جس کی جسمانی معیت و رفاقت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی انزل میں اس کے لیے یہ سعادت بھی مقدر کر دی گئی تھی کہ جسمانی رفاقت کے ساتھ معنوی اشتراک عمل اور باطنی رفاقت کا بھی اس سے مظاہرہ ہو۔

اسی خصوصیت کی بنا پر شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت ابوبکر کے عہد خلافت کو صرف خلافت نہیں بلکہ خلافت خاصہ کا عہد کہتے ہیں، یہ مقام چونکہ بہت نازک ہے اسلئے ہم خود اپنی طرف سے اس کی کوئی تفصیل نہیں کریں گے۔ بلکہ شاہ صاحب کی تقریر کے متفرق اقتباسات نقل کر کے انہیں پر کتاب بھی ختم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

از میان امت جمعے ہستند کہ جو ہر نفس ایشان
قرب بجوہ نفوس انبیا مخلوق شدہ و این
جماعہ در اصل فطرت خلقت انبیا اند و امت
بمثال آن نحو آئینہ آہنی از آفتاب اثرے قبول
فی کند کہ خاک و چوب و سنگ و نیست و این

امت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے نفس کا
جوہر انبیا کے جوہر نفوس کے قریب ہی مخلوق
ہوتا ہے۔ یہ لوگ پوری امت میں فطرتاً انبیا کے
خلیفہ ہوتے ہیں اور ان کی مثال اس آئینہ صبی
ہوتی ہے جو آفتاب سے براہ است از قبول آفتاب

فرق کہ خلاصہ امت انداز نفس قدسیہ پیغمبر
بوجہ متاخر می شوند کہ دیگران را میسر نمی آید
و آنچه از آن حضرت فراگرفته اند بشہادت دل
فراگرفته اند۔ گویا دل ایشان آن چیز ہمارا
اجمالاً ادراک کردہ بود و کلام آنحضرت شرح
و تفصیل آن معانی اجمالی بود۔۔۔ پس خلافت
خاصہ آنست کہ این شخص چنان کہ در ظاہر حال
رئیس مسلمین شود بحسب وضع طبیعی کہ مراتب
استعدادات افراد بنی آدم مست در ضبط و علو
فطرت الامثل فالامثل نیز رئیس امت باشد
تاریاست ظاہر ہمدوش ریاست باطن کریم
(از الہ الحقا مقصد اول ص ۹)

ہے در آن حالیکہ مٹی لکڑی اور پتھر کو یہ بات
میسر نہیں، ایسے لوگ امت کا حامل ہوتے ہیں
اور وہ آنحضرتؐ سے اخذ کیا ہے خود اپنے
دل کی شہادت سے اخذ کیا ہے۔ گویا ان
حضرات کے دل نے اجمالاً ان چیزوں کو پہلے
ہی دریافت کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ نے تو بس اس
کی شرح و تفصیل بیان فرمادی۔۔۔ پس خلافت
خاصہ یہ ہے کہ یہ شخص جس طرح ظاہری طور
پر مسلمانوں کا رئیس ہوتا ہے۔ وضع طبیعی یعنی
مراتب استعداد میں افراد بنو آدم کا اختلافات
و تفاوت کے اعتبار سے فطرت کی صفائی اور
بلندی میں بھی رئیس امت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ

رسمی ریاست ظاہر ہمدوش ریاست باطن ہوتی ہے
جب ایک خلیفہ اس مرتبہ عالی پر متمکن ہوتا ہے کہ تو اگرچہ وہ خود پیغمبر نہیں ہوتا
لیکن پیغمبر کا دست بازو ہوتا ہے، اس کے اعقاد و جوارح ہوتا ہے اور اس بنا پر اس کے
تمام کارنامے خود گویا پیغمبر کے کارنامے ہوتے ہیں۔ یہ خلیفہ تو صرف ایک واسطہ اور فدیہ
ہوتا ہے جیسے نغمہ سرائی و زمزمہ آفرینی دراصل نے نواز کا کمال ہے اگرچہ نغمہ نگار نے
سے ہی۔ چنانچہ اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

آنچہ از تقایم رحمت الہی نصیب پیغامبر گشتہ
پیغامبر قبل از مباشرت آن بر بنیق اعلیٰ
پیوستہ بوجہ از جوہر سببیۃ و انانیتہ
آن معانی را بدست خلفا اتمام ساختہ اند و بحقیقت
آن ہمہ را جمع ست بر پیغامبر و ایشان

رحمت خداوندی کی تقسیم سے جو کچھ بھی پیغمبر
کے حصہ میں لکھ دیا گیا تھا اور آپ اسکو سر انجام
دینے سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے تو اب
ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اصالتاً یا نباتاً
ان چیزوں کو خلفاء کے ہاتھ سے پورا کر دیا ہے۔

بمنزلہ جوارح پیغامبر شدہ اندلاعیں پس
خلافت خاصہ آنست کہ از خلیفہ کار ہائے
کہ نصیب آنحضرتؐ او منسوب بالیشانست
در قرآن عظیم و حدیث قدسی بدست دے مرزا
شود و آنحضرتؐ انابت اور تصریحاً و تلویحاً
مرات کثیرہ اظہار فرمودہ باشند تا آن ہمہ کار ہائے
در جریہ اعمال حضرت پیغامبر مرقوم گردد۔
دالشان شرف و سلطنت حاصل نموده باشند
لا غیر۔ (ص ۱۰)

اور در حقیقت یہ تمام کارنامے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی
کارنامے کہلائیں گے اور خلفا پیغمبر کے اعضاء کی طرح ہونگے اور
پس خلافت خاصہ کے معنی یہ ہیں کہ جو کام
قرآن مجید یا حدیث قدسی میں آنحضرتؐ کے حصہ
میں لکھے ہوئے ہیں وہ خلیفہ کے ہاتھوں میں انجام
ہوں اور آنحضرتؐ نے مراحۃ و اشارۃ اسکی
کی خلافت کا اظہار بار بار کر بھی دیا ہو۔ اس
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ کے یہ تمام کارنامے
حضرت پیغامبرؐ کے دفتر اعمال میں درج کر لئے
جاتے اور خلیفہ کو بس وساطت کا شرف حاصل ہوتا ہے

بہان التَّنْزِيلِ

دو سو عقلی دلائل سے قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا ثبوت
اپنے موضوع پر منفرد کتاب، جو ایک عرصہ سے نایاب تھی۔

حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ دارالعلوم دیوبند



إدارة إسلامیات

۱۹۰ - انارکلی ○ لاہور

تاریخ اسلام کا گرانقدر ذخیرہ

سیر الصحابةؓ (کامل)

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تابعین، تبع تابعین اور نامور ائمہ کرام (رحمہم اللہ) کے مستند حالات زندگی پر اردو میں اللہ جبار سے فزین سب سے اہم جامع اور مفصل سلسلہ کتب جو چودہ حصوں میں تحریر کیا گیا تھا اب مجلد آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے

جلد ۱

حصہ اول : خلفائے راشدین (چاروں خلفائے راشدین کے حالات و کمالات)

جلد ۲

حصہ دوم : مہاجرین، حصہ اول (عشرہ مبشرہ اکابر قریش اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے ۳۸ حضرات صحابہ کے حالات)
حصہ سوم : مہاجرین، حصہ دوم (بقیہ ۱۰۱ مہاجر حضرات صحابہ کے حالات جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے)

جلد ۳

حصہ چہارم : انصار، حصہ اول (۵۱ جلیل القدر انصار کرام صحابہ کے حالات)
حصہ پنجم : انصار، حصہ دوم (بقیہ ۶۲ انصار کرام اور خلفاء انصار صحابہ کے حالات)

جلد ۴

حصہ ششم : چار صحابہ حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے حالات
حصہ ہفتم : (فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ صحابہ کے حالات کا مرقع)

جلد ۵

حصہ ہشتم : اسوۂ صحابہ اول (صحابہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق، حسن معاشرت اور طرز معاشرت)
حصہ نہم : اسوۂ صحابہ دوم (صحابہ کرام کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی تفصیل اور مجاہدانہ کارنامے)

جلد ۶

حصہ دہم : سیر الصحابیات (ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور اکابر صحابیات کے سوانح زندگی)
حصہ یازدہم : اسوۂ صحابیات (صحابیات کے مذہبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی واقعات اور دینی خدمات)
حصہ دوازدہم : (۹۳ اہل کتاب صحابہ صحابیات اور تابعین و تابعات کے سوانح اور کارنامے)

جلد ۷

حصہ سیزدہم : تابعین (۹۶ اکابر تابعین کے سوانح زندگی، علمی، اصلاحی خدمات، مجاہدانہ کارنامے)

جلد ۸

حصہ چہارہم : تبع تابعین (اول) (۱۹ جلیل القدر تبع تابعین بشمول مشہور ائمہ کرام کے حالات و کمالات)

جلد ۹

حصہ پانزدہم : تبع تابعین (دوم) (۴، تبع تابعین عظام کے سوانح و حالات اور ان کی علمی و دینی خدمات کی تفصیل)

ساتھ ہی پانچ ہزار صفحات پر مشتمل مکمل سیٹ ۹ جلدوں میں مجلد، انگریز سفید کاغذ، ڈوائی دار مضبوط جلدیں، قیمت - /

نشر : اِدَارَةُ اِسْلَامِیَّاتِ ۱۹۰ - انارکلی لاہور ۶۳۲۵۳